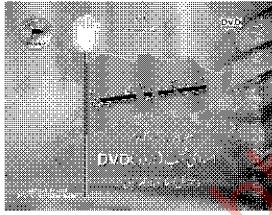


یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

Presented by: Rana Jabir Abbas



۷۸۶
۹۲۱۱۰
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD
Version

لبیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.page.tl

sabeelesakina@gmail.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

<http://fb.com/ranajabirabbas>

NOT FOR COMMERCIAL

www.ziaraat.com

صحیح فہم عالمیہ

صحیح فہم عالمیہ

سکھانہ کتب خانہ عالمیہ

شہیدان شہید

حضرت امام حسینؑ

شہیدان شہید

حصہ اول

حضرت علامہ
صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

حسین

چشتی کتب خانہ

جھنگ بازار ۰ فیصل آباد

چشتی
کتب خانہ

جھنگ بازار ۰ فیصل آباد

سبیل سکینہ

صدرِ آہد لطیف آباد، پتہ نمبر ۸-۷۱

اللہ اللہ ہائے بسم اللہ پندر معنی ذبحِ عظیم آمد پسر

معرکہ کرب بلائی سرخ تصویر کتاب لاجواب

پیشکش

جلد اول

تصنیف لطیف :

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ



چشتی کتب خانہ

جنگ بازار ۰ فیصل آباد

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	شہید ابن شہید اول
مصنف	حضرت علامہ صائم چشتی
پہلی بار	12 ذوالحجہ 1395ھ
بیالیسویں بار	جنوری 2005ء
تعداد	گیارہ سو
طابع	محمد شفیق مجاہد
کتابت	چشتی کمپیوٹرز
صفحات	688
ہدیہ	دو جلدیں مکمل سیٹ -/600 روپے

ملنے کا پتہ

شبیر برادرز اردو بازار لاہور

غریب و سادہ ورنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین، ابتداء ہیں اسماعیل

﴿اقبال﴾

انتساب

بصد خلوص ان تمام شہیدان وفا کے نام
جو حق و صداقت کے لئے قربان ہو جاتے ہیں

گدائے آل رسولؐ
صائم چشتی

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین، ابتداء ہیں اسماعیل

﴿اقبالؒ﴾

انتساب

بصد خلوص ان تمام شہیدان وفا کے نام
جو حق و صداقت کے لئے قربان ہو جاتے ہیں

گدائے آل رسولؐ
صائم چشتی

نذر

بصدا احترام و ادب شہزادی رسولؐ سیدہ زہراؑ بتول
کے حضور میں گر قبول افتد زہے عزّ و شریف

گدائے آل رسولؐ
صائم چشتی

فہرست مضامین

۴۱	سیدہ کے لئے جنت کا لباس	۱۷	نقش اول
۴۳	یہودی عورتوں کی کیفیت	۲۵	شانِ اہلبیت مصطفیٰ
۴۵	جنتی عورتوں کی سردار	۲۶	اہل بیت سے محبت کرو
۴۵	حضور سے سیدہ کی مشابہت	۲۷	دوسری روایت
۴۶	حضور سیدہ کا استقبال فرماتے ہیں	۲۸	یہ آیت صحابہ کے حق میں نہیں
۴۷	محبت و شفقت کی انتہا	۲۹	صاحب قرآن اور تفسیر قرآن
۴۸	یہ اہل بیت ہیں	۲۹	یہ آیت ازواج و اولاد کے لئے
۴۹	حدیث مصطفیٰ	۳۲	خاص اعزاز
۵۰	قافلہ نوری کی آمد	۳۲	محبت کا راز
۵۲	عسائیوں کا فرار	۳۳	سرکار کے اعلانات
۵۳	چاروں نفوسِ قدسیہ کی شان	۳۴	سب سے زیادہ محبت
۵۳	مکی اہل بیت ہیں	۳۴	محبت والوں سے محبت
۵۴	چاروں کی خصوصیت	۳۵	فاطمہ علی سے محبت
۵۴	انا اعطیک الکوثر	۳۵	سب سے زیادہ محبت فاطمہ سے
۵۵	سلسلہ نسب منقطع نہ ہوگا	۳۶	بیٹی سے محبت کی معراج
۵۶	کتاب اللہ اور اہل بیت	۳۷	سیدہ کی غضبناکی
۵۷	اہل بیت امان ہیں	۳۷	خدا غضبناک ہو جاتا ہے
۵۸	میری وجہ سے محبت کرو	۳۸	جو سیدہ کو ایذا دیتا ہے
۵۹	فرمان رسول	۳۸	اعزاز تو دیکھو
۵۹	محبت اہل بیت کے لئے مغفرت	۳۹	جو اللہ کو ایذا دیتے ہیں
۶۰	محبت اہل بیت کے لئے شہادت	۴۰	جناب سیدہ کا صبر

۱۰۶	سائل نوازی	۶۰	جنت کی بشارت
۱۰۶	شاعر نوازی	۶۱	محبت اہل بیت کی قبر
۱۰۶	گلدستہ کی قیمت	۶۱	محبت اہل بیت اہل سنت
۱۰۷	فطمی کا بدلہ	۶۲	رحمت سے مایوس شخص
۱۰۷	خلفہ القرآن	۶۲	معیار محبت
۱۰۷	حسن عبادت	۶۳	اسی گھر سے پروانہ نجات
۱۰۸	لا جوابی کا انعام	۶۳	اعمال بے کار ہوں گے
۱۰۹	فضائل حسنین	۶۴	مقابلہ اور موازنہ نہ کرو
۱۰۹	حسین تاجدار مدینہ کا عکس	۶۴	صحابہ پر طعن جرم ہے
۱۰۹	حضور کا مظہر حسنین	۶۴	انتخاب رسول
۱۱۰	یہ حقیقت ہے	۶۵	خدا اور رسول کے پسندیدہ
۱۱۱	ظاہر باطن میں مکمل تصویر	۶۷	چوتھی خلافت
۱۱۱	حضور کے لئے شہادت کا مرتبہ	۶۸	حضرت علی سے سوال
۱۱۲	تسری اور جہری شہادت	۷۹	علی کی ایک نیکی
۱۱۲	ہوا لظاہر ہوا لباطن	۸۰	علی کی محبت نبی کی محبت
۱۱۳	حضور کو دو شہادتیں ملیں	۸۱	علی کے فضائل
۱۱۳	کمال ظہور شہادت	۸۴	قرآن کی مہر
۱۱۴	سرکار نے اعزازات دیئے	۸۵	حضرت علی کا علم
۱۱۵	یہ فرامین رسول ہیں	۸۷	بہر نبوت کے دو موتی
۱۱۸	دشمن حسین جنت میں نہیں جائے گا	۱۰۰	پہلا پھول کھلتا ہے
۱۱۸	حسین سے محبت کرو	۱۰۱	چاند کی گود میں چاند
۱۱۹	شہادت حسین میں عیب نہ ڈھونڈو	۱۰۲	دوسرا پھول کھلتا ہے
۱۲۰	نماز نفع نہ دیں گی	۱۰۴	سیرت حسین کا خاکہ

۱۵۱	نویں پیشگوئی	۱۲۰	مقام مجدد ریزی
۱۵۲	دسویں پیشگوئی	۱۲۱	مجدد حسینی پر لاکھوں مجددے زبان
۱۵۳	گیارہویں پیشگوئی	۱۲۳	حضور کی امام حسین سے محبت
۱۵۳	بچہ دسویں پیشگوئی	۱۲۷	عظمت امام حسین
۱۵۴	تیرہویں پیشگوئی	۱۲۹	آمنہ کا چاند فاطمہ کا چاند
۱۵۶	مقصود حسین	۱۳۰	شہزادوں کی کشتی
۱۵۷	شہادت عظمیٰ کا کمال	۱۳۱	پیغام خدا آگیا
۱۵۹	مقام شبیری کو سمجھو	۱۳۲	بیٹے کی قربانی دے دی
۱۵۹	حسین بنا مشکل ہے	۱۳۳	امام حسین کے اعزازات
۱۶۰	اہل محبت کا جواب	۱۳۳	سوار کی اچھی سوار اچھا
۱۶۱	امام حسین اور خلافت	۱۳۴	خوشحالی کا مقابلہ
۱۶۲	امام حسین نے حق طلب کیا	۱۳۵	عید کے لئے کپڑے
۱۶۳	کفار کی طرح نہ سوچو	۱۳۷	حسین کا درزی جبریل
۱۶۳	سلطنت اسلامیہ اور حسین	۱۳۸	شہادت حسین کی پیشگوئیاں
۱۶۴	صرف ایک بات بتا دو	۱۳۸	مقدس شہادت کی گواہی
۱۶۵	حدود شریعت کی حفاظت	۱۳۹	پہلی پیشگوئی
۱۶۶	معرکہ کربلا کی حقیقت	۱۴۰	دوسری پیشگوئی
۱۶۷	اقبال موازنہ کرتے ہیں	۱۴۱	تیسری پیشگوئی
۱۷۱	یزید پلید کا مقصد	۱۴۲	چوتھی پیشگوئی
۱۷۲	یزید خریدار تھا	۱۴۲	پانچویں پیشگوئی
۱۷۳	یزید اسلام کو مٹانا چاہتا تھا	۱۴۸	چھٹی پیشگوئی
۱۷۴	یزید حدود کو توڑنے والا ہے	۱۴۹	ساتویں پیشگوئی
۱۷۶	یزید حدود کی حفاظت کیسے کر سکتا	۱۵۰	آٹھویں پیشگوئی

۲۰۲	حسین نے امانت واپس لوٹا دی	۱۷۶	میرے آقا حسین کی سر بلندی
۲۰۳	قرآن الگ نہیں	۱۷۸	حق حق رہا باطل باطل
۲۰۵	عقل سوال کرتی ہے	۱۷۹	یزید کا مقصد اور حسین کا مقصد
۲۰۶	قرآن کا جواب	۱۸۱	رحمائی قوت اور شیطانی قوت
۲۰۶	ظالموں کا ذکر کیا	۱۸۳	اسلام کو زندگی مل گئی
۲۰۷	قرآن حسین کے ساتھ ہے	۱۸۴	حسینیت زندہ رہے گی
۲۰۸	بد اعمال افعال کا انجام	۱۸۵	اسلام اور کفر کی جنگ
۲۰۹	حفظ کرنے کا مقصد	۱۸۶	شہادت عظمیٰ
۲۰۹	قرآن کے احکام مانو	۱۸۸	پیغام امام حسین
۲۱۰	قرآن سے بد عہدی	۱۸۸	وجوہ کی دلیل
۲۱۱	امام حسین کی طہارت کی گواہی	۱۹۰	قرآن اور حسین
۲۱۳	عقل و عشق	۱۹۱	ایک لطیف نکتہ
۲۱۶	عقل دھوکہ کھا جاتی ہے	۱۹۲	راز یہ تھا
۲۱۷	عقل کا سوال	۱۹۳	وجہ کیا تھی
۲۱۷	قرآن کا جواب	۱۹۴	حسین قرآن کے ساتھ ہے
۲۱۸	عقل کے بیچ و تاب	۱۹۵	تبلیغ کا اجر
۲۱۹	عقل عیاں تھی	۱۹۶	آیت مہابلہ میں ذکر حسین
۲۲۰	ہم پوچھتے ہیں	۱۹۶	قرآن نے حسین کو زندہ کہا
۲۲۱	لباس کثیف کی مثال		قرآن نے حسین کی
۲۲۱	حیات لطیف	۱۹۷	طہارت بیان کی
۲۲۲	ہوا کی موجودگی کا احساس	۱۹۸	خطبات حسین کا حاصل
۲۲۲	شہید کی زندگی	۱۹۸	امام کا اعلان
۲۲۳	حسین کی زندگی کا ثبوت	۱۹۹	قرآن اور حسین کی گفتگو

۲۲۴	عشق کی دنیا میں آ جاؤ	۲۲۴	امام حسین کی ماں سے فریاد
۲۲۵	امام حسین کا پیغام	۲۲۴	ماں کا جواب
۲۲۵	عقل کو غلام بنالو	۲۲۵	ماں الوداع کہتی ہے
۲۲۶	عشق اگر امام ہوگا	۲۲۶	الوداعی سلام
۲۲۶	عقل کے پیچھے چنے والو	۲۲۸	حسین نانا کے مزار پر
۲۲۷	امام حسین کے مقام کو سمجھو	۲۲۹	امام حسین کی نانا سے فریاد
۲۲۸	امام کا مقام عقل و عشق	۲۵۳	حسین کی عرض
۲۲۸	معرفت امام حاصل کرو	۲۵۴	امتحان گاہ دکھادی
۲۳۰	شہادت حسین کا پس منظر	۲۵۴	کر بلا مصلیٰ
۲۳۱	گورنر مدینہ کو امیر معاویہ کا خط	۲۵۴	فراٹ
۲۳۲	صحابہ کا جواب	۲۵۵	صبر کرنا ہے
۲۳۳	جھوٹا اعلان	۲۵۶	تیری شہادت میری شہادت
۲۳۴	یزید کو وصیت	۲۵۷	میدان گر بلا کا نظارا
۲۳۵	یزید کا حکم	۲۵۸	خدا حافظ کہتے ہیں
۲۳۵	امام حسین کا انکار	۲۶۰	اہل بیت کی تیاری
۲۳۶	مرحوم کا مشورہ	۲۶۰	بیمار بچی کا سوال
۲۳۶	امام کا اہل بیت سے مشورہ	۲۶۲	علی اکبر سے التجاء
۲۳۷	مدینہ منورہ سے جانے کا فیصلہ	۲۶۵	علی اصغر کی بے قراری
۲۳۸	اہل مدینہ کی معروضات	۲۶۸	بابا سے فریاد
۲۳۸	اہل مدینہ کی محبت	۲۷۱	بیمار کی آخری کوشش
۲۳۹	امام حسین کا جواب	۲۷۴	دوبہ انور
۲۳۹	سب چھ مدینہ میں ہے	۲۷۶	نبی سے الوداعی ملاقات
۲۴۰	حسین ماں کے مزار پر	۲۸۲	مدینہ چھوٹ جاتا ہے

۳۱۱	کوئی بھاگ گئے	۲۸۳	نوازشات کا بدلہ
۳۱۱	ہانی کی مسلم سے محبت	۲۸۷	قافلہ والوں کی حالت
۳۱۳	جاسوسوں کو خبر	۲۸۸	قافلہ روانہ ہو گیا
۳۱۳	حضرت ہانی کو بلاوہ	۲۸۹	حسین مکہ میں
۳۱۵	عارضی جوش	۲۹۱	کوفہ والوں کے خطوط
۳۱۵	ابن زیاد کی سیاست	۲۹۱	وعدہ فرمایا
۳۱۶	درباریوں کی جھوٹی گواہی	۲۹۲	وفد کی واپسی
۳۱۷	مسلم ہانی کا گھر چھوڑ دیتے ہیں	۲۹۳	امام مسلم کی کوفہ روانگی
۳۲۰	حضرت مسلم کی شہادت	۲۹۳	شہزادوں کی ضد
۳۲۷	ہاشمی تلوار چلتی ہے	۲۹۶	امام مسلم کوفہ میں
۳۳۱	ابن زیاد کے سامنے	۲۹۷	مسلم کا خط امام کے نام
۳۳۵	دہنئے مسافر	۲۹۸	یزید کے جاسوس
۳۳۹	اب کدھر جائیں	۳۰۰	یزید کا خط ابن زیاد کے نام
۳۴۵	مشکور کی شہادت	۳۰۱	اب دیکھئے کیا ہوتا ہے
۳۴۹	حبشیہ کنیر کا آنا	۳۰۳	نقاب پوش شیطان
۳۵۲	کنیز آزاد کردی	۳۰۳	لوگوں کی حیرانی
۳۵۹	یتیم بچے زنج ہوتے ہیں	۳۰۴	کسی نے نہیں سوچا
۳۶۰	ایک واقعہ	۳۰۴	نعمان کی معزولی
۳۶۱	جنت کا خواب	۳۰۵	نعمان اور ابن زیاد کی گفتگو
۳۶۹	ظلم کی سزا	۳۰۶	شک یقین میں بدل گیا
۳۷۱	مکہ مکرمہ سے روانگی	۳۰۷	کوفیوں کا کردار
۳۷۹	احباب کی آمد	۳۰۸	کوفیوں کا رویہ
۳۸۵	عبداللہ بن جعفر کا خط	۳۰۹	امام مسلم کی پریشانی

۳۴۹	میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتی	۳۸۸	بارگاہ رسالت میں التجاء
۳۵۰	شہزادہ رسول سے گفتگو	۳۹۰	آغا زعفر
۳۵۰	امام الہ نبیاء کی تشریف آوری	۳۹۱	راستوں کی ناکہ بندی
۳۵۱	کر بلا میں حضور نے امتحان دیا	۳۹۲	زہیر بن قین سے ملاقات
۳۵۲	نماز ادا ہو رہی ہے	۳۹۵	قاصد حسین کو فد میں
۳۵۳	جنگ کی تیاریاں	۳۹۸	کوفہ کی خبریں آ جاتی ہیں
۳۵۴	لشکر حسین کی ترتیب	۳۹۹	مسلم کی بیٹی
۳۵۴	میدان قیامت	۴۰۳	حر سے ملاقات
۳۵۵	امام عالی مقام نے فرمایا	۴۱۰	طرمج بن عدی
۳۵۷	یزیدی فوج اور حسینی لشکر	۴۱۳	ارض کر بلا
۳۵۷	یزداں کے عدد بھی بہتر ہیں	۴۱۶	جانی پچائی منزل
۳۵۸	مورخ حیران ہے	۴۱۸	عمر ابن سعد
۳۵۹	یزید کے ہمواروں کی جھوٹی تحقیق	۴۲۲	بالشافہ گفتگو
۳۶۰	مقام امام حسین	۴۲۷	محرم کی نویں تاریخ
۳۶۰	امام کی حکومت قائم رہے گی	۴۳۰	محرم کی دسویں رات
۳۶۵	عبدہ عشق و محبت	۴۳۳	ساتھیوں کو خطاب
۳۶۷	جہنمی جہنم میں	۴۳۶	امام کے ساتھیوں کی التجاء
۳۶۹	خطبہ امام اتمام حجت	۴۴۰	امام عالی مقام اور سیدہ زینب
۳۷۱	آپ جانتے تھے	۴۴۰	آغا زعفر
۳۷۲	حق و باطل کی جنگ	۴۴۵	ازواج طاہرات سے ملاقات
۳۷۳	پہلا پہلا تیر	۴۴۵	حسین تمہارا مشکور ہے
۳۷۴	کر بلا میں دیکھیں	۴۴۶	کل تمہارا امتحان ہوگا
۳۷۵	حسین کے قدموں میں	۴۴۷	ازواج کا غم میں ڈوبا ہوا جواب

۴۹۸	شیر خدا کے شیر	۴۷۸	شبیر کے سپاہی
۵۰۰	حضرت قاسم کی شہادت	۴۷۹	حسینی نیزے
۵۰۰	امام حسین کا انکار	۴۸۰	جابری لڑکے
۵۰۱	بھتیجے کا جذبہ ایثار	۴۸۱	حضرت حظلہ کی شہادت
۵۰۲	حضرت قاسم میدان کارزار میں	۴۸۲	اور سخت حملہ
۵۰۴	ارزق کے بیٹے سے مقابلہ	۴۸۳	مسلم بن عوشجر
۵۰۵	امام قاسم کی گزارش	۴۸۳	یزیدی سپاہ سالار کی بے چینی
۵۰۶	عمر بن سعد کا طنز	۴۸۴	مسلم بن عوشجر کی شہادت
۵۰۸	ارزق پاگل ہو گیا	۴۸۴	زہیر بن قین
۵۱۱	حضرت زینب کے دو پھول	۴۸۵	زہیر کی ابن سعد سے گفتگو
۵۱۱	حضرت زینب کی التجاء	۴۸۶	دوجوان
۵۱۲	چھوٹی سی نظر	۴۸۶	دو پروانے
۵۱۳	مجھے محروم نہ کریں	۴۸۷	حرمیدان جنگ میں
۵۱۳	عون و محمد اجازت طلب کرتے ہیں	۴۸۷	مقابلہ
۵۱۴	جہاد کی اجازت	۴۹۰	امام حسین کی حرک و بشارت
۵۱۵	عون و محمد میدان جنگ میں	۴۹۲	ادرنکی یا حسین
۵۱۶	حق جہاد ادا کر دیا	۴۹۳	حرکے آخری لمحات
۵۱۶	زینب کی امانت	۴۹۴	ام وہب
۵۱۷	ماں کی مامتا	۴۹۵	پروانہ شبیر
۵۱۹	شہزادہ علی اکبر کی تیاری	۴۹۶	برادران عباس ابن علی
۵۱۹	امتحان کی بلندی	۴۹۷	امام حسین کی محبت
۵۲۰	یا امام سلام ہو	۴۹۷	یہ حق غلامی ہے
۵۲۵	عباس عہد دار اور علی اکبر کی آمد	۴۹۸	ہمیں اجازت عطا فرمائیں

۵۵۳	معصوم کو پانی دے دو	۵۲۱	پھوپھی سے اجازت مانگو
۵۵۴	فرشتے دیکھ رہے ہیں	۵۲۲	اجازت نہیں دوں گی
۵۵۵	صدائے سرور	۵۲۳	اجازت مل گئی
۵۵۶	ملعون کا تیر	۵۲۴	بیٹے کی قربانی
۵۶۰	امام کا میاں ہو گئے	۵۳۱	علی اکبر کی شہادت
۵۶۲	منجھی کی قبر	۵۳۱	سوال و جواب
۵۶۵	قاصد مدینہ	۵۳۲	تو شیطان ہے
۵۶۵	قاصد کی آمد	۵۳۳	فتح حق کی ہوتی ہے
۵۶۶	قاصد سے گفتگو	۵۳۴	یزید یوں کا حملہ
۵۶۷	معصومہ کے رونے کی وجہ	۵۳۶	جہاد اکبر ہو رہا ہے
۵۶۸	صغریٰ کا پیغام	۵۳۸	علی اکبر باپ کی خدمت میں
۵۶۹	جنت میں لے کر جائیں گے	۵۳۸	علی اکبر کا پیغام
۵۶۹	امانت لے لیں	۵۴۰	رشتہ قہر گرا
۵۷۰	بہن سے شکوے	۵۴۱	سخت امتحان
۵۷۲	حضرت عباس کی شہادت	۵۴۲	آزمائش کی گھڑی
۵۷۲	عباس امام کے قدموں میں	۵۴۳	تصور مصطفیٰ
۵۷۳	غازی عباس میدان میں	۵۴۴	امام کی دعا
۵۷۵	غازی کا حملہ	۵۴۶	قیامت کی گھڑی
۵۷۵	امام کی زیارت	۵۴۸	علی اصغر کی شہادت
۵۷۸	گھوڑے کی وفاداری	۵۴۸	امام کی کیفیت
۵۸۰	پیاسوں کی یاد	۵۴۸	خیمہ کا اندرونی منظر
۵۸۱	فرات سے واپسی	۵۴۹	ماں کی التجا
۵۸۳	آس بھی ٹوٹ گئی	۵۵۱	بنی کی التجا

۶۱۷	دیدار الہی کا وقت قریب آ گیا	۵۸۴	بازو کٹ گئے
۶۱۸	انسانیت سنبھل گئی	۵۸۵	مشک دانتوں میں دبائی
۶۱۹	سجدہ بشیری	۵۸۶	شہادت
۶۲۲	خمیے جلا دیئے	۵۸۸	شہید اعظم کی شہادت
۶۲۳	اہل پر ظلم	۵۸۹	شمر کی لاکار
۶۲۴	خیموں کا محافظ	۵۹۰	خون کے آنسو
۶۲۵	شام غریباں	۵۹۱	امام زین العابدین کو تسلی
۶۲۷	تسلی کون دیتا	۵۹۲	حضرت سجاد کی عرض
۶۲۷	باشی شہزادے سو گئے	۵۹۳	ابام کا جواب
۶۲۸	خدا کے سوا کوئی نہیں	۵۹۴	یہودیوں کی حالت زار
۶۲۸	ایک اور امتحان	۵۹۵	امام نرپ گئے
۶۳۳	اسیران اہل بیت کو فہم میں	۵۹۵	بابا سے مل لو
۶۳۶	خونی اجڑ گیا	۵۹۶	عموں کے طوفان
۶۳۸	شہید اعظم کا سر ابن زیاد کے سامنے	۵۹۷	فرض ادا ہو رہا ہے
۶۳۹	بنت علی کا خطبہ	۵۹۸	شہادت کا دولہا
۶۴۲	اہل بیت ابن زیاد کے سامنے	۵۹۹	بہی کا بابا گورو کنا
۶۴۵	قیدی قافلہ یزید کے دربار میں	۶۰۰	موت سے حکامہ
۶۴۶	عیسائی راہب مسلمان ہو گیا	۶۰۲	شر سے گفتگو
۶۴۷	یہودی نے جان دے دی	۶۰۴	حق و صداقت کی جنگ
۶۴۸	چتر سرخ ہو گیا	۶۰۸	بیبا سے ہی امتحان دینا ہے
۶۴۸	اسیران کربلا دربار یزید میں	۶۱۰	چیکر جلال و جبروت
۶۴۹	کیسے مسلمان ہو	۶۱۳	تیغ امام چل رہی ہے
۶۵۱	بنت علی کی یزید سے گفتگو	۶۱۵	امتحان ختم ہونے والا ہے

۶۵۸	لٹایا قافلہ دربار رسول پر
۶۶۳	سلام
۶۶۶	شہادت حسین کے اثرات
۶۶۶	قاتلان حسین کا انجام
۶۶۸	جنات کے قوے
۶۷۳	شمر ملعون کا انجام
۶۷۴	حرمہ کا انجام
۶۷۵	خولی بن یزید کا انجام
۶۷۵	مالک بن بشیر
۶۷۵	سنان بن اس
۶۷۶	حکم بن طفیل
۶۷۶	ابن زیاد ملعون
۶۷۸	یزید کا آخری کارنامہ
۶۷۸	اور اس کا انجام

نقشِ اول

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

سوانح کر بلا کی ہمہ گیری سے کون انکار کر سکتا ہے۔ بظاہر یہ چند افراد پر مشتمل چھوٹی سی اللہ والی جماعت کی شہادت کارنگین واقعہ ہے۔ مگر اپنی انفادیت کے اعتبار سے تاریخِ عالم کا وہ روشن ترین باب ہے جس کی تابانیاں تاباں آباد قائم رہیں گی۔

اس واقعہ کی ہمہ گیر وسعتوں کا اندازہ آپ اس طرح بھی لگا سکتے ہیں کہ تیرہ صدیوں کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اسکی اثر آفرینیوں میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آسکی

دُنیا بھر کی مختلف زبانوں میں اس موضوع پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور دُنیا کا شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو اس دردناک واقعہ سے واقف نہ ہو۔

میری اپنی معلومات کے مطابق تاریخِ عالم کے اس درخشندہ باب کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جسے اُجاگر نہ کیا گیا ہو اور کوئی ایسا پہلو نہیں جو نمایاں نہ کیا جا چکا ہو۔

نظم ہو یا نثر۔ شہادتِ حسینؑ بصد اندازِ زیبائی قرطاسِ عالم پر یہ نوعِ مرقوم نظر آتی ہے۔ اس اعترافِ حقیقت کے بعد مجھے اپنے سامنے یہ ہے کہ

اس موضوع پر لاتعداد کتب موجود ہیں تو میں نے یہ کتاب کیوں تصنیف کی۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔

اول یہ کہ باوجود اپنی بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے خریداران یوسف میں اپنا نام لکھوانے کی تمنا تھی۔ یا پھر اسے نگاہ حسین کا کرشمہ سمجھ لیجئے۔

دوم یہ کہ شہادت حسین کی ہمہ گیر اثر انگیزی ہے کہ یہ واقعہ ہر دور میں لکھنے والوں کی توجہ کا مرکز بنا رہے گا۔ اگر مجھ سے پہلے ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں تو میرے بعد بھی ہزاروں کتابیں لکھی جائیں گی اس عظیم داستان الم میں ایسی زبردست کشش اور مقناطیسی اثرات ہیں کہ قلم خود بخود اس کی طرف کھینچ چلے جارہے ہیں۔

سوم وجہ اس کتاب کو لکھنے کی یہ ہے کہ ہمارے ملک میں چند ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہیں جو اس خرچ کا داستان کی سرخی اڑا لینے کی فکر میں ہیں حالانکہ وہ قیامت تک ایسا نہیں کر سکتے۔ اور نہ وہ اس مذہب کو شش میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ان لوگوں کو ان کی خرافات کا جواب دینے والا اگر اس دنیا میں کوئی بھی باقی نہ رہے تو جب بھی خون حسین میں وہ طاقت موجود ہے کہ وہ اپنی حرمت اور عظمت کا تحفظ کر سکے اپنی عصمت و عفت اور طہارت و پاکیزگی کی

حفاظت کر سکے

حسین ابن علی علیہ السلام کی شہادت نقش فی الحجر کی حیثیت رکھتی ہے اسے مٹایا نہیں جاسکتا۔ حسین علیہ السلام کی عظمت و محبت و مودت و عقیدت پھولوں کی خوشبو کی طرح مومنوں کے دلوں میں رچ بس گئی ہے اس کو نکالا نہیں جاسکتا ہے۔

حسین علیہ السلام کے خون کی سُرخی تو فضاؤں میں شفق بن کر بکھری ہوئی ہیں اسے کس طرح مٹایا جاسکتا ہے۔

جس طرح قرآن مجید کا ہر لفظ حفاظ کرام کے سینوں میں قیامت تک محفوظ رہے گا اسی طرح قرآن ماطق جناب حسین علیہ السلام کی محبت مومنوں کے دلوں میں تا ابد آباد قائم و دائم اور باقی رہے گی۔

جس حسین علیہ السلام کی عظمت و سر بلندی کے نقوش یزیدیوں کی تلو ار نہ مٹا سکی۔ اُس حسین علیہ السلام کی سرفرازیوں کی داستان کو یزیدیوں کے قلم کس طرح تبدیل کر سکتے ہیں۔ جس مقام پر یزید کی عسکری قوت ناکام رہی ہے اُس مقام پر یزید کے میرنشیوں کی سیاست بھی ناکام رہے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ دُنیا بھر کے مُصنِّفین مل کر بھی سیدنا حسین علیہ السلام کی مخالفت پر اپنے قلم حرکت میں لے آئیں تو خون حسین علیہ السلام کے رنگ و نور میں ذرّہ برابر بھی کمی واقع نہیں کر سکتے اور اگر دُنیا بھر کے تمام لوگ شہادت حسین علیہ السلام میں حُسن عقیدت کا رنگ بھرنا چاہیں تو اس

کی ذاتی دلکشی اور حُسن و رعنائی میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہیں کر سکتے۔

اس لئے کہ امام عالی مقام سید الشہداء امام حسین علیہ السلام عظمت

و سر بلندی کے جس مینارہ نور پر کھڑے ہیں وہاں تک نہ تو مخالفین و معاندین کی پہنچ ہو سکتی ہے اور نہ ہی مخلصین و محبین کی رسائی ممکن ہے۔

شہادتِ حسین علیہ السلام تو ایک معیار ہے۔ ایسا معیار جس کو سامنے رکھ کر حق و باطل اور کفر و ایمان کا امتیاز کیا جاسکے۔ ایک ترازو ہے جس میں بغض و عداوت اور محبت و مودت کا وزن کیا جاسکے۔

اگر کوئی مبغوض و مغضوب شخصِ رحمتِ خداوندی سے دُور رہنا چاہتا ہے تو اُسکے سینے میں نواسہ رسول سے بغض و عداوت آجاتے ہیں۔ اور اگر کسی کو رحمتِ خداوندی کے حلقہ میں رہنا ہوتا ہے تو حسین علیہ السلام سے محبت و عقیدت کا سمندر اُسکے سینے میں موجزن ہو جاتا ہے اور یہ معیار کسی دُنیا دار منطق دان اور فلاسفر کا قائم کیا ہوا نہیں۔ بلکہ یہ چیز قرآن و حدیث سے منصوص ہے۔

بات دُور نکل آئی۔ بتانا یہ تھا کہ میری اس کتاب سے عظمتِ حسین علیہ السلام میں تو کچھ اضافہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ مجھے اُن کے دربارِ گوہر اور منہج فیض و عطا سے سیدِ مغفرت ضرور مل سکتی ہے۔

میرے سامنے بھارت اور پاکستان کے باطل نواز یزید کے کاہنہ
نیسوں اور منشیوں کی لکھی ہوئی چند کتابیں یکے بعد دیگر سے آئیں جن میں

ان کو تائید یزیدی مُصنّفوں نے پوری پوری کوشش صرف کر دی ہے۔ کہ
 کسی طرح یزید کو خلیفہ برحق، امیر المؤمنین اور ولی اللہ ثابت کیا جاسکے اور امام
 حُسین عَلَیْہِ السَّلَام کو [نعوذ باللہ] شرانگیز، فتنہ پرداز، خلافتِ الہیہ کا باغی اور
 مُفسد قرار دیا جائے۔

ان شرانگیز کتابوں کے جواب میں چند رسائل اور ایک ضخیم کتاب
 بھی نظر سے گزری جن میں معاندین اہل بیت کے بُہتانوں کا جواب دینے
 کی

حتی الامکان سعیِ تبلیغ کی گئی ہے۔ اور یہ جوابات ایسے بھی نہیں جن میں ہلکا
 پن اور بودا پن پایا جاتا ہو۔

تاہم ان میں ایک تشنگی ضرور معلوم ہوتی ہے اور اس تشنگی کی وجہ یہ
 ہے کہ جواب دینے والے حضرات نے یزیدیوں کے استدلال کو توڑنے کی
 طرف کم توجہ دی ہے اور اپنے دلائل پیش کرنے میں زیادہ محنت کی ہے۔

حالانکہ اگر تھوڑی سی توجہ مزید دی جاتی تو ارضِ پاکستان میں اُٹھنے
 والے شرارت کے اس طوفان کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جاتا۔ ہماری
 تحقیق کے مطابق یزید کے حواریوں نے اپنے پیشوا یزید ہی کی طرح اپنے
 استدلال کی بنیاد بے ایمانی اور سیاست پر رکھی ہے۔ انہوں نے حوالے
 پیش کرتے وقت عبارتوں کو قطع برید کر کے اپنی ضرورت کے ٹکڑے نقل کئے
 ہیں حالانکہ ایسا کرنے سے قرآن مجید جیسی عظیم آسمانی کتاب سے جو دل

چاہے مطلب نکالا جاسکتا ہے اور ان نا عاقبت اندیشوں نے قرآن کی آیات سے بھی اس طریقہ سے اپنا مطلب نکالنے کی کوشش ہے کسی بھی عبارت کے سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے مطلبی آری کرنا لکھنے والے کی بے ایمانی کی انتہا ہوتی ہے اور ایسے شخص کو محقق کا نام دینا لفظ تحقیق کی کھلی توہین اور واضح تکذیب ہے۔

بہر صورت جانبین کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو دل کے کسی گوشہ سے عشق حسین علیہ السلام نے کروٹ لی اور تقریباً پانچ صد کتب نقاسر و احادیث اور تاریخ و سیر کی عبارتوں پر مشتمل کتاب "شہید ابن شہید" کا خاکہ تیار ہو گیا۔ ضخامت کا اندازہ کیا تو دو ہزار صفحات بنتے تھے۔ اور اب اس کے بعد یہ مرحلہ سامنے آ گیا کہ طبع کیسے ہو۔

چند خوش نصیب لکھنے والوں کو چھوڑ کر ہر مصنف اسی مصیبت میں گرفتار نظر آتا ہے۔ بہر حال اسی تنگ و دو میں سات سال کا طویل عرصہ گزر گیا۔ اسی دوران میں عوام کے ذہنوں کو بھی پڑھتا رہا۔

اپنی کوشش بھی جاری رکھی۔ بلاخر ایک تجویز سامنے آ گئی کہ اس تحقیقی شاہکار کو مزید کچھ دیر معرض التوا میں رہنے دوں اور اس کے ابتدا سے طور پر ایک ایسی مختصر کتاب ترتیب دوں جس میں بحث و مناظرہ سے مکمل طور پر اجتناب کیا گیا ہو۔ اور اس میں بجائے حوالوں کی بھرمار کرنے کے سوز و گداز بھر دیئے گئے آہوں کے طوفان بند کر دیئے جائیں آنسوؤں کے

سمندر سمودیئے جائیں اور درودِ عالم کی تصویر کھینچ دی جائے اور اس کتاب کو شہید ابن شہید کے پہلے حصے کے طور پر متعارف کرایا جائے۔ چنانچہ یہ کتاب آپ کے سامنے ہے۔

بحث و تمحیص نقد و نظر تعدیل و جرح اور تبصرہ و مناظرہ کے لئے اسکے دوسرے اور تیسرے حصے کو مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اس حصے کے حوالوں کو خدا کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ انشاء اللہ العزیز دوسرے حصوں میں قارئین کو حوالوں کے حوالے کر دیا گیا ہے۔

دُعا فرمائیں کہ بزیديوں کی تردید میں لکھی ہوئی بقیہ کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ میری امداد استعانت فرمائے اور حفاظتِ حق کے لئے نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رگوں میں پھل جانے والے خون کے صدقہ سے میری اس نذر کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

جب اس صحیفہ درود کو پڑھتے ہوئے آپ کی آنکھیں وضو کر رہی ہوں تو مجھے بھی اس عبادت میں شریک کر لینا میری دُعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ سے محبتِ حسین علیہ السلام اور مودتِ اہل بیتِ مُصطفیٰ نصیب فرمائے اور بزیديوں کے شر سے مسلمانوں کے ایمان کو محفوظ فرمائے

قارئین کرام کی خدمت میں آخری استدعا یہ ہے کہ جب کتاب کو آپ ختم فرمائیں تو میرے والدین مرخومین کے لئے دُعا فرمادیں کہ اللہ

تعالیٰ اُن کی قبر کو منور فرما کر جنت کا بیغ بنا دے۔

آپ میرے والدین کے لئے دُعا کریں میں آپ کے تمام فُوت
مُشدگان کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن پرچم
حسین علیہ السلام کا سایہ نصیب فرمائے۔

آمین بجا و سید المرسلین۔

دُعا گو صائم چشتی

﴿۱۰﴾ ذیقعد ۱۳۹۵ھ ﴿نومبر ۲۰۱۷ء﴾

شانِ اہلبیت مُصطفیٰ

لِيْ خُمُسَةَ اُطْفٰى بِهَآخِرِ الْوَبَاءِ الْحَاطِمَةِ
الْمُصْطَفٰى وَالْمُرْتَضٰى وَابْنَاهُمَا وَالْفَاطِمَةَ

بیدمؑ بھی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیر النساءِ حسینؑ و حسنؑ مصطفیٰ علیؑ

﴿بیدم و ارثی﴾

جن کی مدح و ستائش اور تعریف و توصیف قرآن بیان کرے انسان
اُن کی تعریف کا کیا حق ادا کر سکتا ہے گلستانِ رسالت کی بہاروں اور چمنستانِ
نبوت کے پھولوں کے حضور میں کون سے عقیدت کے پھول پیش کرنے کے
قابل ہو سکتے ہیں۔

آفتابِ عالم کی درخشندہ کرنوں کے حضور ایک حقیر ذرّہ کیا نذر پیش
کر سکتا ہے۔ میں تو اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے کا
حقیر سنگ ہوں۔

مالکوں کی توجہ مبذول کرانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہوں

شاید کبھی رحم کھا کر کرم کا ٹکڑا ڈال دیں اور میری نجات ہو جائے۔ بس اس کے سوا اور کیا ہے اس چمنستانِ کرم کی پوری پوری تعریف تو خدا ہی کر سکتا ہے

اہل بیت سے محبت کرو

خداوندِ قدوس نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرمایا محبوبِ اعلان فرمادیجئے کہ ہم نے تمہیں گمراہی اور ضلالت سے نکال کر ہدایت کا راستہ دکھایا ہے۔ اور ہم تجھ سے اپنے حق تبلیغ یہ مانگتے ہیں۔ کہ ہماری اہل بیتِ اطہار سے محبت کرو و مودت کرو۔

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا السُّؤْدَتُ فِي الْقُرْبَىٰ

﴿سورۃ شوریٰ آیت ۲۳﴾

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خداوند تعالیٰ کا یہ حکم سنا تو دربارِ مصطفیٰ میں عرض کیا

يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ قَرَابَتِكَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ وَجَّيْتَ عَلَيْنَا مَوَدَّتَهُمْ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں فرمادیا جائے کہ آپ کے وہ کون قریبی ہیں جن کی محبت و مودت ہم پر واجب کر دی گئی ہے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

علی وفا طمۃ والحسن والحسین وابناء ہما

یعنی علیؑ فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ اور ان کے بیٹے

دوسری روایت

دوسری روایت میں ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم من
قربتک والذین نزلت فیہم الآئۃ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ آپ کے کون
قریبی ہیں جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے
تو امام الانبیاءؑ نے فرمایا۔

علی و فاطمہ و ابناہما

یعنی علی فاطمہ اور ان کے بیٹے

﴿تفسیر جلالین مصری ج ۲ ص ۳۲﴾

﴿تفسیر مدارک ج ۴ ص ۱۰۵﴾

﴿تفسیر کبیر ج ۷ ص ۳۹۰﴾

﴿تفسیر ابن جریر ج ۲۵ ص ۱۴﴾

﴿تفسیر خازن معالم ج ۴ ص ۱۲۲﴾

﴿تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۴۲﴾

﴿تفسیر حقانی ج ۳ ص ۱۱۸﴾

﴿صواعق محرقہ ص ۱۱۸﴾

﴿زُرَقانی علی المواہب ج ۳ ص ۷﴾

یہ آیت صحابہ کے حق میں نہیں

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت کریمہ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی شامل ہے مگر یہ خیال درست نہیں۔

اہل بیت کے خصائص صحابہ کے لئے نہ بھی ثابت کئے جائیں تو جب بھی صحابہ کی شان و فضیلت بہت بلند و بالا ہے۔ اس آیت کریمہ میں صحابہ کرام کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے حق تبلیغ مانگنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے اور پھر صحابہ کے پوچھنے پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری پوری وضاحت فرمادی ہے کہ تمہاری محبتِ مودت کے حقدار جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم، جناب فاطمۃ الزہرا اور جناب حسنین کریمین سلام اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

کیا بات رضا اس چنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس کی حسین اور حسن چھول

﴿اعلیٰ حضرت بریلوی﴾

صاحبِ قرآن اور تفسیرِ قرآن

قرآنِ امامِ الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا، اور آپ ہی نے اس کی تفسیر فرمادی پھر تاویلوں کی کیا ضرورت ہے۔ حضور صاحبِ قرآن ہیں جس کے لیے جو چاہیں اعزاز مخصوص فرمادیں۔ آپ مالک و مختار ہیں، صاحب اختیار ہیں

آیتِ تطہیر بلاشبہ اُمہاتِ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ مگر صاحبِ قرآن رسولِ ہاشمی کے لائے الحمد و اختیارات کی وسعت تو دیکھئے۔ آپ کی حضرت علی وفاطمہ اور حسن و حسین و اہلِ بیت و شفقت کا اندازہ تو کیجئے۔

آیت نازل ہوتی ہے۔

إِنَّا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا۔

﴿الاحزاب ۳۳﴾

اے نبی کے گھر والو! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر آلودگی کو دور کر کے تمہیں خوب پاکیزہ کر دے۔

یہ آیت ازواج و اولاد کے لئے

نزولِ آیت ہوا تو امامِ الانبیاء نے آواز دی علی آجاؤ، بیٹی فاطمہ تم

بھی آجاؤ اور حسن و حسین کو بھی ساتھ لیتی آؤ۔

فَدْعَا النَّبِيَّ، عَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ۔

چاروں نفوسِ قدسیہ حاضر ہو گئے۔ امام الانبیاء نے ایک طرف حضرت علی کو بٹھایا۔ دوسری طرف جنابِ فاطمہ کو بٹھایا۔ جنابِ حسن و حسین کو گود میں لیا اور شانِ منزل کی جاہلِ کملی مقدس میں سب کو چھپالیا اور ربِّ عالم کی بارگاہ میں دعا کی۔

اللَّهُمَّ هُوَلَاءَ أَهْلَ الْبَيْتِ فَأَذْهَبْ عَنْهُمْ الرِّجْسَ
وَمُطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا،

یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان سے ہر آلودگی کو دور فرما کر خوب پاکیزہ فرما دے۔

آیتِ تطہیر حضرت اُم سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی تھی اور وہیں پر ہی یہ بزمِ نور سجائی گئی تھی۔ اُم المؤمنین اُم سلمہ نے یہ کیفِ پرور اور نورِ بزمِ سماں دیکھا تو آگے بڑھ کر دربارِ رسالت میں عرض کیا۔

أَنَا مَعَهُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں بھی اس بزمِ نور میں شامل ہوں۔
تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تالیفِ قلبی فرماتے ہوئے فرمایا۔ اُم سلمہ تم خیر پر ہو اور اپنے مقام پر ہو۔

انت علی مکانک انت علی الخیر۔

آیت مقدسہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب گھروالوں کے لئے عام حکم فرمادیا ہے اس لئے اس میں کسی کو بھی خارج نہیں کیا جاسکتا۔

دُعا کے لئے امامِ الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف چار ہستیوں کو انتخاب فرمایا ہے۔ اس تخصیص کو توڑا نہیں جاسکتا۔

یوں تو آپ پوری کائنات کے لئے رحمت بن کر آئے ہیں۔
صحابہ کرام ہوں یا آپ کی ازواجِ مطہرات آپ کی نگاہِ رحمت و شفقت نے ہر ایک کو نوازا ہے۔

ہر ایک کی تالیفِ قلبی فرمائی ہے جو جو بھی آپ کے حلقہٴ رحمت میں آگیا فضیلتوں کا پیکر بن گیا۔

☆ ذرہ تھا تو آفتاب بن کر چمکنے لگا،

☆ قطرہ تھا تو بحرِ بیکراں بن گیا۔

☆ کانٹا تھا تو پھول بن گیا۔

☆ پتھر تھا تو لعل و الماس بن گیا۔

☆ غلام تھا تو آقا بن گیا۔

☆ شقی تھا تو سعید ہو گیا۔

☆ مقتدی تھا تو امام بن گیا۔

☆ فقیر تھا تو غنی ہو گیا۔

☆ ناماک تھا تو ماک ہو گیا۔

☆ ابو بکر تھا تو صدیق ہو گیا۔

☆ عمر تھا تو فاروق ہو گیا۔

☆ عثمان تھا تو ذو النورین ہو گیا۔

☆ راہزن تھا تو رہنما ہو گیا۔

☆ حبشی تھا تو قرشیوں کا سردار ہو گیا۔

☆ اعرابی تھا تو صحابی ہو گیا۔

☆ رحمت سے دور تھا تو قریب ہو گیا۔

مُذَنَّب تھا تو حبیب ہو گیا۔ الغرض محمد عربی کی جس جس پر بھی نگاہِ التفات پڑتی گئی اسے مہرِ عالم تاب بناتی گئی۔ جس کسی کے بھی فضائل پڑھو یوں معلوم ہوتا ہے کہ تمام تر اعزازات اسی کو تفویض کو دیئے گئے ہیں۔

خاص اعزاز

مگر کملی میں آنے والے چاروں نفوسِ قدسیہ تمام کائناتِ عالم سے ایک خاص اور علیحدہ شان کے مالک ہیں۔ جس قسم کی محبتِ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان چاروں سے تھی اُس میں کوئی بھی ان کا شریک و سہیم نہیں۔

محبت کا راز

کبھی آپ نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ قرآن نے ان سے

محبت کرنے کا حکم کیوں دیا ہے۔ خدا نے کیوں حکم فرمایا ہے کہ، محبوب! اہل ایمان سے مطالبہ کیجئے۔ کہ میری اہل بیت سے محبت کیجئے۔ اس میں راز یہ تھا کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے والہانہ محبت تھی۔

سرور انبیاء خدا کے محبوب تھے۔ خداوند کریم کو رسول کریم سے محبت تھی رسول کریم کو علی وفاطمہ اور حسن و حسین سے محبت تھی۔ حضور خدا کے محبت تھے۔ یہ چاروں حضور کے محبوب تھے۔ محبوب کی محبوب چیز سے دوہری محبت ہوتی ہے۔

حضور نے عرض کیا۔ یا اللہ میں تیرا محبوب ہوں اور یہ میرے محبوب ہیں تو بھی ان سے محبت کا فرما خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ محبوب میں تو ان سے محبت کرتا ہوں میری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جن سے تو محبت کرتا ہے میرے خاص بندے بھی ان سے محبت کریں اس لئے **مَوْدَّةٌ فِی الْقُرْبَىٰ** کا اعلان فرما کر وضاحت کر دیجئے کہ آپ کے محبوب قریبی کون لوگ ہیں۔

سرکار کے اعلانات

یہ کوئی مفروضہ یا اُنڈھی عقیدت کا سیلاب نہیں بلکہ ایک ناقابل تردید حقیقت اور ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان چاروں سے منفرد قسم کی محبت تھی چند روایات ملاحظہ ہوں۔

عن ابی ہریرۃ قال نظر النبی صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم الی علی والحسن والحسین
والفاطمۃ فقال انا حرب عن حارِیکم سلم لمن
سالکم

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی
طرف دیکھ کر فرمایا ہماری اُس سے لڑائی ہے جو ان
سے لڑے گا اور اُس سے صلح ہے جو ان سے صلح رکھے

گا۔

البدایۃ والنہایۃ جلد ۲ ص ۲۰۵

سب سے زیادہ محبت

آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ آپ کو اہل بیت میں کس کے ساتھ
زیادہ محبت ہے آپ نے فرمایا حسن و حسین سے۔

اِنَّهُ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم اَتٰى اَهْلَ بَيْتِكَ
اَحَبَّ اِلَيْكَ قَالَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ

محبت والوں سے محبت بغض والوں سے بغض

پھر فرمایا جو ان سے محبت رکھے گا ہم اُس سے محبت
رکھیں گے جو ان سے بغض رکھے گا ہم اس سے

عداوت رکھیں گے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم
من احبهما فقد احبني ومن البغضهما فقد
البغضني يعني حسنا وحسنا من احب
الحسن والحسين فقد احبني ومن يبغضهما
اغبني

یہ روایتیں چاروں نقوس قدسہ رحمت حسن و حسین علیہم السلام
کے لئے تھیں۔ اب حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیلئے
روایت ملاحظہ فرمائیں۔

سیدہ فاطمہ اور حضرت علی سے محبت

عن عبد الله عن ابيه قال كان حب النساء
اننى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فا
طمة ومن الرجال على

ترجمہ !

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں
میں سب سے زیادہ محبت فاطمہ سے فرماتے تھے اور
مردوں میں علی کے ساتھ۔

سب سے زیادہ محبت سیدہ فاطمہ سے

اور جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

ان کے بھتیجے ربیع بن عمیر نے پوچھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ محبت کس کے ساتھ فرماتے تھے۔

قالت فاطمة فرمایا فاطمہ سے پوچھا مردہا سے؟ فرمایا زوجہا۔ ان کے شوہر سے ایک اور روایت میں ہے کہ جب امام الانبیاء سے پوچھا گیا آپ سب سے زیادہ محبت کس سے فرماتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا !

فاطمۃ احب الی منک انت عزالی منها قالہ لعلی

پھر ایک فیصلہ کن ارشاد فرمایا !

احب اہلی انی فاطمۃ

ہمیں سب اہل بیت سے زیادہ محبت فاطمہ کے ساتھ ہے۔

بیٹی سے محبت کی معراج

کسی شخص نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں ریشمی چادر پیش کی آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو فرمادی حضرت علی علیہ السلام وہ چادر پہن کر دربارِ مصطفیٰ میں آگئے۔ امام الانبیاء نے علی کو چادر پہنے دیکھا تو رخ انور متغیر ہو گیا۔ علی مزاج شناس رسول تھے فوراً سمجھ گئے۔ عرض کیا حضور اس کا کیا کروں؟

آپ نے فرمایا کہ اسکے ٹکڑے کر کے فاطمہ نام کی عورتوں میں تقسیم

کردو۔ اسے رسول پاک کی بیٹی کے ساتھ محبت کی معراج کہا جاسکتا ہے۔
آپ کو اپنی بیٹی کی ذات سے ہی نہیں نام سے بھی محبت ہے۔ رسول کریم بتانا
چاہتے تھے کہ میری بیٹی کی ہمناموں کو بھی انعام و اکرام سے نواز جائے۔

عن علی اکیدر ادومة اهدی الی النبی علی
اللہ علیہ وآلہ وسلم ثوبا حریرا فاعطاہ
علیا فقال اشتقہ خمر ابین الفواطم

سیدہ کی غضبناکی

اور بیٹی سے اپنے والہانہ ربط و تعلق کا اظہار آپ اس طرح بھی
فرماتے ہیں کہ،، فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے غضبناک کیا اس نے
ہمیں غضبناک کیا۔ جس نے انہیں ایذا دی۔ اس نے ہمیں ایذا دی۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۲۔ قال فاطمة بضعة منی فمن اغضبہما

اغضبنی وفی رواية یرینی ما ارا بها ویوذ

ینی ما اذاھا۔

خدا غضبناک ہو جاتا ہے

یہی نہیں بلکہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ
فاطمہ کے غضبناک ہونے سے خدا غضبناک ہو جاتا ہے اور اس کے راضی
ہونے سے خدا راضی ہو جاتا ہے۔

ان الله يغضب بغضب فاطمه ويرضى برضاها۔

جوسیدہ کو ایذا دیتا ہے

تاجدارِ دو عالم کی اپنی بیٹی سے محبت ایسی محبت ہے جس کی مثال دنیا میں موجود ہی نہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ فاطمہ میرا انگڑا ہے۔ فاطمہ میرا دل ہے۔ فاطمہ میری روح ہے۔ جو اس کو ایذا دیتا ہے۔ وہ مجھ کو ایذا دیتا ہے۔ اور جو مجھے ایذا دیتا ہے۔ وہ خدا کو ایذا دیتا ہے۔

وهی بضعة منی وهي قلبي وهي روعي التي
بين حيني من اذا ما فقد اذاني واذا نى
فقد اذى الله

اعزاز تو دیکھو

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کا اعزاز تو دیکھو۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود روح کائنات ہیں لیکن سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اپنی روح کہتے ہیں۔ روح کائنات کی روح کے مقام کو کون جان سکتا ہے آپ فرماتے ہیں میری بیٹی کے غضبناک ہونے پر خدا غضبناک ہو جاتا ہے۔ میری بیٹی کو ایذا دینا خدا کو ایذا دینا ہے۔

ہم یہ چاہتے ہیں کہ

امام حسن علیہ السلام کو زہر دینے والے پر امام الانبیاء کی بیٹی ناراض

ہوگی یا خوش؟

کر بلا کے پتے ہوئے صحرا میں اپنے جگر گوشوں کے ٹکڑے کرنے
والوں پر آپ غضبناک ہوئی ہیں یا نہیں؟

اپنی بیٹی کے ہاتھوں میں زنجیریں دیکھ کر آپ کو ایذا ہوئی ہوگی یا

نہیں؟

حسین علیہ السلام کی لاش پر گھوڑے دوڑاتے دیکھ کر آپ کو تکلیف

پہنچی یا نہیں؟

اور اگر آپ کو واقعی اذیت ہوئی اور آپ کو تکلیف پہنچی ہے تو پھر نص

حدیث کے مطابق سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ایذا دینا رسول اللہ کو ایذا دینا

ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینا اذیت دینا ہے، اور قرآن میں

آتا ہے جس نے خدا اور رسول کو اذیت دی اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

جو اللہ کو ایذا دیتے ہیں

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا

ولآخرة واعد لهم عذاباً مہیناً (احزاب آیت ۵۷)

ترجمہ!

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو

اللہ کی لعنت ہے ان پر دنیا اور آخرت میں

ہیں۔ اور اللہ نے ان کے لئے عذاب تیار کر رکھا ہے

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (التوبہ آیت ۲)

ترجمہ!

اور جو اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب

ہے۔

یزید کے ہمنواؤں کو کچھ تو شرم آنا چاہیے کہ جس ملعون پر نص قرآن و حدیث سے لعنت کا جواز موجود ہے اس کی صفائی پیش نہ کرتے پھریں۔

برسبیل تذکرہ ایک بات آگئی اس حصہ کو ہم نے بحث سے پاک رکھنا

جناب سیدہ کا صبر

جناب سیدۃ النساء العالمین حضرت فاطمہ الزہرہ سے محبت رسول کو نین کا انداز کیا ہی نہیں جاسکتا۔

جناب سیدہ ایک روز نماز پڑھ رہی تھیں، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تشریف لائے، بیٹی قیام میں کھڑی تھی لیکن ضعف و نقاہت کی وجہ سے جسم اقدس لرز رہا تھا۔

بیٹی نے سلام پھیرا، باپ کو تعظیم دی، باپ نے بیٹی کی پیشانی انور کو بوسہ دیا اور ضعف و نقاہت کا سبب پوچھا۔ صابر کی بیٹی تھی، صابر کی بیوی تھی، صابروں کی ماں تھی اور خود بھی صابر تھی، باپ کے سوال پر پریشان ہو گئی۔ شکوہ تو کرنا ہی نہ تھا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے کائنات لرز کر رہ گئی۔ امام الانبیاء

نے پوچھا تھا جواب تو دینا ہی تھا جھکتے جھکتے اور شر ماشر ماشر حقیقت بیان کر دی۔ اباجان تین روز سے بھوکی ہوں علی جو کچھ لائے تھے ان کی روٹیاں پکا کر کچھ کھانا بچوں کو کھلایا اور باقی خیرات کر دیا۔ پیٹ پر پتھر باندھنے والے رسول معظم تڑپ کر رہ گئے۔ بیٹی کی نقاہت دیکھی نہ گئی۔ آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے گئے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ آج کے بعد میری بیٹی فاطمہ کو بھوک نہ ستائے۔

قال اللهم مشع الحمد وقا نى الحاجة و رافع

الوضعة لا تجع فاطمة بنت محمد سالتها

بعد ذالك فقالت ما جعت بعد ذالك

خدا کے برگزیدہ پیغمبر اور محبوب کی دعا تھی کیسے مسترد ہوتی اس دن کے بعد بنت رسول کو کبھی بھوک نے بیقرار نہیں کیا۔

سیدہ فاطمہ کے لئے جنتی لباس

ایک روز امام الانبیاء کی بارگاہ میں چند یہودی عورتیں حاضر ہو کر کہنے لگیں ہمارے گھر شادی ہے۔ اگر آپ کرم فرما کر اپنی بیٹی کو ہماری شادی میں بھیج دیں تو یہ ہم پر احسان ہوگا اور ہمیں فخر حاصل ہوگا کہ رسول خدا کی بیٹی ہمارے گھر تشریف لائی ہیں۔

امام الانبیاء کی نظر دور تک تھی۔ ان کے دلوں کی بات بھی جان لی اور ان کا دل بھی نہ توڑا وعدہ فرمالیا۔

یہودی عورتوں کا خیال تھا شادی کے دن ہم لباس فاخرہ میں ہوں
گی۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے لباس پر پیوند لگے ہوں گے اور ہم ان
کا تمسخر اڑائیں گی۔ کہ یہ مسلمانوں کے رسول کی بیٹی ہے۔

ادھر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹی کو شادی میں شرکت
کے لئے حکم دے دیا۔

بنت رسول سوچ میں پڑ گئی۔ اپنے لباس کو دیکھا تو آنسو آ گئے۔

روح کو غم میں لمرز کر رہ گئی

حوروں کی چیخیں نکل گئیں

غیرت خداوندی کو جوش آ گیا

جبریل کو حکم دے دیا جبریل جلدی کرو جنت سے کپڑوں کا جوڑا لے

کر میرے محبوب کی بیٹی کے حضور میں پیش کرو

جبریل نے جنت کا جوڑا لیا اور چند لمحوں بعد رسالت آ ب صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے حضور میں پیش کر دیا

آپ نے وہ جوڑا سیدہ کو دیتے ہوئے فرمایا

بیٹی ! یہ جنت کا جوڑا جبریل لایا ہے اسے پہن کر تمہیں شادی

میں شرکت کرنا ہے۔

سیدہ نے سجدہ شکر ادا کیا۔ یہ کوئی جوڑا اپنے کا کوئی شوق نہیں تھا بس

یہی غم تھا یہودی نہیں طعنہ دیں گی ابا جان کی عزت پر حرف آئے گا آپ نے

وہ جوڑا پہنا اور شادی والے گھر میں تشریف لے گئیں وہاں یہودی عورتوں نے پوری تیاری کر رکھی تھی اور سب زرق برق لباسوں میں ملبوس تھیں۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادی کو دیکھا تو ہکا بکارہ گئیں سارا پروگرام دھرے کا دھرا رہ گیا سیدہ کے لباس کا تمسخر کیا اڑاتیں خود تمسخر بن کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں انہوں نے خواب میں بھی ایسا لباس نہیں دیکھا تھا سیدہ کے لباس کو بو سے دینے لگیں آپ کے ہاتھ چومنے لگیں۔

یہودی عورتوں کی کیفیت

اب پہلا خیال ذہنوں سے نکل گیا تھا عورتوں کی نفسیات ہی ایسی ہے اپنے سے بہتر زیور اور لباس والیوں کو دیکھ لیں تو یا تو حسد سے جل جاتی ہیں اور یا کسر نفسی کا شکار ہو جاتی ہیں یہودی عورتیں کسر نفسی کا شکار ہو گئیں وہ کینزروں کی طرح آپ کے آگے پیچھے پھرنے لگیں؟

آپ شہزادیوں کی طرح ایک جگہ بیٹھ گئیں یہودوں نے سوال کیا آپ نے یہ جوڑا کہاں سے لیا؟

آپ نے فرمایا اپنے باپ سے انہوں نے پوچھا آپ کے باپ کو کس نے دیا؟

فرمایا جبریل سے!

پوچھا جبریل کہاں سے لائے؟

فرمایا جنت سے!

انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ سوائے خدا کے کوئی
معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور پھر ان کے شوہر
بھی مسلمان ہو گئے۔

مختصر عربی متن ملاحظہ ہوا!

فنزل الجبریل بحله من الجنة فلما بستها و
اتذرت و جلست بينهن رفعت الانوار فلمعت
انوار فقالت النساء من اين لك هذا يا فاطمة
فقالت من ابى!

فقلن من اين لا بيبك؟

قالت من جبريل -

قلن من اين الجبريل؟

قالت! من الجنة فقلن نشهد ان لا اله الا الله

محمد رسول الله فمن اسلم زوجها

نزهة المجالس ج ۲ ص ۲۲۲*

بنت رسول کی حیات طیبہ پر میں نے دو کتابیں لکھی ہیں۔ ایک پنجابی اشعار
میں ہے اس کا نام خاتون جنت ہے۔

ایک اردو نثر میں ہے اس کا نام البتول ہے یہ خاندان نبوت کا کرم

ہے جو مجھ سے یہ خدمت لے رہے ہیں ورنہ من آنم کہ من دانم۔
یہ کتاب امام عالی مقام حسین علیہ السلام کی حیات طیبہ اور واقعہ کربلا
کیلئے مخصوص ہے۔ اس لئے سیدۃ النساء العالمین کے تفصیلی حالات پڑھنے
کے لئے مندرجہ بالا کتابوں کا مطالعہ کریں۔ اس کتاب میں بھی آپ کا اور
جناب حیدر کرار کا ضمننا ذکر ضروری تھا۔ آپ شہزادہ کونین کے والدین ہیں
۔ ماں باپ کا رنگ اولاد سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے مختصر طور پر یہ تعارف
پیش کیا جا رہا ہے

جنتی عورتوں کی سردار

امام الانبیاء نے فرمایا۔ میری بیٹی دونوں جہان کی عورتوں کی سردار
ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ میری بیٹی جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔

فاطمۃ سیدۃ النساء العالمین

فاطمۃ سیدۃ النساء اهل الجنة

دونوں صورتوں میں ہی تمام عورتوں پر سیدۃ النساء العالمین کی
سرداری مسلم ہے کوئی عورت خواہ وہ کتنے ہی بلند مرتبے پر فائز ہو محمد عربی کی
بیٹی کی کنیز ہے۔ اور یہ شان امام الانبیاء نے خود اپنی بیٹی کے لئے مخصوص
فرمائی ہے۔

حضور سے سیدہ کی مشابہت

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے گفتار و کردار میں سیدہ فاطمہ الزہرا سے زیادہ رسول کریم کے ساتھ کسی کی مشابہت نہیں دیکھی۔ آپ سورۃ بھی حضور کی تصویر تھیں اور معنا بھی۔

حضور سیدہ کا استقبال فرماتے

جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ بتول میں تشریف لاتے تو سیدہ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیکر بیٹھ جانے کا حکم فرماتے۔ اور جب سیدہ حجرہ رسول میں حاضر ہوتیں تو امام الانبیاء اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر آپ کا استقبال کرتے، مرحبا فرماتے، پیشانی کو چومتے اور بیٹھ جانے کا حکم فرماتے۔

عن عائشة بنت طلحة ممن ام المؤمنین
عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت مارایت
احد کان اشبه کلام وحديثا من فاطمة برسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وکانت اذا
دخلت علیہ احب بها وقام الیها فاخذ بیدها
فقبلها واجلسها فی مجلسه

اللہ اکبر یہ ہے شان بتول سلام اللہ علیہا جس پیغمبر اعظم کی تعظیم و تکریم کے لئے انبیاء کرام کھڑے ہو جاتے ہیں وہ نائب رب اکبر سیدہ فاطمہ کا اہر استقبال کرتے ہیں

محبت و شفقت کی انتہا

یہ محبت و شفقت کی انتہا ہے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے اس سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔

بنت رسول سیدہ زہرا بتول کے ساتھ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت تو وہ بحر بے کنار ہے۔ جس کا کنارہ تلاش ہی نہیں کیا جاسکتا اسی طرح سیدہ پاک کے فضائل اور عظمتوں کا احاطہ و استعیاب ناممکن الامر ہے اور سیدہ کے ساتھ ساتھ آپ کے بیٹوں اور شوہر کے ساتھ بھی امام الانبیاء کی محبت عظیم ترین خصوصیتوں کی حامل ہے۔ خزان کے چودہ عیسائی دربار رسالت میں مناظرہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں مدینہ العلم سے گفتگو کی تو تمام علم بھول گئے لیکن ضد میں اڑ گئے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا محبوب ان کے ساتھ مباہلہ کریں مباہلہ میں دونوں فریق ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ جھوٹے کو فنا کر دیتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا !

فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا

ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتهل فنجعل

لعنة الله على الکاذبین

محبوب انہیں فرما دیجئے کہ ہم تم بلائیں اپنے

بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری
عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ
کریں اور جہنموں پر لعنت کریں۔

یہ اہل بیت ہیں

آپ نے خدا کا ارشاد فرمودہ اعلان فرمادیا۔ اور جناب علی علیہ
السلام سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن علیہ السلام، وحسین علیہ السلام، کو ساتھ
لے کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔

یا الہی! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

ہم اس بحث میں نہیں الجھیں گے کہ آپ نے نساءِ نا میں ازواج
مطہرات کو کیوں شامل نہیں فرمایا اور انفسِ نائیں دیگر صحابہ کبار کو کیوں
نظر انداز کر دیا ہم اس بحث میں بھی نہیں جائیں گے جو یزید نوازوں نے
آجکل شروع کر رکھی ہے کہ مباہلہ تو ہوا نہیں تھا۔ عیسائیوں کے ساتھ تو ان کی
عورتیں اور بیٹے آئے ہی نہ تھے اس لئے کہ ہمیں کتاب کے اس حصہ کو تمام تر
مباحث سے بچانا ہے یزیدیوں کے لئے صرف ایک بات ہے کہ تم یہ سوال
خدا پر کرو اور اچھی طرح پوچھو کہ یا اللہ عیسائیوں کی عورتیں اور بچے تو وہاں
موجود ہی نہیں تھے۔ پھر یہ کیسے کہہ دیا کہ محبوب ان کو فرما دیجئے کہ اپنی عورتیں
اور بچے لے کر آؤ۔

ہر قسم کی بحث کو چھوڑتے ہوئے آپ رسول خدا کی جناب علی وفاطمہ
حضرات حسنین کریمین علیہم السلام سے محبت کا کمال دیکھیں کہ جب بھی
فضیلت کا کوئی موقع آتا ہے تو آپ انہی کو یاد فرماتے ہیں۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
قال لما نزلت هذه الآية فقل تعالوا ندع ابناء
نا وابناءکم دعاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم علیا وفاطمہ وحسنا وحسینا فقال
اللہم ہولاء اہل البیتی۔

﴿مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷۸﴾ ﴿ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۳۶﴾
﴿ریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۳۸﴾ ﴿الصواعق المحرقة ص ۱۰۷﴾
﴿المستدرک ج ۲ ص ۵۹۴﴾ ﴿نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۶۷﴾

ترجمہ!

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی تو
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی وفاطمہ اور جناب حسن و حسین کو بلا
کر فرمایا۔ یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

حدیثِ مُصطفیٰ

حضرت شعیبؓ حضرت جابر رضی اللہ عنہ، سے روایت کرتے ہیں کہ
أَنْفُسَنَا سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی کرم
اللہ وجہہ، انکریم ہیں۔

نساء نا سے مراد جناب سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا ہیں۔

ابناء نا سے مراد حسن اور جناب حسین علیہم السلام ہیں۔

قال جابر انفسنا رسول الله صلى الله عليه

وآله وسلم وعلى ابناءنا الحسن والحسين

ونساءنا فاطمة رضي الله عنها۔

﴿دلائل النبوت ج ۱ ص ۲۹۸﴾ ﴿درمنشور ج ۲ ص ۲۸﴾

﴿معالم التنزيل و خازن ج ۱ ص ۱۶۳﴾ ﴿ابن کثیر ج ۱ ص ۳۷۱﴾

﴿کبیر الرازی ج ۲ ص ۴۹۹﴾ ﴿فتح الباری ج ۲ ص ۵۳﴾

﴿ابوسعود ج ۲ ص ۶۹۸﴾ ﴿عرائس البیان ج ۱۲ ص نمبر ۳۵۱﴾

﴿المدارک ج ۱ ص ۱۶۱﴾ ﴿الاتقان ج ۲ ص نمبر ۲۰۰﴾

﴿زاد المعاد ج ۱ ص ۳۹۱﴾ ﴿تاریخ الخلفاء ص نمبر ۱۱۵﴾

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ خداوندی میں یہ عرض کرنے

کے بعد کہ یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

قافلہ نور کی آمد

چاروں نفوس قدسیہ کو ساتھ لے کر اس شان سے باہر تشریف لاتے

ہیں کہ آگے آگے آپ ہیں امام عالی مقام امام حسین کو گود میں اٹھایا ہوا ہے۔

امام حسن علیہ السلام انگلی پکڑے نانا کے ساتھ جارہے ہیں جناب

فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا آپ کے پیچھے ہیں اور سب کے پیچھے حضرت علی

کرم اللہ وجہہ آرہے ہیں۔

کسی شان کا یہ قافلہ نور ہے اور کس قدر اہتمام ہے سیدۃ النساء العالمین خاتون قیامت جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے پردے کا کہ نقش قدم کو بھی پردہ دیا جا رہا ہے

امام الانبیاء کے نقش قدم پر جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا قدم رکھتی ہیں اور جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نقش قدم پر حضرت علی علیہ السلام کا قدم آتا ہے۔ نیچے آتا جان کا نشان قدم ہے۔ اور اس طرح سید العالمین کی صاحبزادی کا نشان قدم پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ جسے نہ زمین دیکھ سکے اور نہ آسماں دیکھ سکے۔

امام الانبیاء نے حضرت علی علیہ السلام اور جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فرمایا جب میں دعا مانگوں تو تم آمین کہنا۔
روایت کا عربی متن یہ ہے۔

قد احتض الحسن واخذ بيد الحسين وفاطمة
تمشی خلفه وعلياً يمشي خلفها ويقول النبي
صلى الله عليه وآله وسلم اذا دعوت فاآمنوا۔

﴿نور الابصار ص ۱۱۱﴾

جب اس قافلہ نور کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا تو عیسائیوں کے ایک سردار نے اٹھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔

اے گروہ نصاریٰ! میں جن صورتوں کو دیکھ رہا ہوں۔

اگر یہ دعا کر دیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو وہ یقیناً اپنی

جگہ چھوڑ دے گا

اگر انہوں نے بددعا کر دی تو کوئی عیسائی قیامت تک زمین پر باقی

نہیں رہے گا اور تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

عیسائیوں کا مباہلے سے فرار

قال اسقف يا معشر النصاري اني لاري

وجوها لوسنا لوالله ان يزيل جبلا من مكانه

لا زانه من مكانه لا زاله فلا تبتهنوا فهلكوا

ولا يبقني على الارض نصرا اني الي يوم القيامة

﴿نور الابصار ص ۱۱۱ اشعة الممعات ص ۲۸۲﴾

عیسائی اپنے سردار اسقف کی بات سن کر مباہلے سے رک گئے امام

الانبياء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

والذي نفسي بيده ان العذاب تدلى على اهل

نجران ولولا عنا المسغوا قررة وخنازير

ولا اضطرم عليهم

﴿اشعة الممعات ج ۲ ص ۲۸۲﴾

الله نجران واهله حتى الطير على الشجر و

لها حال الحول على النصاري كلهم حتى

هاك.

﴿معارج النبوت ج ۴ ص ۳۰۶﴾

ترجمہ !

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے اگر ہم ان لوگوں پر لعنت کر دیتے تو ان کی صورتیں مسخ ہو جاتیں اور یہ بندر اور خنزیر بن جاتے ان کا شہر نجران تباہ ہو جاتا اور وہاں کے شہری جل جاتے اور آگ کی ایسی بارش ہوتی کے درختوں پر پرندے بھی جل جاتے اور کلہم عیسائی ہلاک ہو جاتے ہیں۔

چا اوں نفوس قدسیہ کی شان

ہم تفصیل میں نہیں جائیں گے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا کی تاب کون لا سکتا ہے ان سے بغض رکھنے والا تو فنا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو ان سے محبت اور دوستی رکھنے کا حکم اللہ رب العزت نے کتاب مقدس کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اہل بیت خواہ وہ سکنی ہو یا نسبی یا سلمان فارسی کی طرح کسی کو شامل کر لیا گیا ہو سب اپنے اپنے مقام پر شان الے ہیں مگر جن کو ہر مقام پر اعلیٰ درجہ کے حضور فرماتے ہیں اور وہ یہی روں نفوس قدسیہ ہیں یعنی علی وفاطمہ حسن وحسین علیہم السلام۔

کی اہل بیت ہیں

آیت مؤدۃ اتری تو آپ نے صحابہ کے جواب میں فرمایا کہ یہی وہ میری اہل بیت ہے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے مؤدۃ کا حکم دیا ہے آیت تطہیر نازل ہوئی تو آپ نے انہی چاروں کو کلی میں چھپا کر دعا فرمائی۔
اللهم هؤلاء اهل البيت

یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔
آیت مہابلہ نازل ہوئی تو آپ نے پھر ان چاروں کو ہی بلایا اور مباہلے کے لئے تشریف لائے اور کہا۔

اللهم هؤلاء اهل البيت
یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

چاروں کی خصوصیت

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ان چاروں کی جگہ اور ہر مقام پر تخصیص فرماتے ہیں تو اس میں حیرت کی بات نہیں ان سے آپ کی نسل قائم ہونا تھی ان کی نسل میں ہزاروں لاکھوں غوث قطب ابدال اوتاد اور ولی پیدا ہونے تھے اپنی نسل کی افزائش کون نہیں چاہتا۔

ان اعطینک الکونین

کفار مکہ کا سب سے بڑا طعنہ تھا محمد عربیؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو اتر ہیں ان کے اولاد زمینہ نہیں ہے۔

یہ منقطع النسل ہیں غیرت خداوندی کو ہوش آگیا فرمایا محبوب یہی
لوگ منقطع النسل اور ابتر ہیں۔

ہم نے آپ کو خیر کثیر سے نوازا رکھا ہے۔

انا عطینک الکوثرہ فصل لربک والنصر،

اناشانک هو الا بتر (قرآن مجید)

﴿سورة الکوثر پارہ عم﴾

امام الانبیاء فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کی نسل ان کے بیٹوں سے شروع ہوئی
اور میری نسل میری بیٹی سے شروع ہوگی۔

لکل نبی ام عصبۃ ینتمون الّا النبی فاطمہ

فانا ولیہما وعصبتهما

﴿المستدرک ج ۳ ص ۱۶۴﴾

پھر فرمایا تمام نبیوں کا سلسلہ نسل ان کی اپنی پشت سے چلا لیکن میری
اولاد کا ظہور پشت علی سے ہوگا۔

ان اللہ تعالیٰ جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ

وجعل ذریۃ فی صلبہ علی ابن ابی طالب۔

﴿جامع الصغیر ج ۱ ص ۴۹﴾

سلسلہ نسب منقطع نہیں ہو گا

ایک جگہ فرمایا قیامت کے دن تمام دنیا کا سلسلہ نسب منقطع ہو جائے گا

لیکن میرا سلسلہ نسب و سبب منقطع نہیں ہوگا۔

ان الانساب تنقطع يوم القيامة غير النسبی
وسبلی و صہری

﴿المستدرک ج ۳ ص ۱۵۴﴾

﴿جامع الصغیر ج ۲ ص ۷۴﴾

امام الانبیاء اگر اہل بیت کرام میں سے ان چاروں کی تخصیص فرماتے ہیں تو اس تخصیص کی وجہ بھی بہت بڑی ہے نسل مصطفیٰ کا جاری ہونا کائی معمولی بات نہیں اس نسل پاک کا جس نے تقدیر عالم کو بدلنا ہے جو سید الانبیاء کے لئے وجہ افتخار ہے اور جو کفار و مشرکین کے طعنوں کا جواب ہے۔

کتاب اللہ اور اہل بیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اس نسل پاک کے متعلق حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ناقہ مبارک قصور پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔
یا ایہا الناس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم بہ

لن تضلوا کتاب و عترتی اہل بیتمی

﴿ترندی شریف ج ۲ ص ۲۴۲﴾

﴿مسلم شریف ج ۲ ص ۲۷۹﴾

﴿مظاہر حق ج ۴ ص ۱۵۲﴾

﴿اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۴۹۰﴾

اے لوگو!

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ اگر تم انہیں پکڑے رہو

گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے ایک تو اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری عترت و اہل بیت پھر فرمایا۔

فخذوا بكتاب الله تعالى وستمسكون به اذكر
كم في اهل البيت اذكر كم في اهل البيت۔

﴿مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۲۳۹﴾

﴿جامع الصغیر ج ۱ ص ۱۶۴﴾

﴿اسعاف الراغبین ص ۱۱۰﴾

پس اللہ کی کتاب کو پکڑو اور مضبوطی سے تھام رکھو میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔

اہل بیت امان ہیں

ایک اور مقام پر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو اہل بیت سے وابستگی رکھنے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

ان النجوم امان لا اهل الارض من الفرق واهل
البيت امان لا متى من الاختلاف فاذا خا
لفتها قبيلة اختلفوا فصاروا حزب ابليس

﴿خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۲۶﴾

جیسے کہ ستارے اہل زمین کے لئے امان ہیں جو غرق ہونے سے

بچاتے ہیں اور میری اہل بیت امان ہے میری امت کے لئے جو دور کرتی ہے
اختلافوں کو۔ پس جو قبیلہ ان سے مخالفت کرے گا، وہ ہو جائے گا حزب

شیطان

میری وجہ سے محبت کرو

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کے
ساتھ اپنے ساتھ اور اپنی اہل بیت کے ساتھ محبت رکھنے کی وجوہات بیان
رہتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ایک اور مقام پر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اہل بیت سے محبت حکمِ خدا ہے

قال مؤدتنا اهل البيت فانه من لقي الله
عز وجل فهو اليؤدنا دخل الجنة بشفا عتنا
والذي نفسى بيده لا يرفع احد عم له الا بمعرفة
حقنا.

﴿اسعاف الراغبين ص ۱۱۳﴾

﴿جامع الصغير ج ۱ ص ۱۰۱﴾

ترجمہ!

ہماری اہل بیت سے مؤدّت و محبت کرنے کا حکم اللہ عزوجل نے فرمایا
ہے پس جو ہماری اہل بیت سے مؤدّت رکھے گا وہ ہماری شفاعت سے جنت

میں داخل ہوگا اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے تمہارا کوئی عمل تمہیں نفع نہیں دے گا جب تک ہمارا حق نہیں پہچانو گے۔

فرمان رسول

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں !

ہم عنقریب اپنی اہل بیت کے متعلق تمہاری آزمائش کریں گے کہ تم ان کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کرتے ہو۔

انکم ستبتلون فی اہل البیتی من بعدی

﴿اسعاف الراعمین ص ۱۱۳﴾

اور یہ بھی فرمایا !

کہ جو میرے اہل بیت کو ستائے گا اس پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب نازل ہوگا۔

محب اہل بیت کے لئے مغفرت

اشد غضب اللہ علی من اذانی فی عترتی

﴿جامع الصغیر ج ۱ ص ۱۰۱﴾

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا !

جو شخص بھی میری اہل بیت کی محبت میں فوت ہوگا وہ یقیناً بخشا جائے

گا اور وہ اس وقت تک فوت ہی نہیں ہوگا جب تک وہ توبہ نہ کر لے
وقال علیہ السلام الا من مات علی حب آل

محمد مات مغفورا له الا ومن مات على جب

آل محمد امات ثابا

﴿اسعاف الراغبین جلد ۱ ص ۱۴۲﴾

﴿نور الابصار ص ۱۱۲﴾

اور فرمایا!

کہ جو محبت اہل بیت میں فوت ہوگا وہ مومن فوت ہوگا۔

الاومن مات على حب آل محمد مات مؤمنا

محب اہل بیت کے لئے شہادت کی موت

یہی نہیں بلکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبتِ اہل بیت میں فوت ہونے والے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ مکمل ایمان کے ساتھ فوت ہوگا اور اس کی موت شہید کی موت ہوگی۔

الا ومن مات علي حب آل محمد مات

شہید امستکمل الایمان۔

﴿تفسیر ابن عربی جلد ۲ ص ۲۱۲﴾

جنت کی بشارت

اور پھر فرمایا کہ میری اہل بیت کی محبت میں فوت ہونے والے کو عزرائیل علیہ السلام جنت کی بشارت دیتے ہیں اور جب وہ قبر میں جاتا ہے تو اسی بشارت کے ساتھ منکر اور نکیر اس کا استقبال کرتے ہیں۔

الاومن مات على حب آل محمد بشرى ملك
الموت بالجنة ثم منكر ونكير

﴿تفسير روح البیان جلد ۴ ص ۴۰۷﴾

محبت اہل بیت کی قبر زیارت گاہ ملائکہ

اس کے بعد امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص محمد اور آل محمد کی محبت سینے میں لیکر فوت ہوگا وہ جنت میں اس طرح جایگا جس طرح عروسہ نکھر کر اپنے شوہر کے گھر جاتی ہے اور اس کی قبر میں جنت دروا زے کھول دیتے جاتے ہیں اور اس کی قبر کو ملائکہ رحمت کی زیادہ گاہ بنادیا جاتا ہے

الاومن مات على حب محمد وآل محمد
يزف الى الجنة كما تزف العروس الى بيت
زوجها فتح له في قبره بابان الى الجنة
جعل الله قبره مزار ملائكة رحمة

﴿تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۳۹۰﴾

محبت اہل بیت اہل سنت و جماعت

اور اس کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بیت سے محبت رکھنے والے کے لئے ایک معیار قائم کر دیا کہ وہ میری سنت کا پیرو ہوگا اور عقیدہ اہل سنت و جماعت پر فوت ہوگا۔

الاومن مات على حب آل محمد مات

على السنة والجماعة ﴿ترمذیہ المجالس جلد ۲ ص ۲۲۲﴾

یہ تو تھیں اہل بیت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنے والوں کے لئے بارگاہ رسالت آج سے بشارتیں اور خوشخبریاں اب ذرا دشمنان اہل بیت اظہار اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض و عناد رکھنے والوں کا جو حال ہو گا وہ بھی ملاحظہ کریں۔

رحمت سے مایوس شخص

امام الانبیاء تاجدار مدینہ دشمنان اہل بیت کیلئے فرماتے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا جائے گا۔ اور ان کی آنکھوں کے درمیان تحریر کر دیا جائے گا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیئے گئے اور وہ کافر ہو کر مر گئے۔ انہیں جنت کی خوشبو سے محروم کر دیا جائے گا۔

الا ومن مات علی بغض آل محمد جاء يوم
القيامة مكتوباً بعداً بينا ليس من رحمة الله
الا ومن مات علی بغض آل محمد مات
كان ولم يشم رائحة الجنة

﴿تفسیر ابن عربی جلد ۲ ص ۲۱۲﴾

معیار محبت

ہم کسی کے دل میں نقب نہیں لگاتے۔ فرامین رسول کو سامنے رکھو اور اپنے دلوں کو خود منہ لو۔ اپنا محاسبہ خود کرو۔ اپنی منزل کا تعین خود کرو۔ محمد

عربی کی اہل بیت ایک معیار ہے اور یہ معیار خود رسول صادق نے مقرر فرمایا ہے۔ اپنے دلوں کی کیفیت اس معیار پر وزن کرو۔ اہل بیت کی محبت میں مر نے کا مطلب ہے ان کی محبت میں فنا ہونا۔ تمام اولیاء کرام محبت اہل بیت اطہار میں فنا ہو تے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مزارات ملائکہ رحمت کی زیا رت گاہ بن جاتے ہیں جنت کے قطعات بن جاتے ہیں اور وہاں پر ہر وقت خدا تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دوست بنتا ہے تو اہل بیت مصطفیٰ کی محبت میں فنا ہو جاؤ۔

اسی گھر سے پروانہ نجات ملے گا

یہی وہ گھر ہے جہاں سے پروانہ نجات ملے گا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی محبت واجب قرار دی گئی ہے یہی وہ لوگ ہیں جن کی پاکیزگی اور طہارت پر قرآن نے مہر لگا دی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سفینہ نجات ہیں ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو غرق ہو جاؤ گے۔

اعمال بیکار ہوں گے

تاجدار مدینہ کا فرمان ہے۔ میری اہل بیت سے محبت نہیں رکھو گے تو تمہارے اعمال بیکار ہو جائیں گے۔ ہمارا حق نہیں پہچانو گے تو تمہاری عبادتیں ضائع ہو جائیں گی۔

محمد عربی کا امتی کہلانا ہے تو اپنے پیغمبر کا حق پہچانو۔ ان کی اہل بیت کا

احترام کرنا سیکھو۔ ان سے عقیدت و محبت رکھو۔ اللہ تعالیٰ تم سے ان کی مودت طلب کرتا ہے۔ عناد اور بغض نہیں مانگتا۔ ان کی شان بیان کرنے سے پہلو تہی نہ کرو۔

مقابلہ اور موازنہ نہ کیا کرو

اہل بیت کی شان بیان کرنے سے دوسروں کی شان میں کمی کا کوئی پہلو نہیں ہے ان کی اپنی شان ہے دوسرے ذیشان حضرات اپنی شان کے مالک ہیں مقابلہ اور موازنہ نہ کیا کرو۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بیان کرنے سے دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی شان کم نہیں ہوتی۔ البتہ دوسروں کی تنقیص کرنا جرم عظیم ہے۔

صحابہ کرام پر طعن جرم ہے

صحابہ کرام کی غلطیاں نکالنا اور ان کو سب و شتم کرنا بھی جرم عظیم ہے یہ ایسا گناہ ہے جس کی معافی نہ خدا دے گا اور نہ رسول اور نہ ہی اہل بیت مصطفیٰ معاف فرمائیں گے اس لئے کہ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اہل بیت مصطفیٰ کی غلامی کا حق ادا کیا ہے۔ یہی تو وہ مقدس نفوس ہیں جنہیں رسول غیب دان نے منتخب فرمایا ہے۔

انتخاب رسول میں غلطی نہیں ہو سکتی

انتخاب رسول علیہ السلام میں خامیاں اور نقائص تلاش کریں گے تو

یہ براہ راست رسول خدا پر حملہ ہوگا۔ نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ ط
قرار دینا پڑے گا اگر نگاہ حسین میں غلطی کا امکان نہیں تو پھر نگاہ مصطفیٰ میں
غلطی کا امکان کیسے ہوگا۔ اہل بیت محمد سے پیار کرنا ہے تو محمد عربی سے بھی
پیار کرنا پڑے گا۔ اس کے انتخاب سے بھی پیار کرنا پڑے گا۔ اس کے احباب
سے بھی پیار کرنا پڑے گا۔

خدا و رسول کے پسندیدہ

شمع رسالت کی روشنی میں چلنے والے لوگ گمراہ نہیں ہو سکتے۔ نگاہ
مصطفائی کے نوازے ہوئے لوگوں پر تنقید گناہ کبیرہ ہے۔

محمد عربی کے تربیت یافتہ اور مدینۃ العلم کے شاگردوں پر بہتان لگانا
حق و دیانت اور ایمان و انصاف کا دامن پھوڑ دینے کے مترادف ہے۔ اور
احتیاط و سلامتی کا خون کر دینے کے برابر ہے۔

یہ لوگ خدا کے چنے ہوئے ہیں، محمد عربی کے پسندیدہ ہیں، خدا
و رسول نے ان سے راضی ہونے پر مہر لگا دی ہے، پھر ہم ان سے ناراض
کیوں ہوں۔

خلافت بلا فصل اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے لئے مخصوص
ہوتی تو یقیناً انہیں مل جاتی

خلافت کرنے والے اگر غلط لوگ ہوتے تو حیدر کرار ضرور ان سے

نکرا جاتے۔

اگر حسین علیہ السلام اپنے حق کے حصول کے لئے میدان کر بلا کو
لالہ زار بنا سکتے ہیں اور یزیدی حکومت کو غیر اسلامی قرار دے سکتے ہیں تو فاتح
خیبر علیہ السلام بھی یہ اقدام ضرور کرتے۔

حضرت علی علیہ السلام شیر خدا تھے۔

صاحب ذوالفقار تھے،

وہ اپنا حق وصول کرنا جانتے تھے۔

ان کا حق غصب کرنے کی طاقت کس میں تھی۔

علی علیہ السلام غاصبوں کو کیسے معاف کر سکتے تھے۔

علی علیہ السلام کا حق ہوتا تو وہ لے لیتے۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں
ہوئی اہل اسلام کا فیصلہ آپ نے قبول کر لیا۔

علی علیہ السلام غلط بات کو کیسے قبول کر سکتے تھے۔

علی علیہ السلام تو حق کے ساتھ تھے اور حق علی کے ساتھ تھا۔

علی علیہ السلام کے فیصلے پر تنقید نہ کرو۔ علی کا فیصلہ خدا کا فیصلہ ہے اور
خدا کا فیصلہ غلط نہیں ہو سکتا۔

علی علیہ السلام اپنے حق کی خود حفاظت کر سکتے تھے۔ ہم تیرہ صدیاں

بعد ان کا حق محفوظ کرنے والے کون ہے۔ ان حکمتوں کو سمجھو ترتیب خلافت

میر، مضمحل، اگر حضرت علی اکرم اللہ وجہہ الکریم کو پہلا خلافت مل جاتی تو دیگر

اصحاب ثلاثہ خدمت قوم سے محروم ہو جائے۔ زندگی کا ایک ایک سانس لوح محفوظ پر موقوف ہے۔ ہر پیدا ہونے والے کو اپنے تعین شدہ وقت کے ساتھ اس دنیا کو خیر باد کہنا ہی پڑتا ہے۔

چوتھی خلافت ارشاد علی المرتضیٰ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دنیا سے پہلے تشریف لے جانا تھا۔ ان کو پہلی خلافت مل گئی۔

جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما سے پہلے داعی اجل کو بلایک کہنا تھا ان کو دوسری خلافت مل گئی سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حیدر کرار سے پہلے جام شہادت نوش کرنا تھا ان کی تیسری خلافت مل گئی

جناب علی المرتضیٰ علیہ السلام کو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے تشریف لے جانا ان کو چوتھی خلافت مل گئی۔

اب جب کہ آپ نے چوتھی خلافت کو قبول کر لیا ہے اور پہلی خلافت آپ کو ملی ہی نہیں تو پھر یہ کہنا کہ آپ خلیفہ بلا فصل یا خلیفہ اول ہیں، ایک مفروضہ نہیں تو اور کیا ہے۔

بحث کرنا ہمارا مقصود نہیں ایک سیدھی سی بات عرض کرنا تھی وہ کر دی شیر خدا مشکل کشا کو اگر چوتھی خلافت ملی تو اس سے آپ کی شان میں ذرا

بھی فرق نہیں آتا پہلی خلافتیں بھی آپ ہی کے مشورے سے قائم تھیں۔

حضرت علی سے سوال اور اس کا جواب

یہ واقعہ آپ کو یاد ہوگا حضرت علی علیہ السلام پر سوال کیا گیا کہ پہلی خلافتوں کے وقت مسلمانوں میں وہ انتشار نہیں تھا جو آپ کی خلافت کے وقت ہے

تو آپ نے فرمایا۔

خلفاء کے مشیر ہم تھے اور ہمارے مشیر تم ہو۔ اس ایک واقعہ سے ہی حضرت علی علیہ السلام پہلے خلفائے سے ربط و تعلق کا انداز آسانی سے ہو سکتا ہے۔

حیدر کرار خلیفہ اول ہوتے یا خلیفہ چہارم بنے۔ حیدر کرار ہی ہیں۔ ان کی جو عظمت جو رفعت جو شان امام الانبیاء کی زبان فیض ترجمان سے بیان ہو چکی ہے۔ اس میں کچھ بھی فرق نہیں آ سکتا۔ علی وہ ہیں جن کی ولادت بھی خدا کے گھر میں ہوئی اور شہادت بھی خدا کے گھر میں ہوئی۔

کے را میسر نہ شد ایں سعادت

بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

علی وہ ہیں جن کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے۔

النظر الی وجہ علی عبادۃ۔

علی وہ ہیں جن کو رسول ہاشمی نے اپنا بھائی کہا ہے۔ ﴿المستدرک﴾

انت اخى فى الدنيا الآخرة
 على وہ ہیں جن کو اللہ کے رسول نے اپنی اہلیت کہا،
 اپنی جان کہا،

﴿الاستیعاب مع اصابع ج ۲ ص ۹۵﴾
 امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام الاولیاء سیدنا
 حیدر کرار مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے
 متعلق فرمایا۔

انا مدیۃ العلم وعلیٰ بابہا
 ہم علم کا شہر اور علی اس کا دروازہ ہیں۔
 ﴿ترمذی جلد ۲ ص ۶۷۲﴾
 انا دار الحکمة علیٰ بابہا
 ہم حکمت کا گھر ہیں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔
 ﴿مسند احمد جلد ۱ ص ۱۳۱، ۳۳﴾

من کنت مولاه فعلیٰ مولاه
 جس کے ہم مولا ہیں اس کے علی مولا ہیں۔
 ﴿مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۲﴾

ان علیاً منی وانا منه وهو ولی کل مؤمن
 بعدی

علی ہم سے ہیں اور ہم علی سے ہیں اور

ہمارے بعد تمام مومنوں کے ولی ہیں۔

﴿ترمذی ج ۲ ص ۶۳۲﴾

علی منی وانا من علی لحمہ لحمی ودمہ من
دمی

علی سے ہیں اور ہم علی سے ہیں علی کا گوشت ہمارا
گوشت۔ اور علی کا خون ہمارا خون ہے۔

﴿بخاری شریف ص ۶۲ ترمذی ج ۲ ص ۶۳۲﴾

علی منی بمنزلۃ راسی من جسدی
علی اور ہم ایسے ہیں جیسے سر اور جسم۔

﴿ریاض النضر ج ۲ ص ۲۱۴﴾

انا وعلی من نور واحد
ہمارا اور علی کا نور ایک ہے۔

﴿ینایح المودۃ ص ۳۰۵﴾

انا وعلی من شجر واحد

ہم اور علی ایک درخت سے ہیں۔ ﴿الصواعق﴾

ہـ انا مدینۃ العلم وعلی با بھا زلن تؤتی المد
یذۃ الا من قبل الباب۔

ہم علم کا شہر ہیں اور علی اس کا دروازہ۔ اور نہیں کوئی
آئے گا شہر میں مگر دروازے سے پہلے۔

﴿ینائج المودت ص ۳۰۵﴾

علی مع القرآن والقرآن مع علی
علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ۔
علی مع الحق والحق مع العلی
علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ۔

﴿صواعق محرقة ص ۱۲۳﴾

لکل نبی ولئی ووارث ان علیا وصی ووارثی
ہر نبی کا وارث اور وصی ہے اور ہمارے وارث و وصی
علی ہیں۔

﴿ینائج المودة ج ۱ ص ۹۰﴾

امام دو جہان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
امام الاولیاء سیدنا حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب
کر کے ارشاد فرمایا۔

انت سید فی الدنيا والآخرة

تم دنیا اور آخرت کے سردار ہو۔ ﴿المستدرک﴾

ان تکون بمنزلة هارون وموسى ولا نبی
بعدی

تم مجھے ایسے ہو جیسے ہارون اور موسیٰ مگر میرے بعد نبی
نہیں۔

﴿ترمذی شریف ج ۲ ص ۶۷۱﴾

انت امام امتی و وصی

تم میری امت کے امام ہو اور میرے وصی ہو۔

﴿بیانج المودة ج ۱ ص ۱۵۳﴾

فقال انت قسم الجنة والنار

فرمایا! تم دوزخ اور جنت کو تقسیم کرنے وا

لے ہو۔

﴿صواعق المحرقہ ص ۹۷﴾

و کذب من زعم ان یحبنی ولا انت منی وانا

منک لحمک لحمی ودمک من دمی

وروحک من روحی و سریر تک من سریر

تبیوعلا نیتک من علا نیتی۔

اور وہ جھوٹا ہے جو ہمارے ساتھ محبت کا دعویٰ کرتا ہے

اور تمہارے ساتھ محبت نہیں کرتا۔ تم ہم سے ہو ہم تم

سے ہیں۔ تمہارا گوشت اور تمہارا خون ہمارے خون

سے ہے تمہاری روح ہماری روح سے ہے تمہارا بھید

ہمارے بھید سے ہے اور تمہارا اعلان ہمارا اعلان ہے۔

پھر صحابہ کرام کو مخاطب فرما کر ارشاد سرور کوئین ہے۔

﴿بیانج المودة ج ۱ ص ۲۵۳﴾

هذا المقبل حجتى على امتى يوم القيامة
یہ مقبل ہیں اور میری امت پر قیامت کو میری حجت
ہیں۔

﴿ریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۵۴﴾

هذا سيد المسلمين وامام المتقين والغرا
لمحجنيين ويعسوب الدين
یہ مسلمانوں کے سردار متقیوں کے امام سفید منہ ہاتھ وا
لوں کے سردار اور یعسوب الدین ہیں۔

﴿ریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۳۴﴾

آپ نے ابا برزہ صحابی کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ میرے پروردگار
کی طرف سے علی کے لئے فرمایا گیا ہے کہ۔

انه رائة الهدى وضار الايمان وامام اولياء و
نور جميع من اعطاني يا ابا برزہ علی ابن ابی
طالب امینی غذائی القیامة وصاحب الرا
ئتی فی القیامة علی مفاتیح خزائن رحمة
ربی من احبه احبني ومن البغضه البغضنی۔
یہ ہدایت کہ علمبردار ہیں منار الایمان ہیں امام اولیاء
ہیں اور وہ تمام نور ہیں جو ہمیں عطاء کیا گیا ہے بابر
زہ علی ابن ابی طالب قیامت کے دن ہمارے امین

ہوں گے اور قیامت کے دن ہمارا پرچم اٹھانے والے
 ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانوں کو کھولنے
 والے ہوں گے ان کی محبت ہماری محبت اور ان کا
 بغض ہمارا بغض ہے۔

﴿ریاض النضرہ﴾

آپ نے فرمایا ہمارے بعد نبوت کا دروازہ تو بند ہے مگر تمہیں سات
 ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو کسی اہل قریش کے پاس نہیں۔

تم ان میں سب سے پہلے اللہ کے ساتھ ایمان لانے والے ہو اور
 اللہ کا عہد پورا کرنے والے اور ان میں اللہ کا حکم نافذ کرنے والے ہو اور ان
 میں برابر تقسیم کرنے والے رعیت نزدیک زیادہ خوبیاں رکھنے والے ہو

انت اولہم ایمانا باللہ واوناہم بعہد اللہ واقو
 مہم بامر اللہ واقسمہم بانسریۃ واہد لہم
 فی الرعیۃ وابصرہم بالقضیۃ واعظمہم
 عند اللہ مزیۃ

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قضا کو دس حصوں میں
 تقسیم کیا گیا جس کا نو حصے علم علی کو عطا کر دیا گیا اور ہا ایک حصہ ساری دنیا کو
 عطا کر دیا گیا

﴿حلیۃ اولیاء ج ۱ ص ۶۸﴾

قسمت الحكم عشرة اجزاء فاعطی تسعة اجزاء

اَو النَّاسُ جَزَاوَاٰحِدٍ

علمِ قضا کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا پس نو حصے حضرت علی کو عطا فرمایا اور ایک حصہ باقی دنیا میں تقسیم کر دیا گیا

﴿حلیۃ اولیاء ابو نعیم ج ۱ ص ۶۶﴾

یہی وجہ تھی حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والے تمام صحابہ کرام میں کوئی نہیں تھا مشکل سے مشکل مسئلہ کا حل آپ ایک لحظہ میں نکال لیتے۔

آپ سے پہلی خلافتوں کو جب کوئی مشکل امر پیش آتا۔ دین کا فیصلہ ہو یا دنیا کا ہو تو حضرت علی (علیہ السلام) سے ہی رجوع کیا جاتا۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فیصلے کرنے میں ہماری مدد نہ فرماتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ سیدھے راستے پر چلنے کے لئے اپنا مہدی و ہادی علی کو بنائے رکھنا۔ یہ تمہیں صراطِ مستقیم کی طرف لے کر چلے گے۔

قال ان تولو علیاً ہادیا مہدیا یسلک بکم
الطریق المستقیم عن عبد اللہ ابن مسعود
قال ان القرآن انزل علی سبعة احرف ما
منہا حرف الالہ ظہر و بطن وان علیا ابن ابی
طالب عنده علم الظاہر و الباطن۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ قرآن سات
قرات میں نازل ہوا ہر قرات کا ایک ظاہر ہے اور با
طن ہے اور کوئی قرات یا حرف ایسا نہیں جس کے ظاہر
و باطن سے علی واقف نہ ہوں

﴿حلیۃ اولیاء ج ۱ ص ۶۷﴾

سیدنا حیدر کرار کے علم کا احاطہ کون کر سکتا ہے، جبکہ نص حدیث سے
ثابت ہے۔ کہ آپ مدینۃ العلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دروازہ
ہیں۔ آپ کی کرامت و بزرگی اور عظمت کا انداز کون کر سکتا ہے۔
حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب
کر کے ارشاد فرمایا۔

یا معشر الانصار الا ادلکم علی ما ان تمسکم بہ

لن تضلوا بعدہ ابدًا؟

یعنی اے گروہ انصار ہم تمہیں ایک ایسی بات بتائیں
کہ اگر تم اس کا دامن ہاتھ میں رکھو تو کبھی گمراہ نہ ہو سکو

﴿حلیۃ اولیاء ج ۲ ص ۶۲﴾

قالوا یٰ اہلبی! یا رسول اللہ۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! تو امام
الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هذا على فاحبه بحبي واكرموا بكرامتي
فان جبريل امرني بالذي قلت لكم من الله
عزوجل:

یہ علی ہیں پس ان سے محبت کرو میری محبت کے ساتھ
اور ان کا اکرام کرو میرے اکرام کے ساتھ اور یہ میں
اللہ تعالیٰ کا حکم تمہیں پہنچا رہا ہوں جو مجھے جبریل نے
بتلایا ہے۔

امام الانبیا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قرآن
مجید میں جہاں جہاں بھی یا ایہا الذین آمنوا فرما کر خدا تعالیٰ نے ایمانداروں
کو مخاطب فرمایا ہے۔ وہاں پر ان مومنوں کے سردار سے مراد حضرت علی علیہ
السلام ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم - ما
انزل الله آية فيها يا ايها الذين آمنوا الله
وعلى راسها واسيرها -

﴿حلیۃ اولیاء ص ۲ ص ۶۷﴾

ایک دن حضور نے وضو فرماتے ہوئے حضرت انس کو فرمایا کہ اب
جو سب سے پہلے اس دروازے سے آئے گا وہ مومنوں کا امیر، مسلمانوں کا
سردار، سفید منہ ہاتھ والوں کا قائد اور وصیوں کا خاتم ہوگا۔ حضرت انس انصار
تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا اللہ کسی انصار کو بھیج دے تو حضرت علی علیہ السلام

تشریف لے آئے۔ آپ نے انس کو فرمایا:

اے انس یہ ہے وہ شخص: عربی متن ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يا
انس! اول من يدخل عليك من هذا الباب
امير المؤمنين وسيد المسلمين وقائد الغر
لمحجلين وخاتم الوصيين قال انس: قلت
اللهم اجعله رجلاً من الانصار كتمته انحاء
علي فقال لمن هذا يا انس!

بہر نوع: سیدنا و مرشدنا حضرت علی علیہ السلام کی سرداری اور سلطانی
مسلمات میں سے ہے، آپ کی شان بیان کرنے کے لئے تو ہزاروں دفتر بھی
نا کافی ہیں، پھر ان چند اوراق میں کیا عرض کیا جاسکتا ہے، بندہ نے آپ کی
سیرت مقدسہ پر کتاب مشکل کشا تصنیف کی ہے جو چار ضخیم جلدوں میں تین
ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور بحمد اللہ اس کی پہلی جلد چھپ بھی چکی ہے
مگر بایں ہمہ یوں معلوم ہوتا ہے کہا ان کی تو صیف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا،
پھر یہ چند صفحات کس شمار و قطار میں ہیں۔ آپ کی جنگوں کو دیکھیں تو
یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ جیسا بہادر دنیا میں کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ ان
کے فقر و فاقہ کو دیکھیں تو یوں لگتا ہے کہ ان جیسا صابر و شاکر دنیا میں پیدا ہی
نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت نے
حضرت علی کو وہ کچھ بنا دیا تھا جو دوسرا کبھی بن ہی نہیں سکتا۔

آپ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے تمام خوبیاں خداوند قدوس سے لیکر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی کی جھولی میں ڈال دی ہے۔ علی بدر و احد میں ہوتے ہیں۔ تو ان کی تلوار کی کاٹ دیکھ کر ہاتف نبیبی پکارتا ہے۔

لافتی الاعلیٰ لا سیف الا ذوالفقار

خیبر کا قلعہ القموص فتح نہیں ہوتا تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

ہم آج اس کو پرچم اسلام دیں گی جس کے ہاتھ پر یہ قلعہ فتح ہو جائے گا اور وہ شخص اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے۔ اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر جھنڈا علی کو عطاء فرما دیا جاتا ہے۔

اور پھر خیبر کے دروازے کو اس طرح اکھاڑ پھینکتے ہیں جیسے کاغذ کا بنا ہو حالانکہ چالیس شہ زور صحابہ اُس دروازہ کو ہلا بھی نہ سکے اور علیؑ نے اُسے ڈھال بنا رکھا تھا۔

علی کی ایک نیکی

مرحب کے ٹکڑے اڑا دینے والا علیؑ جب جنگ احزاب میں عمر ابن ودود کے مقابلہ میں جاتے ہیں تو امام الانبیاء نے فرمایا ! مکمل ایمان مکمل کفر سے ٹکرانے والا ہے۔ اور پھر جب علیؑ کی تلوار نے سینکڑوں بہادروں پر

بھاری عیدود کی گردن اُتار پھینکی تو سرور کائنات نے فرمایا! علیؑ کی عیدود کو قتل کرنے کی ایک نیکی تمام جنوں اور انسانوں کی عبادات سے افضل ہے۔

علی کی محبت نبی کی محبت

بہر صورت فرامینِ مصطفیٰ کا حاصل یہ ہے کہ علیؑ سے محبت کرو علیؑ سے محبت کرنا مصطفیٰ سے محبت کرنا ہے۔ علیؑ سے بغض رکھنا امام الانبیاء سے بغض رکھنا ہے۔ علیؑ کو گالی دینا امام الانبیاء کو گالی دینا ہے۔ علیؑ سے محبت کرنا ایمان کی نشانی اور علیؑ سے بغض منافقت کی نشانی ہے۔

لا یحبہ الامومن ولا یبغضہ إلا منافق،

﴿ترمذی ج ۲ ص ۶۷۲﴾

نہیں رکھتا محبت علیؑ سے مگر مومن اور نہیں رکھتا بغض علیؑ سے مگر منافق۔

من سب علیا فقد سب النبی

جس نے علیؑ کو گالی دی تو اس نے نبیؐ کو گالی دی،

علی یحب اللہ ورسولہ واللہ ورسولہ یحبانہ

علی اللہ اور رسولؐ سے محبت کرتا ہے، اور اللہ ورسولؐ علیؑ

سے محبت کرتے ہیں۔

﴿مسند احمد ج ۱ ص ۱۸۵﴾

علی ولی النبی فی الدنیا و الآخرة
علی بنی کا دنیا و آخرت میں ولی ہے۔

﴿مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۰﴾

علی کے فضائل کا حصروا حاطہ کو ن کر سکتا ہے

☆ علی اللہ تیغ کا مسلول ہے۔

☆ علی مرد مقبول ہے۔

☆ علی نفس رسول ہے۔

☆ علی زوج بتول ہے۔

☆ علی کا دوست خدا کا مقبول ہے۔

☆ علی کا دشمن مرتد و مجہول ہے۔

☆ علی امیر المؤمنین ہے۔

☆ علی امام المتقین ہے۔

☆ علی شفیع المذنبین ہے۔

☆ علی خلیفۃ المسلمین ہے۔

☆ علی وسیلہ دنیا و دین ہے۔

☆ علی مصطفیٰ کی جان ہے۔

☆ علی معرفت کا آسمان ہے۔

☆ علی شمع عرفان ہے۔

- ☆ علی گلشن محمد کا باغبان ہے۔
- ☆ علی کی محبت روح اسلام اور جان ایمان ہے۔
- ☆ علی خدا کی برہان ہے۔
- ☆ علی خدا کی شان ہے۔
- ☆ علی اسلام کی آن بان ہے۔
- ☆ علی محمد کا پہلوان ہے۔
- ☆ علی اولیاء کا سلطان ہے۔
- ☆ علی حافظ قرآن ہے۔
- ☆ علی صداقت کا نشانی ہے۔
- ☆ علی اولیاء کا امام ہے۔
- ☆ علی کا کلام محمد کا کلام ہے۔
- ☆ علی جان اسلام ہے حق کا امام ہے۔
- ☆ ہر ولی علی کا غلام ہے۔
- ☆ علی کے ہاتھوں ولایت کا نظام ہے۔
- ☆ علی کا لقب سر الصنام ہے۔
- ☆ علی کا مولد بیت الحرام ہے۔
- ☆ علی کا احترام محمد کا احترام ہے۔
- ☆ علی کی سلطنت سلطنت دوام ہے۔

☆ دونوں عالم میں علی کا فیض عام ہے۔

☆ اللہ کے نام سے علی کا نام ہے۔

☆ عقلوں سے بالا علی کا مقام ہے

☆ علی نفس خیر الانام ہے۔

☆ علی کا وظیفہ قاطع آلام ہے۔

☆ علی کی محبت معرفت کا جام ہے۔

☆ علی کا دشمن ولد الحرام ہے۔

☆ علی کی زیارت خدا کی عبادت

☆ علی کی معرفت خدا کی معرفت۔

☆ علی کی محبت نبی کی محبت

☆ نبی کی محبت خدا کی محبت

☆ ، خدا کی محبت رسۂ جنت۔

☆ علی سے محبت کرو اس لئے کہ جنت علی کی ہے۔

☆ علی کے دشمن پر جنت حرام ہے۔

عجب شان معالیٰ ہے علیؑ دا ،

عجب حسن تجلیٰ ہے علیؑ دا

میں صائم ایس لئی حیدر توں منگداں ،

علی اللہ دا اللہ ہے علی دا

قرآن کی مہر

شرف و کرامت کا معیار تقویٰ و طہارت پر رکھا جائے تو علی کی طہارت پر قرآن کی مہرشت ہے۔ شرف بزرگی کا ایک معیار علم بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ارشاد فرمایا۔

انی جا عل فی الارض خلیفۃ۔

ہم زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والے ہیں

فرشتوں نے کہا تو اس کو نائب بنائے گا جو فساد پھیلانے کا اور خون

ریزیاں کرے گا۔

(ہم تسبیح پڑھتے ہیں اور احمد کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کر

تے ہیں۔

نحن نسبح بحمدک ونقدس لک

تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ انی اعلم ما لا تعلمون

اور آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے اسماء کا علم عطا فرما کر فرشتوں پر

سوال کیا انبؤنی با سماء هؤلاء ان کنتم صا دقین اگر تم سچے ہو تو ان

کے نام بتاؤ۔

قالو سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا ، یا اللہ ہم تو اتنا ہی

جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بات ہے تو پھر اسے سجدہ کرو۔ واذ قلنا
للملائكة السجدوا پھر سوائے شیطان کے سب نے سجدہ کر دیا۔

حضرت علی کا علم

بہر صورت علم دلیل کے طور پر پیش کر کے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں
سے آدم کی بزرگی کا اعتراف کروایا اگر قرآن کا یہ معیار درست ہے تو پھر شان
حیدر کرار کا اندازہ کون کر سکتا ہے جسے محمد عربی نے علم کے شہر کا دروازہ کہا۔
حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

میرا علم قرآن کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مقابلہ
میں ایسے ہے جیسے کے مقابلہ میں قرارہ۔ فرمایا مشعر ایک بحر ناپیدا کنار ہے
اور قرارہ ایک گڑھا۔

علمی بالقرآن فی علم علی کا القراءۃ فی
المتعجب قال القراءۃ الغدير المغير والمتعجب
البحر

یہی نہیں بلکہ جناب عبداللہ ابن عباس نے فرمایا۔ رسول اللہ کا علم
اللہ کے علم سے ہے۔ اور علی کا علم رسول اللہ سے ہے اور ہمارا علم علی سے
ہے۔

یہی نہیں بلکہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ ہمارا علم حضرت علی کے علم کے مقابلہ میں
ایسے ہے جیسے سات سمندروں سے ایک قطرہ

وما علمي وعلم اصحاب محمد في علم علي
الا كقطرة سبعة البعر

﴿اشرف الموبد ص ۱۱۹﴾

بصد تلاش نہ کچھ وسعتِ نظر سے ملا
نشان منزل مقصود راہبر سے ملا

نبی ملے تو خانہ خدا سے ملے
خدا کو ڈھونڈا تو وہ بھی علی کے گھر سے ملا

بحر نبوت کے دو موتی

باغ رسالت کے دو پھول

نانا ہوں سید الانبیاء ثانی ہوں خدیجہ الکبریٰ، باپ ہوں سید الاولیاء
، ماں ہوں سیدۃ النساء تو بیٹے پیدا ہوتے ہیں سید الشہداء۔ نبی کا نور، علی کا خون
اور فاطمہ کا دودھ ایک جگہ مل جائے تو بنتے ہیں

حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام آیت کریمہ مرج البحرین کی
تفسیر میں لکھا ہے کہ ان دونوں دریاؤں سے مراد علی و فاطمہ ہیں اور ان
دونوں دریاؤں سے جو موتی موزگا پیدا ہوتے ہیں وہ حسن و حسین ہیں۔

﴿۱﴾ «مرج البحرین یلتقیان» قتل علی
و فاطمہ «برزخ یبغان» صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم «یخرج منهما النول و المرجان»
قال الحسن والحسین۔

دو دریا علی و فاطمہ ہیں، برزخ حضور اور موتی حسن و حسین ہیں

﴿۲﴾ ای بحر نبوت من فاطمة و بحر
الفتوة من علی بینهما حار جزا من تقوی فلا
تغی فاطمة علی علی فاطمة «یخرج
منهما النول و المرجان» هو الحسن
والحسین۔

بحر نبوت فاطمہ، بحر فتوت علی اور درمیان میں برزخ یا حجاب تقویٰ

ان سے جو موتی اور مرجان پیدا ہوئے وہ حسن و حسین ہیں۔ اُن شہزادگان
عالی وقار کے عزت و احترام اور عظمت و شان کا کون انداز کر سکتا ہے جن کی
والدہ محترمہ کا نام فاطمہ الزہرا ہو جس کی شان بتول اور لقب خاتونِ جنت
اور خاتونِ قیامت ہو۔

کون خاتونِ قیامت!

جس کی سواری میدانِ محشر میں آئے گی تو منادی کر دی
جائے گی کہ اے اہلِ محشر اپنی نگاہیں نیچی کر لو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی
کی سواری گزرنے والی ہے۔

یا اہر النجع غصوا بصارکم عن فاطمة بنت
محمد حتی تمر

﴿اسد الغابہ ج ۲ ص ۵۲۳ خصائص کبریٰ ص ۲۵﴾

کون خاتونِ قیامت!

جس کی سواری ستر ہزار خوروں کے جھرمٹ میں پل صراط سے
ایسے گزر جائے گی جیسے بجلی کووند جاتی ہے۔

ثم فاطمة بنت محمد مع سبعین الف
جارية من النحور العین کمر البرق

﴿خصائص کبریٰ جلد دوم ص ۲۲۵﴾

کون خاتونِ قیامت!

جو اپنے باپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلے جنت
میں جائیں گی

قال رسول الله صلى الله عليه وآله
وسلم أول من يقرع باب الجنة و أول من يد
خلما وبعده ابنة فاطمة

﴿خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۲۵﴾

کون خاتون قیامت!

جو جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں

فاطمة سيدة النساء اهل الجنة

کون خاتون قیامت!

جن کے اپنے اور شوہر کے مسکرانے سے جنت ایسے روشن ہو جائے
گی جیسے آفتاب طلوع ہو جاتا ہے۔

بينهما اهل الجنة اذ سطح لهم نوراً
فطنو شمساً فيقول رضوان هذه فاطمة وعلى
فضحكها اشرق الجنان من نور ضحكها.

کون خاتون قیامت!

جس کی اولاد پر خدا تعالیٰ نے جہنم حرام فرما دیا ہے۔

ان فاطمة احصنت فرجها فحرم الله ذريتهم

على النار

کون خاتون قیامت!

جس کے حب داروں کو جنت کو جنت کے ٹکٹ عطا کئے جائیں گے
 آپ کی شادی کے وقت رضوان نے طوبیٰ کو ہلایا تو مہمان اہل بیت کی تعداد
 کے مطابق پتے تو لے رہا تھا بعد میں اہل بیت اور وہی قیامت کے دن جنت
 کے ٹکٹ بن جائیں گے۔

فاذا استوت القيامة باهلها نار الت الملا
 ثكة في الخلق فلا يبقى محب اهل البيت الا
 دفعت له صكافيه فكاله من النار

﴿صواعق محرقة ص ۱۷۱ نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۲۲۶﴾

کو خاتون قیامت!

جو جنت الفردوس میں مح اپنے شوہر اور اولاد کے اسی مقام اور اسی
 محل میں قیام فرمائیں گی جہاں ان کے ابا جان ہوں گے۔

﴿۱﴾ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم اخذ بید حسن وحسین فقال من احبني و
 احب هذين وابا هما كان معي في درجة يوم
 القيامة

﴿مسند احمد ج ۲ ص ۲۶ صواعق محرقة ص ۱۵۱﴾

﴿۲﴾ انه دايك وهذين وهذالراقد في مكان
 واحد يوم القيامة

﴿مسند احمد ج ۲ ص ۸۲﴾

﴿۳﴾ آنحضرت بافاطمہ خطاب کرو من و تو علی وحسن وحسین

در یک مقام و مکان خواہیم بود

﴿اشعة اللمعات ج ۴ ص ۶۸۴﴾

کون خاتون قیامت!

جسے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی حور فرمایا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان

ابنتي فاطمة حوط آدمية لم تحض ولم

تطمث۔

کون خاتون قیامت! جس کا لقب بتول ہے اور بتول اس کو کہتے ہیں جس

نے عورتوں کے کسی مرض کو نہ دیکھا ہو جو حیض و نفاس کی آلودگیوں سے منزہ

اور پاک ہو طہیہ اور طاہرہ ہو۔

البتول التي لم ترحمة قط اي لم تحض عن

اسماء قال قبلت فاق طمة بالحسن فلم ازلها

دما فقلت يا رسول الله لم ارا لفاطمة دما في

حيض ولا نفاس فقال محمد صلى الله عليه

وآله وسلم اما علمت ان ابنتي طاهره مطهره

کون خاتون قیامت! جو نور سے پیدا ہوئی اور جس نے پیدا بھی نور ہی کیا۔

تو ہے عین نور تیرا سب گھرا نہ نور کا

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا

﴿اعلیٰ حضرت بریلوی﴾

کون خاتون قیامت! جس کا نام اقدس فاطمہ ہے اور فاطمہ اس کو کہتے ہیں جو نجات دلانے والے ہو اور جو جہنم سے اپنے غلاموں کو آزاد کرانے والی ہو۔

وفاطمة كما قال ابن دريد مشتقة من الفطم
وهو القطع سميت بذلك لان الله تعالى
فطمها عن النار واخرج الديلمي مرفوعاً انها
سميت فاطمة لان فطمها ومعناها عن النار

﴿صواعق محرقة ص ۱۸۸﴾

﴿نور الابصار ص ۴۵﴾

کون خاتون قیامت! جس کے پردے کا احترام کرتے ہوئے ملک الموت ان کی روح قبض کرنے پر راضی نہ ہوا اور پھر خود اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے ان کی روح قبض فرمائی۔

لم نزل عليها ملك الموت لم ترضى بقبضة
فقبض الله روحها.

﴿روح البیان ص ۲۲ ج ۵﴾

اس بتول جگر پارہ مصطفیٰ
جملہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

سبیل سکینہ

لیف آباد، پینٹ نمبر ۸-۵۱

جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے
اس روئے نزاہت پہ لاکھوں سلام

آبِ تطہیر میں جس کے پو دے جے
اس ریاضِ نجابت پہ لاکھوں سلام

سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام
کون خاتونِ قیامت! جس کے حضور میں علامہ اقبال عقیدت کے پھول
اس طرح پیش کرتے ہیں

مریم از یک نسبتے عیسے عزیز
از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

نور چشمِ رحمۃ للعالمین
آں امامِ اولین و آخرین

با نوے آں تاجدارِ ہل اتی
مر تفضیٰ ہشکل کشا شیر خدا

مادر آں مرکز پرکار عشق

مادر آں قافلہ سالار عشق

کون خاتون قیامت! جس نے اپنی ردائے مبارک فروخت کر کے
سائل کا سوال پورا کر دیا۔

کون خاتون قیامت! جو چکی بھی پیس رہی ہو تیس اور تلاوت قرآن بھی
فرما رہی ہو تیس۔

کون خاتون قیامت! حوریں اور ملائکہ جس کے فرمان کے منتظر تھے مگر
اس نے اپنی رضا کو رضائے شوہر میں گم کر دیا تھا۔

کون خاتون قیامت! جو نماز پڑھتی تو آنکھوں سے اشک جاری ہو جاتے
کون خاتون قیامت! جس کے آنسوؤں کو جبریل موتیوں کی طرح چین کر
شبّہم کی طرح عرش بریں پر بکھیر دیتا تھا۔

بحر مہتابے دلش آں گو نہ سوخت

با یہودے چادرے خود را فروخت

نوری وہم آتشی فرماں برّش

گم رضائش در رضائے شوہرش

آں ادب پر وردہ صبر و رضا
آسیا گردانِ لب قرآن سرا

گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز
گو ہر افشا ندے بدا مان نماز

اشک او بر چید جبریل از زمین
بہجو شبنم ریخت بر عرش بریں

اس کے بعد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے پاؤں میں
قانون خداوندی کی زنجیر ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا
پاس ہے ورنہ میں سیدہ فاطمہ الزہرا خاتون قیامت کے مزار کا طواف کرتا اور
آپ کی قبر انور پر سجدے کرتا

رشتہ آئین حق زنجیر پا است
پاس فرمان جناب مصطفیٰ است

ورنہ گرد تربتش گر دیدے
سجدہ ہا بر خاک او پاشیدے
کون خاتون قیامت! جس کے نقش قدم پر چل کر ہی عورت عورت بن

سکتی ہے۔

کون خاتون قیامت! جس کے اسوۂ حسنہ کو مشعل راہ بنا کر ہی مسلمان عورتیں اپنا صحیح مقام حاصل کر سکتیں ہیں جس کی سیرت سے سبق حاصل کر کے ہی مسلمان مجاہد پیدا کر سکتی ہیں۔ اس لئے کے بیٹوں کی سیرت ماں کی سیرت سے بنتی ہے۔

☆ ماں بے پردہ ہو تو اولاد بے حیاء ہوتی ہے۔

☆ ماں کا کردار بلند ہو تو اولاد کا کردار بلند ہوتا ہے۔

☆ ماں عبادت گزار ہو تو بیٹے ولی پیدا ہوتے ہیں۔

☆ ماں سینما بین ہو تو بیٹے ایکٹر پیدا ہوتے ہیں۔

☆ ماں نیک ہو تو اولاد نیک پیدا کرتی ہے۔

☆ ماں فاطمہ ہو تو بیٹے حسن و حسین پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ

سیرت فرزند با ازا اُمہات

جو ہر صدق و صفا از اُمہات

مزرع تسلیم را حاصل بتول

مادران را اسوۂ کامل بتول

ہو شیر از دست برد روزگار
گیر فرزندان خود را در کنار

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوۂ زہرامبند

تا حسینے شاخ تو بار آورد
موسم پیشیں بگلزار آورد

اگر پندے ز درویشے پزیری
ہزار امت بمیرد تو نہ میری

بتولے باش پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیر بگیر

اسلام کی بیٹی جب تک شہزادی اسلام ملکہ سلطنت عفت و عصمت
سیدہ فاطمہ الزہرا خاتون قیامت کی حیات طیبہ و طاہرہ کو نشان منزل نہیں
بنائے گی منزل سے دور ہوتی جائیگی۔ عورتوں کی رہبر و رہنما ہے تو خاتون
قیامت، پیکر شرم و حیاء ہے تو خاتون قیامت، پیکر عفت و عصمت ہے تو

خاتون قیامت۔

کون خاتون قیامت! جوز ہر ابھی اور زہرا بھی،

☆ طیبہ بھی اور طاہرہ بھی۔

☆ نیرہ بھی اور منورہ بھی،

☆ منیرہ بھی ہے اور مطہرہ بھی،

☆ عتیقہ بھی اور صدیقہ بھی،

☆ عقیقہ بھی ہے اور منیقہ بھی۔

☆ عالمہ بھی ہے اور فاضلہ بھی۔

☆ عابدہ بھی ہے اور زابدہ بھی۔

☆ ساجدہ بھی ہے اور راکعہ بھی۔

☆ کاملہ بھی ہے اور اکملہ بھی۔

☆ عقیلہ بھی ہے اور عاقلہ بھی۔

☆ امینہ بھی ہے اور آمنہ بھی۔

☆ صابرہ بھی ہے اور شاکرہ بھی۔

☆ ناصرہ بھی ہے اور منصورہ بھی۔

☆ سعیدہ بھی ہے اور صادقہ بھی۔

☆ راحمہ بھی ہے اور راشدہ بھی۔

ہاں ہاں وہی خاتون قیامت! جو معصومہ بھی ہے اور مخدومہ بھی۔

☆ جو صائمہ بھی ہے اور عاصمہ بھی۔

☆ شفیقہ بھی ہے اور مشفقہ بھی۔

☆ عظیمہ بھی ہے اور اعظمہ بھی۔

☆ محسنہ بھی ہے اور اکرمہ بھی۔

☆ محترمہ بھی ہے اور مکرمہ بھی۔

☆ عالمہ بھی ہے اور معلمہ بھی۔

راضیہ بھی ہے اور مرضیہ بھی۔ ہاشمہ بھی ہے اور قرشیہ بھی۔

وسیلہ بھی ہے اور کفیلہ بھی۔ ناصحہ بھی ہے اور قاسمہ بھی۔

کون خاتون قیامت! جس کی تعزیف کا حق نہ ادا کر سکا ہے اور نہ ہی قیامت تک کوئی ادا کر سکتا ہے

رنگ بہار باغ رسالت ہیں فاطمہ

سرچشمہ ریاض ولایت ہیں فاطمہ

امید گاہ حشر و قیامت ہیں فاطمہ

دنیا میں وجہ آیت رحمت ہیں فاطمہ

روح روان پنچتن وجان مصطفیٰ

آل عماکی دوسری آیت ہیں فاطمہ

معصومیت پہ جن کی ہے حور و ملک کو ناز
نقد و متاع عہد نبوت ہیں فاطمہ

پہلا پھول کھلتا ہے

اس شہزادی ملک عفت و عصمت سیدہ فاطمہ الزہرا کے گلشن تطہیر
میں پہلا پھول کھلتا ہے۔ رمضان المبارک کی پندرہ تاریخ اور ہجرت کا تیسرا
سال ہے۔

جبریل علیہ السلام دربار رسالت میں حاضر ہوئے سلام عرض کیا خدا
وند قدوس کی طرف سے مبارکباد پیش کی اور ایک ریشمی کپڑے کا منقش ٹکڑا
آپ کے سامنے پیش کیا۔

جنت کے اس کپڑے پر ایک تصویر تھی نہایت خوبصورت بچے کی
تصویر ایسی پیاری تصویر جیسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کی
اپنی تصویر ہو آپ تصویر دیکھنے میں محو تھے آ اور جبریل عرض کر رہے تھے جن کی
تصویر ہے وہ بنت رسول کی گود میں تشریف لا چکے ہیں گلستانِ زہرا میں پہلا
گل قدس کھل چکا ہے۔

خداوند قدوس نے ان کا نام بھی تجویز فرما دیا ہے۔ حضرت ہارون
کے بیٹے کے نام پر ان کے بیٹوں کے نام شبر و شبیر تھے ان کا نام شبر ہے اس
کے معنی حسن بھی ہوتے ہیں تاجدارِ دو عالم نے بشارت سنی تو آپ بے حد

خوش ہوئے آپ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ روح کائنات مسکرائی تو کائنات وجد میں آ گئی۔ کونین میں مسرت کی لہر دوڑ گئی جنت میں خوشیوں کے چشمے ابلنے لگے۔

حوریں ایک دوسری کو مبارکباد دیئے لگیں۔

تمام عام کیف و سرور ڈوب گیا۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے مدینہ منورہ کی گلی گلی جگمگا اٹھی ہو کوچہ کوچہ تبسم ریز ہو گیا ہو اور ہر مکان مسکرا رہا ہو۔

اسی عالم وجد و کیف میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کے گھر تشریف لے گئے جا کے دیکھا تو حجرہ بتول میں ایک ننھا سا چاند طلوع ہو چکا ہے امام الانبیاء کی اپنی تصویر وہی نقش و نگار، وہی ناک نقشہ، وہی مطلع الفجر پیشانی، وہی والضحیٰ رخسار، وہی مازاغ زگس آنکھیں وہی حسن و رعنائی وہی نور و نگہت وہی نزہت و لطافت۔ جناب آمنہ ہوتیں تو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کا وقت یاد آ جاتا۔

چاند کی گود میں چاند

آمنہ کے چاند نے فاطمہ کے چاند کو گود میں اٹھا لیا۔ دونوں چاند مسکرا رہے تھے دونوں کی نگاہیں ملی ہوئی تھیں۔ فاطمہ کا چاند بار بار منہ کھول رہا ہے جیسے نانا جان سے کچھ مانگ رہا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن نواسہ کے منہ میں ڈال دیا۔ نواسہ خوش ہو گیا جیسے نعمت کو نین مل گئی ہو امام الانبیاء نے نواسہ کے کان میں اذان و تکبیر کی آواز پہنچائی۔ حسن نام تجویز فرمایا اور بیٹی کو گود میں دے دیا اور سات روز بعد عقیقہ کیا ختنہ کیا سر کے بال اترائے اور ان کے ساتھ چاندی وزن کر کے خیرات کر دی۔

امام حسن علیہ السلام کی زندگی کے حالات سے آگاہ ہی کے لئے ہمارے زیر ترتیب کتاب الحسن المعروف شہید زہر کا مطالعہ کریں۔

دوسرا پھول کھلتا ہے

صبح کا وقت ہے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرمائیں۔

حضرت امام الفضل زوجہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم نہایت پریشانی کے عالم میں دربار رسالت میں آتی ہیں آپ نے پریشانی کا سبب پوچھا۔

فقالت! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا رسول اللہ انی رايت حلما المنكر الملة عرض کیا یا رسول اللہ میں نے رات کو بڑا پریشان کن خواب دیکھا ہے۔

قال! ماہو؟ آپ نے فرمایا چچی جان بیان کرو قلت انہ شدیداً

عرض کیا حضور بڑا شدید خواب ہے قال! ماہو؟ فرمایا بیان تو کرو۔

قالت رأيت كان قطعة من جسدك قطعت
ووضعت في حجرى۔

عرض کیا! میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم کا کاٹ کر ایک ٹکڑا علیحدہ
کیا گیا ہے اور پھر وہ ٹکڑا میری جھولی میں آ گیا۔

فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم
رأيت خيرا تلد فاطمه انشاء الله غلاما يكون
فى حجرى۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چچی جان آپ نے بہت
اچھا خواب دیکھا انشاء اللہ تعالیٰ میری بیٹی فاطمہ کے گھر لڑکا پیدا ہوگا اور تو
اسے گود میں اٹھائے گا۔

فولدت فاطمة الحسين۔

اور پھر شہزادی مصطفیٰ کی گود میں ۵ شعبان المعظم ہجری کے چوتھے
سال حسین آ گئے۔

مملکت شہادت کا تاجدار اور گلستان فاطمہ کا دوسرا پھول تاجدار
مدینہ کے جسم کا ٹکڑا نانا جان نے شبیر اور حسین نام تجویز فرمایا۔ کان میں تکبیر و
اذان کہی۔ حسین کے منہ میں اپنا مبارک لعاب دہن ڈالا۔ ساتویں دن عقیقہ
اور ختنہ کیا سر کے بال اتروا کر چاندی وزن کی اور صدقہ دیدی۔

سیدہ فاطمہ الزہرا کے گھر میں دو چاند طلوع ہو چکے ہیں گلشن علی میں

دو پھول کھل چکے ہیں چشمہ نبوت سے جاری ہونے والے دو دریاؤں کے دو
درخشندہ موتی۔

سیرت حسین کا خاکہ

سلطنت روحانیت کے شہریار امام حسین کی سیرت طیبہ کو اگر تفصیل
سے بیان کیا جائے تو ہزاروں صفحات بھی کم ہیں اور اگر اجمالی طور پر چند
جملوں میں بیان کرنا ہو تو یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

کہ حسین اپنے نانا کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔

حسن و جمال مصطفائی کا روشن آئینہ تھے۔

سیرت مصطفیٰ کا مظہر اتم تھے۔

آپ کا خلق خلق رسول تھا۔

آپ کی سیرت سیرت رسول تھی۔

آپ کا کردار کردار رسول تھا۔

آپ کا چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا رہنا سہنا سب کا سب سید

المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عکس جمیل اور پر تو تامہ تھا آپ گفتگو فرماتے تو

یوں معلوم ہوتا امام الانبیاء کی آواز آرہی ہے۔ آپ حجرہ بتول سے باہر آتے

تو ایسا لگتا جیسے فاران کی چوٹیوں سے آمنہ کا چاند طلوع ہو رہا ہے۔

آپ وہ آئینہ نور تھے جس میں جمال مصطفائی کا مکمل مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

☆ گفتار میں وہی حلاوت وہی شیرینی۔

☆ کردار میں وہی پختگی وہی انوار۔

☆ چہرے پر وہی نور اور وہی تقدس۔

☆ رفتار میں وہی عظمت اور وہی وقار۔

☆ سینے میں وہی خلوص کا موجزن بحر بیکنار۔

☆ دل میں وہی جذبہ رحم و سخاوت۔

☆ آنکھوں میں وہی سرمہ ماز باغ کی چمک۔

☆ رخساروں پر وہی تجلیات و انضامی۔

زلفوں میں وہی واللیل کی سیاہی مانگ میں وہی والانجم کی تابانی۔

الغرض شہزادہ کو نین امام حسین علیہ السلام صورت بھی نقشہ سید

الشفیقین تھے اور سیرت میں بھی آپ ہی کا جلوہ عین بعین تھے۔

اتباع رسول کا پیکر دیکھنا ہو تو امام حسین کو دیکھ لو۔

سنت مصطفیٰ کا پیکر دیکھنا ہو تو حسین کو دیکھ لو۔

آپ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو دو عطاء اور خیر و سخا

کے منبع تھے یہ ناممکن بات ہے کہ سائل حسین علیہ السلام کے دروازے پر خالی

چلائے جائیں آپ کے خطبات و ارشاد میں وہ اثر آفرینی تھی کے سامعین

کے دل بل جاتے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ حسین علیہ السلام تلاوت فرماتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے کتاب مقدس کا نزول ہو رہا ہو آپ کے جود و سخا، کرم و عطاء عبادت و ریاضت اور علم و حلم کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیں

سائل نوازی

آپ کے دربار میں ایک سائل حاضر ہوا آپ کے پاس پانچ تولے اشرفیاں تھیں آپ نے ساری اشرفیاں اسے دے دیں۔

شاعر نوازی

آپ کی خدمت میں ایک شاعر نے دو شعر لکھ کر بھیجے۔ چند لمحوں بعد اس نے دو شعر اور لکھ کر بھیج دیئے جن میں اہل بیت کی سخاوت اور اپنی پریشانی کا ظہار کیا گیا تھا۔

آپ نے دس ہزار درہم عطاء کر کے فرمایا کہ اگر تم جلدی نہ کرتے تو ہم اور بھی عطاء کرتے۔

گلدستہ کی قیمت

آپ کی ایک کنیز نے آپ کو گل ریحان کا گلدستہ کے عوض میں کنیز کو آزاد فرما دیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا امام آپ نے ایک گلدستہ کے عوض میں کنیز کو آزاد فرما دیا ہے۔

آپ نے فرمادیا ہاں! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اذا حیتہم بتحیۃ فحیروا با حسن منہا
جو تمہیں دعا دے تم بھی اسے اچھی دعا دو

غلطی کا بدلہ

امام عالی مقام مہمانوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے غلام کے ہاتھ سے گرم شوربے کا پیلہ گرا اور آپ کے سر پر ٹوٹ گیا آپ نے تادیبا غلام کو دیکھا تو اس نے پڑھ دیا۔

والکالمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ
یحبّ الحسینین۔

آپ نے فرمایا ہم نے تمہاری غلطی بھی معاف کر دی اور تمہیں آزاد بھی کر دیا اور تمہارے اخراجات بھی ہمارے ذمہ ہیں۔

خلقہ القرآن

آپ چار صد صحابہ کے جلو میں تشریف لئے جارہے ہیں ایک اعرابی نے پوچھا آپ ابو طالب کے پوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں تو اس نے حضرت علی کی شان میں نازیبا کلمات کہے صحابہ کرام نے کہا کہ اس کی زبان بند کر دیں لیکن امام عالی مقام نے انہیں روک دیا۔

حسن عبادت

امام زین العابدین سے کسی نے پوچھا! آپ کے والد کی اولاد

کیوں قلیل ہے آپ نے فرمایا جتنی ہے اسے غنیمت سمجھو۔ میرے والد گرامی کو دنیا کی طرف رغبت ہی کب ملتی اور وہ تین ہزار نفل ہر دن رات فرماتے تھے۔

لاجوابی کا انعام

ایک شخص نے امام کی خدمت میں عرض کیا میں نے رسول کریم سے سنا ہے کہ عربی شریف حامل قرآن خوبصورت اور کریم مولیٰ کے سامنے اپنی حاجت بیان کرو۔ آپ میں یہ تمام صفات موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنی حاجت بیان کرو۔ اس نے زمین پر تحریر کر دیا۔ آپ نے فرمایا تم ذہین آدمی ہو۔ میرے تین سوال ہیں۔ اگر ایک کا جواب دو گے میرے پاس یہ تھیلی ہے اس میں تیسرا حصہ تمہارا دو کا جواب دو گے تو دو حصے، تینوں کا جواب دو گے تو ساری تھیلی تمہاری اس نے دو سوالوں کا جواب دے دیا تو آپ نے تیسرا سوال کا یہ کیا کہ انسان کو کون سی چیز آراستہ کرتی ہے اس نے کہا علم بشرطیکہ بردباری کے ساتھ ہو فرمایا اگر یہ نکل جائے؟

اعرابی نے کہا مال جس کے ساتھ کرم ہو آپ نے فرمایا اگر یہ بھی نکل جائے تو اعرابی نے بے بسی کے ساتھ جھنجھلا کر کہا کہ پھر اسے بجلی جلا دے آپ نے اس کی بے بسی دیکھی تو ہنس پڑے اور پوری تھیلی اس کو عطا کر دی۔

فضائل حسنین

مقام حسین

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس شہزادوں کی فضیلت کون بیان کر سکتا ہے۔ کتبِ تفاسیر و احادیث کو دیکھتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے دنیا و جہان کی تمام فضیلتیں جمع کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان دونوں کو عطا فرمادی ہوں۔

بلا مبالغہ جمالِ کبریائی کا مشاہدہ کرنا ہو تو آئینہ جمالِ مصطفیٰ میں کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر جمالِ مصطفیٰ کا نظارہ کرنا ہو تو آئینہ حسنِ حسنین کریمین میں کیا جا سکتا ہے۔

حسنین تا جدارِ مدینہ کا عکس

خدا تعالیٰ کا عکس جمیل اور پرتو کامل تا جدارِ مدینہ ہیں۔ اور تا جدارِ مدینہ کا عکس منور اور پرتو حسین جناب حسن اور جناب حسین ہیں۔

حضور کا مظہر حسنین

ذات و صفاتِ خداوندی کے مظہر اتم حضور ہیں اور حضور کے مظہر اتم حسنین ہیں۔ ظہورِ ربوبیت خدا کی علت غائیہ جناب آمنہ کے لال ہیں۔ اور

ظہور مصطفائی کا سبب خاص جناب فاطمہ کے لال ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے معبود
یکتا ہونے کی شہادت مکہ کی گلیوں میں پتھر کھا کر نانہانے دی اور اس شہادت
کی شہادت گلے پر خنجر پھرا کر اپنی شہادت سے نوا سے نے کر بلا میں دی۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پتھروں کی بارش میں سجدے
کئے۔ حسین نے تیروں اور تلواروں کی بارش میں اس فرض کو ادا کیا۔ حضور صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم ظل خدا ہیں اور حسین کریمین ظل مصطفیٰ ہیں۔

علیٰ حضرت بریلوی فرماتے ہیں!

معدوم نہ تھا سایہ شاہِ ثقلین

اس نور کی جلوہ گاہ تھی ذاتِ حسین

تمثیل نے اس سایہ کے دو حصہ کئے

آدھے سے حسن بنے آدھے سے حسین

یہ حقیقت ہے

اور یہ شخص تمثیل کی بات نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شہزادے اپنے نانہا کی مکمل ترین تصویر تھے۔

احادیث میں آتا ہے کہ حضرت حسن علیہ السلام سر اقدس سے سینہ
مبارک تک اور حضرت حسین سینہ مبارک سے پاؤں تک سرکارِ دو عالم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی مکمل تشبیہ تھے۔

عن علی قال الحسن اشبه رسول الله صلى
الله عليه وآله وسلم ما بين الصدر الى
الراس والحسين اشبه النبي صلى الله عليه
وآله وسلم ما كان اسفل من ذالك

ظاہر اور باطن میں مکمل تصویر

سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں شہزادے جس طرح
ظاہر میں آپ کی شباهت منورہ کی مکمل ترین تصویر تھے اسی طرح باطن میں بھی
کامل و مکمل اور پورا پورا نقشہ تھے۔ جس طرح یہ دونوں صورتِ حضور کی یاد تازہ
کردیتے تھے اسی طرح معنا بھی آپ ہی کے فرائض کی تکمیل کرتے تھے۔

حضور کے لئے شہادت کا عظیم مرتبہ

شہادت ایک عظیم مرتبہ اور منصب جلیلہ تھا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کیلئے ضروری تھا کہ اس منصب جلیلہ پر فائز ہوتے۔
کیوں ضروری تھا؟ اس لئے کہ جس قدر بھی انبیاء کرام آپ سے
پہلے تشریف لائے۔

ان تمام کو جو جو بھی فضیلت عطاء ہوئی جو جو بھی مقام حاصل ہوا وہ
امام الانبیاء ہی کے صدقہ سے ملا۔

آپ امام الانبیاء ہیں مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کرام نے آپ کی

اقتداء میں نماز پڑھی امام وہی ہو سکتا ہے۔ جو اپنے مقتدیوں سے فضائل و کمالات میں افضل ہو۔ فرداً فرداً جو خوبی جو فضیلت اور جو کمال کسی نبی کو ملا وہ ضروری تھا کہ امام الانبیاء کو حاصل ہوتا ہے۔

سری اور جہری شہادت

شہادت ایک خاص فضیلت اور عظیم مرتبہ تھا متعدد انبیاء کرام سے سرفراز ہو چکے تھے۔ بعض کو شہادت باطن نصیب ہوئی امام الانبیاء کو ان دونوں مرتبوں کو کرنا تھا۔ مگر یہ دونوں شہادتیں ایک جگہ کیسے آ سکتی تھیں شہادت ظاہر نصیب ہوتی تو چھپ کیسے سکتی باطنی شہادت ملتی تو ظاہر کیسے ہوتی۔ ظاہر و باطن ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ہیں اور اجتماع ضدین محال ہے یہاں ایک اور بحث چھڑنے کا امکان ہے۔ لیکن ہمیں بحث سے اجتناب کرنا ہے۔

هو الظاهر هو الباطن

اپنے اثرات کے اعتبار سے ہے۔ یہاں سے بھی ظہور و بطون کا مقصد و منشاء اور مرکز و محور ایک ہی ہے۔ یہ دونوں دریا ایک ہی سمندر میں گریں گے ہر ظاہر کا ایک ہی باطن اور ہر باطن کا ایک ظاہر ہونا ہے۔ لیکن ظاہر کو ظاہر باطن کو باطن کہے بغیر بات بن نہیں سکتی۔ یہ دو شہادتیں تھیں۔ کچھ انبیاء کرام کو جمع عام میں شہید کر دیا گیا تھا اور کچھ کو پوشیدہ طور پر شہید کر دیا گیا

ان کی شہادت کے حالات تک بھی ہمیں نہیں ملتے۔ البتہ ان کے شہید ہونے کی گواہیاں قرآن مجید میں موجود ہیں ان کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتے ہیں

يَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ الْحَقِّ

حضور کو دو شہادتیں ملیں

چھپی ہوئی اور پوشیدہ شہادت امام حسن کو مل گئی ایسی پر اسرار اور پوشیدہ کہ ان کے قاتل کا آج تک فیصلہ نہیں ہو سکا۔ ظاہر کی شہادت امام حسین کو مل گئی ایسی ظاہر کہ ہمیں تاریخ بتاتی ہے۔ کہ ان کے جسم نازنین پر تلواروں کے کتنے زخم تھے۔ کتنے گھاؤ تھے اور تیروں کی کتنی انیاں پیوست تھیں۔ ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ ان پر تیروں کی بارش کس کس نے کی اور ان پر تلوار کس کس نے چلائی۔ وہ شہید کس کے نیزے اور تلوار سے ہوئے اور ان کی مقدس گردن کو جسد اطہر سے کس نے علیحدہ کیا یہی نہیں بلکہ امام حسین کی اس ظاہر اور جبری شہادت کا پر تو ان کے ساتھیوں پر بھی پورے طور پر پڑا تھا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان کا کون کون سا ساتھی کس طرح شہید ہوا، اور انہیں کس کس نے شہید کیا۔

کمال ظہور شہادت

شہادت امام حسین علیہ السلام کو کمال ظہور شہادت کہا جاسکتا ہے اور شہادت امام حسن علیہ السلام کو کمال بطون شہادت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اور یہ

دونوں شہادتیں نو اسوں کی طرف سے ہو کر نانا کے مناصب عظمیٰ کی تکمیل کر گئیں۔ اب امام الانبیاء کی وہ تمام فضیلتیں ظہور میں آ گئیں جو دوسرے تمام انبیاء کو فرواً فرداً عطا فرمائی گئی تھیں۔ حضرات حسنین کریمین کی شہادتیں دراصل امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنین کریمین کو اپنے بیٹے فرمایا کرتے تھے۔

سرکار نے اعزازات دے دیے

فقال هذا ابنای وابنا ابنتی

فرمایا یہ میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔

ایک دوسری جگہ امام حسین علیہ السلام کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ یہ میرا بیٹا شہید ہوگا۔

فرمایا حسن و حسین میرے بیٹے ہیں ان سے محبت کرو۔ ان سے محبت کرنا مجھ سے محبت کرنا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ آپ امام حسین کو فرماتے ہیں۔ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے۔

عن یعلیٰ بن مرة قال قال رسول الله صلی

الله علیہ وآلہ وسلم حسین منی وانا من

حسین۔ احب الله معاً من احب حسیناً۔

شہادت حسین میں نقص تلاش کرنا درحقیقت شہادت مصطفیٰ میں خامیاں نکالنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ یزیدیوں نے حسین سے نہیں بلکہ مصطفیٰ سے جنگ لڑی تھی۔ حسین پر چلنے والی تلواریں رسول خدا پر چل رہی تھیں۔ یزید نے حسین کے نہیں امام الانبیاء کے ہاتھوں کو اپنے ناپاک ہاتھوں میں لینا چاہا تھا۔ رسول خدا کو قتل کر دینے کا حکم نامہ جاری کیا تھا۔ ابن زیاد کو گرفتاری مصطفیٰ کا پروانہ جاری کیا تھا۔ شمر کی تلوار گردن مصطفیٰ پر چلی تھی۔ حسین سے جنگ کرنا حقیقت میں مصطفیٰ سے جنگ کرنا تھا اور مصطفیٰ سے لڑائی کرنا خدا سے لڑنا تھا۔

یہ فرا میں رسول ہیں

یہ کسی داستان گو کا تصور اور کسی افسانہ نگار کا تخیل نہیں بلکہ یہ امام الانبیاء کا فرمان ہے۔ جس نے میرے شہزادوں سے محبت کی اس نے ہم سے محبت کی۔

جس نے ان سے بغض رکھا اس نے ہم سے بغض رکھا۔

جس نے ان سے لڑائی کی اس نے ہم سے لڑائی کی،

جس نے ان سے صلح رکھی اس نے ہمارے ساتھ صلح رکھی۔

جس نے ان کو غضبناک کیا اس نے ہم کو غضبناک کیا۔

جس نے ہم کو غضبناک کیا اس نے خدا تعالیٰ کو غضبناک کیا اور جس

نے خدا تعالیٰ کو غضبناک کیا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من احبہما
فقد احبنی ومن ابغضہما فقد ابغضنی یعنی
حسننا وحسیننا فقال انا حارب
لمن حاربکم سلم لمن ساء لکم۔

عن سیلمان قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم یقول النحس و
الحسین ابنائی من احبہما احبنی ومن احبنی
احبہ اللہ ومن احبہ ادخلہ الجنة
ومن ابغضہما ابغضنی ومن ابغضنی ابغضہ
ومن ابغضہ ادخلہ النار۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا آپ اہل بیت میں سے
کس کے ساتھ زیادہ محبت کرتے ہیں۔ فرمایا الحسن والحسین۔

من احب الحسن والحسین فقد احبنی ومن
یغضبہما فقد ابغضنی۔

یہی نہیں کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا والوں کو ہی
فرمایا ہو کہ میرے نواسوں سے محبت کرو بلکہ آپ بارگاہ خداوندی میں بھی
عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما
اور ان سے بھی محبت کر جو ان سے محبت کرتے ہیں۔

اللہم انی احبہما و احب یحبہما،

یہ انتہائے محبت ہے اس کو الفاظ میں کہاں تک بیان کیا جاسکتا ہے اپنی جان سے کون پیار نہیں کرتا، حسنین کریمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کے ٹکڑے ہیں۔ صورۃً اور معنایاً آپ کی کامل تصویر ہیں، آپ کے چمن کی بہار ہیں۔ آپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔ چمن رسالت کے دو پھول ہیں اور گل نبوت کی روح پرور خوشبو ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسن و حسین میری دنیا کی زینت و آرائش ہیں۔

الحسن والحسين هما ريعا نى من الدنيا۔

فضیلت حسنین کریمین کا احاطہ و استغیاب ناممکن ہے۔ قیامت کے دن جب لوگوں کو زندہ کیا جائے گا تو سب نو جوانی کے عالم میں ہوں گے۔ جنت میں جو بھی جائے گا وہ عالم شباب ہوگا۔ تمام جنتی جوان ہو گئے اور حسن و حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے۔

کیوں نہ ہو۔ ان کی شہادت شہادتِ رسول ہے۔ رسول ہاشمی کو قرآن کریم میں یسین کے نام سے خطاب کیا گیا یعنی اے سیدائے سردار۔

سید کی بیٹی سیدہ ہے اور سیدہ کے بیٹے پہلے سید حسن و حسین ہیں جہی تو جنت کے جوانوں کی سرداری آپ کو ملی اور ان کی یہ سرداری دراصل امام الانبیاء کی سرداری ہے۔ اس لئے کہ ان کی شہادت کا کمال کمالات نبوت میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ جہی تو ان کی شہادت گمانِ نقص اور امکانِ زوال نہیں

ہے بے شک بند کیا مصطفیٰ بوہا نبوت دا
نبوت وچ شامل سی مگر منصب شہادت دا

تے فرضِ منصبی اپنے نوں صائم کر بلا اندر
پیا کر دا اے پورا لاڈلا خاتون جنت دا

دشمنِ حسین جنت میں نہیں جائے گا

جیسے حسین کے امام برحق ہونے میں شک ہو، اُمت کا سردار ہونے
میں تردد ہو وہ جنت میں کیسے جائے گا۔ کیونکہ جنت میں تو حسین کی سرداری
ہوگی، دشمنِ حسین کا وہاں کیا کام ہے۔ اور یہ فرمانِ رسول ہے!

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم الحسن والحسین سید
الشباب اهل الجنة۔

اور یہ بھی آپ جان ہی چکے ہوں گے کہ حسین سے بغض رکھنے
والا جہنم میں داخل کر دیا جائے گا چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

حُسن سے محبت کرو

حسین کی شہادت میں خامیاں تلاش کرنے کی بجائے حسین سے
محبت کرنا دیکھو، یہی راہِ نجات ہے محبتِ حسین ہی محبتِ رسول ہے اور محبت
رسول کے بغیر کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا۔

لَا يَوْمَ مِنْ أَحَدٍ كَمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ
وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔

معیار محبت یہی ہے کہ محبوب کی ہر ادا کے ساتھ پورے خلوص
ودیانت اور پوری ایمانداری سے محبت کی جائے۔ اس کے تمام افعال
واقوال کو پسند کیا جائے اور محبت کی نظر سے دیکھا جائے۔

اگر دنیا سے ایمان کی دولت لے کر جانا چاہتے ہو تو رسول معظم سے
محبت کرو۔ اس کی ہر ادا کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھو۔ اور اگر رسول معظم سے
محبت کرنا ہے تو شہید اعظم سے محبت کرو۔ اس کی ہر ادا کو پسندیدگی کی نظر سے
دیکھو۔ اس کی عظیم شہادت میں خامیاں نہ تلاش کرو۔ نادانوں! حسین کا
بغض تمہیں جہنم میں لے جائے گا۔

شہادت حسین میں عیب نہ ڈھونڈو

حسین کی شہادت میں کسی خامی اور نقص کا احتمال موجود ہی نہیں اس لئے کہ
شہادت حسین تو شہادت رسول ہے۔ اگر تم یہ جانتے ہوئے بھی اس میں
عیوب و نقائص تلاش کرتے ہو تو پھر تم میں اور عیسائی مورخوں میں کیا فرق
ہے۔ تم میں اور آریہ سماجی مناظروں میں کیا امتیاز ہے۔

ابھی وقت ہے تو بہ کے دروازے بند ہو جانے کے بعد کچھ نہیں ہو
سکے گا۔ دنیا نے تحقیق و فلسفہ کا دور حاضر کا امام اقبال شہادت حسین کو کس انداز
میں دیکھ رہا ہے۔

اسلام کے دامن میں بس اس کے سوا کیا ہے
 اک ضرب یدِ لکھی اک سجدہ شیری
 ﴿اقبال﴾

سجدہ شبیر کو نامہ تمام سمجھنے والو اگر روح اسلام کو اسلام سے نکال دو گے
 تو باقی کیا ہے جو تم صورت اسلام میں دنیا کے سامنے پیش کر سکو گے۔

نمازیں نفع نہ دیں گی

تمہارا اگمان ہے کہ لمبی لمبی نمازیں پڑھنے سے تمہیں جنت کا ٹکٹ مل جائیگا لیکن یہ غلط ہے۔ جب تک اس نماز کی عزت نہیں کرو گے جو تلواریں سائے میں ادا کی گئی تمہاری نمازیں تمہیں کچھ نفع نہیں دے سکیں گی۔ اگر حسین کے اس سجدے میں کمی ہے جو زیرِ خنجر ادا کیا گیا تھا تو تم سوچو کہ تمہارے بے کیف و بے حضور سجدوں میں کیا رکھا ہے۔ سجدہ تو وہی ہے جو حسین نے ادا کیا، نماز تو وہی تھی جو فاطمہ کے لال نے پڑھی۔

دیکھ! آئینہ تیغ میں اُسے حسن یار کی دید ہے
 جو نثار سجدے میں سر کرے وہ امام ہے شہید ہے

مقام سجدہ ریزی

سنو! بے ذوق سجدوں کے نشانوں سے جبینیں سیاہ کرنے والو یزید کے حواریو! مقام سجدہ ریزی کیا ہے۔

بغیر سر فروشی آدمی زندہ نہیں ہوتا
مذاق زندگی بے سردیے پیدا نہیں ہوتا

جو رسما ہم کرتے ہیں ممکن! وہ بھی سجدہ ہو
مگر بے سر کٹائے عشق کا سجدہ نہیں ہوتا
سجدوں کی اس لذت سے آشنائی چاہتے ہو تو حسین کا دامن تھامنا
پڑے گا۔

ذوق نماز کے تمنائی ہو تو بارگاہ شیری سے رابطہ قائم کرو، اللہ سے
درس حیات اور طریق سجدہ ریزی سیکھو۔

سر وہ سر ہے جو رب کی راہ پر جھک جائے
موقعہ نہ ہو جھکنے کا! مگر جھک جائے

جب قتل و نماز ایک ساتھ آ جائیں
تو تلوار اٹھنے سے پہلے سر جھک جائے

سجدہ حسینی پر لا کھوں سجدے قربان

حسین کے ایک سجدے پر اُمت کے لاکھوں سجدے قربان

☆ ہمارے سجدے بے سرور و بے حضور،۔

☆ حسین کے سجدوں میں حضوری کا نور۔

☆ ہمارے سجدوں میں نہ ذوق نہ کمال،۔

☆ حسین کے سجدے میں لذت وصال۔

☆ ہمارے سجدے بے دستور و بے آئین۔

☆ حسین کے سجدے میں الصلوٰۃ معراج المومنین۔

☆ ہمارے سجدوں میں وسوسہ کار و بار،۔

☆ حسین کے سجدے میں جلوہ حسن یار۔

ہسین تیرے سجدے کے سرخ نشانوں پر اُمت کی جینیں نثار،

ملائکہ کے سجدے قربان،

سجدے تو سب نے کئے تیرا نیا انداز ہے

تو نے وہ سجدہ کیا جس پر خدا کو ناز ہے

بہر حال بتانا یہ تھا کہ حسین نے زیرِ خنجر نماز ادا کر کے شہادت کی

عروسہ کو اور بھی نکھار دیا ہے اور دنیا والوں کو بتا دیا کہ!

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں

نماز عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

﴿حفظ﴾

حضور کی امام حسین سے محبت

جس طرف بھی نگاہ اٹھتی ہے امام عالی مقام کی عظمتیں اور فضیلتیں اپنے غبریں گیسو سنوارے نظر آتی ہیں۔

امام الانبیاء صحابہ کرام کو خطبہ دے رہے ہیں، پانچ چھ سال کی عمر کے دونوں شہزادے سرخ قمیضیں زیب تن کئے حجرہ فاطمہ سے نکل کر نانا جان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

راستہ کی ناہمواری کی وجہ سے ٹھوکر لگتی ہے اور گر پڑتے ہیں امام الانبیاء نے نواسوں کو گرتے دیکھا تو تڑپ گئے اور بیتاب ہو کر خطبہ پورا کئے بغیر منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

آگے بڑھ کر دونوں کو آغوش میں لے لیا اور گود میں بٹھا کر دوبارہ خطبہ شروع کرتے ہوئے فرمایا۔

سچ فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں۔ میری طرف ہی دیکھ لو، ان بچوں کو گرتے دیکھا تو مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور بات پوری کئے بغیر پہلے ان کو جا کر اٹھایا،

عن بریدۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یخطبنا اذا جاء الحسن والحسین وعلیہما قمیصان احمران ویعثران فنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

من المنبر وحملها ووضعها بين يديه ثم قال
صدق الله انما اموالكم واولادكم فتنه نظرت
الى

هذين الصبيين يمشيان وبع
ثان فلم اصبر حتى قطعت حديثي ورفعتهما
زیر خنجر سجدہ ادا فرمانے والے حسین ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر اس وقت سوار ہو گئے جب آپ مسجد نبوی میں
نماز پڑھا رہے تھے۔

آپ اس وقت تک سجدے میں پڑے رہے جب تک کہ حسین
پشت مبارک سے خود نہ اتر آئے پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو
صحابہ نے عرض کیا! یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔
کیا اب سجدوں کو طویل کرنے کا حکم آگیا ہے یا آپ پر اس وقت
وحی نازل ہو رہی تھی جو آپ نے اس قدر طویل سجدہ ادا فرمایا،
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ایسی کوئی وجہ نہیں تھی
بلکہ یہ وجہ تھی کہ میرا بیٹا میرے اوپر سوار ہو گیا تھا۔

مجھے اس میں کراہت نظر آئی کہ میں جلدی اٹھوں اور یہ گر جائے حتیٰ
کہ یہ اپنی مرضی سے اتر آیا۔

قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه
وآله وسلم في إحدى صلوات العشي الظهر

والعصرو هو حامل احد ابنيه الحسن
والحسين فتقدم رسول الله صلى الله عليه
وآله وسلم فوضعه عند قدمه اليمنى
فسجد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم
س سجدة اطال قال ابى فرفعت راسى من
بين الناس

فاذا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم
ساجد واذا الغلام راكب على ظهره فعدت
فسجدت فلما انصرف رسول الله صلى الله
عليه وآله وسلم قال يا رسول الله لقد سجدت
فى صلاتك هذه سجدة ما كنت تسجدها
افشئى امرت به او كان يوحى اليك قال كل
ذالك لم يكن ولكن ابنى
ار تحلق فكرهت ان اعجله حتى يقضى
حاجة،

﴿المستدرک﴾

اللہ اکبر!

یہ ہے مقام حسین، بارگاہ مصطفیٰ اور نگاہ رسول میں کروڑوں سلام
ہوں اس جگر گوشہ بتول پر جس کے لئے امام الانبیاء خطبہ چھوڑ کر منبر سے اتر
آتے ہیں۔

ار بوں درود ہوں اس حیدر کرار کے دلہند کو جو تاجدار انبیاء کی پشت

پر سوار ہو جائے۔ تو آپ اس وقت تک جدہ سے سر نہ اٹھائیں جب تک وہ
خود نہ اتر جائیں۔

خاصہ ربّ داور پہ لاکھوں سلام
نور عین پیمبر پہ لاکھوں سلام
تشنہ آب خنجر پہ لاکھوں سلام
مالک نہر کوثر پہ لاکھوں سلام
اس حسین ابن حیدر پہ لاکھوں سلام
اس شہید دلاور پہ لاکھوں سلام

جس کو جھولا فرشتے جھلاتے رہے
لوریاں دے کے نوری سلاتے رہے
جس کو کندھوں پہ آقا بٹھاتے رہے
جس پہ سفاک خنجر چلاتے رہے
اس شہیدوں کے افسر پہ لاکھوں سلام
اس حسین ابن حیدر پہ لاکھوں سلام

جو جوانانِ جنت کا سالار ہے
جس کا نانا دو عالم کا سردار ہے

جو سراپائے محبوب غفار ہے
جس کا سر دشت میں زیرِ تلوار ہے
اس صداقت کے پیکر پہ لاکھوں سلام
اس حسین ابن حیدر پہ لاکھوں سلام
﴿ضیا القادری﴾

عظمت امام حسین

☆ حسین گشنِ اسلام کی بہار ہے

☆ مملکتِ حق و صداقت کا تاجدار ہے

☆ صبر و رضا کی سلطنت کا شہریار ہے

☆ حسین مہرِ نبوت کا سوار ہے

☆ حسین روشنی کا مینار ہے

☆ حسین مطلعِ انوار ہے

☆ محمد عربی کے دل کا قرار ہے

☆ حجرہِ فاطمہ کی بہار ہے

☆ خالقِ کائنات کا عظیم شہکار ہے

☆ نوجوانانِ جنت کا سردار ہے

☆ شہیدانِ محبت کا قافلہ سالار ہے

☆ حسین عزم و یقین کی تلوار ہے

☆ حسین کا چہرہ مطلع انوار ہے

☆ حسین کا دیدار محمد عربی کا دیدار ہے

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حسین
جس نے اپنے خون سے زخموں کو دھویا وہ حسین

جو جواں بیٹے کی میت پہ نہ رویا وہ حسین
جس نے سب کچھ کھو کے، پھر بھی کچھ نہ کھویا وہ حسین

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا
خون نے جس کے دو عالم میں اُجا لا کر دیا

نطق جس کا زینت دین پیمبر وہ حسین
تھا جو شرح مصطفیٰ، تفسیر حیدر وہ حسین

لاکھ پر بھاری ہوئے جس کے بہتر ۷۲ وہ حسین
تھا مثال مرتضیٰ جس کا تہور وہ حسین

وہ جو خونی غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

آمنہ کا چاند اور فاطمہ کا چاند

صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ چودہویں کا چاند پوری آب و تاب سے
آسمان پر چمک رہا تھا اور مدینہ کا چاند مسجد نبوی شریف کے کھلے صحن میں
محو استراحت تھا۔

ہم کبھی آسمان کے چاند کو دیکھتے اور کبھی زمین کے چاند کو۔ ہماری
نگاہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ آمنہ کے چاند کے چہرہ انور کی تجلیات کے
سامنے آسمان کے چاند کا حسن پھیکا اور ماند ہے۔

یہ آمنہ کے چاند کی بات تھی، فاطمہ کا چاند اس چاند کا مظہر اتم اور عکس
جمیل تھا۔

نانا کے حسن کی تجلیات کا نوا اسے کے رخ انور سے پورا پورا ظہور ہوتا
تھا۔

معتبر روایات میں آتا ہے کہ جب حسین علیہ السلام اندھیرے
میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کی پیشانی اور نورانی عارضوں سے روشنی کی
کرنیں پھوٹ پھوٹ کر قرب و جوار کو منور اور درخشاں کر دیتیں امام حسین
علیہ السلام کو ایک خود غرض سیاسی انسان بنا کر پیش کرنے والو غور تو کرو حسین

کون ہیں اور کس کا نور ہیں۔

شہزادوں کی کشتی

گلستان زہرہ ننھے ننھے پھول آپس میں کشتی لڑتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی کے پاس بیٹھے ہوئے یہ کشتی دیکھ رہے ہیں۔ اور پھر آپ نے جناب حسن کو فرمایا حسن! حسین کو پکڑ لو سیدہ نے حیران ہو کر عرض کی ابا جان! آپ بڑے کو فرما رہے ہیں کہ چھوٹے کو پکڑ لے تو آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ ہاں بیٹی! دوسری طرف جبریل حسین کو کہہ رہے ہیں کہ حسن کو پکڑ لو۔

﴿نزہۃ المجالس ج دوم صفحہ ۲۲۲﴾

﴿شواہد النبوت صفحہ ۳۰۴﴾

اللہ اکبر! یہ مقام ہے بنت رسول جناب خاتون قیامت سلام اللہ علیہا کے شہزادوں کا جن کو کھیلتے دیکھ کر ذات خداوندی کو ذوق آجائے اور جبریل کو بھیج کر کشتی لڑائے۔

یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کو پیار کرتا ہے مگر جو پیار جو محبت اور جو عشق سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے نواسوں سے ہے اس کی مثال پیش ہی نہیں کی جاسکتی، مثال آئے گی کہاں سے۔

نانا بھی بے مثال ہیں اور نانا کی محبت بھی بے مثال ہے۔

نوا سے بھی بے مثال ہیں اور نوا سوں کی شہادت بھی بے مثال ہے
آپ کو معلوم تھا کہ میرا یہ حسین ایک دن میرے دم توڑتے ہوئے دین کو
زندگی دینے والا ہے۔

پیغام خدا آگیا

ایک دن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی صاحبزادی عالی وقار
کے گھر میں تشریف فرما ہیں۔ جناب حسین علیہ السلام کو دائیں طرف آغوش
میں لے رکھا ہے اور اپنے بیٹے جناب ابراہیم کو بائیں طرف بٹھا رکھا ہے
عجیب کیف پرور سماں ہے آسمان آغوش رسالت پر بیک وقت دو چاند طلوع
ہیں۔ ایک اپنا بیٹا ہے اور ایک بیٹی کا بیٹا ہے۔ دونوں کی محبت کا سمندر سینے
میں موجزن ہے۔

دونوں ہی گلشن نبوت کی بہار ہیں دونوں ہی چمن رسالت کے
مہکتے ہوئے پھول ہیں۔ آغوش رسول میں خوشی اور مسرت کا دوہرا جہان
آباد ہے جان کائنات کی مسرت دیکھ کر تمام کائنات خوشیوں سے لبریز ہے
روح عالم کی خوشی نے دونوں جہان میں کیف و سرور کی رنگینیاں بھر دیں ہیں
آپ کبھی حسین کو سینے سے لگاتے اور کبھی ابراہیم کو پیار کرتے ہیں۔

اسی عالم وجد و کیف میں جبریل حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کرتے
ہیں آپ نے وعلیکم السلام فرما کر آنے کا سبب پوچھا جبریل نے نگاہیں

جھکالیں اور غزدہ ہو کر عرض کی! کہ خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جھکتے کیوں ہو! کہو میرے رب نے کیا حکم بھیجا ہے؟ جبریل حضور آپ نے دو شہزادوں کو آغوش مبارک میں لے رکھا ہے۔

امام الانبیاء، ہاں کہو کیا بات ہے؟

جبریل خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ ان میں سے ایک آپ کے پاس رہے گا اور ایک کو واپس بلا لیا جائے گا۔

امام الانبیاء! ہم خدا کی رضا پر راضی ہیں کہو میرے رب جلیل نے کس کو واپس مانگا ہے۔

جبریل۔ یہ معاملہ جناب کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے آپ جسے چاہیں رکھ سکتے ہیں اور جسے چاہیں واپس کر سکتے ہیں۔

پیغمبر راضی برضا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ہر حکم اپنی خواہش پر مقدم رکھنا ہوتا ہے یہ بھی کیا کم ہے کہ جسے چاہو رکھ لو جسے چاہو واپس کر دو۔

﴿شواہد النبوة ۳۰۵﴾

بیٹے کی قربانی دے دی

آپ نے خیال فرمایا۔ حسین کو واپس کرتا ہوں تو اس کا صدمہ میری فاطمہ کو بھی ہوگا، علی کو بھی اور میری جان سوزی بھی ہوگی۔ ابراہیم کو واپس کرتا ہوں تو زیادہ الم میری جان پر ہی ٹوٹے گا۔ اور پھر دربار خداوندی میں پیغام

بھیج دیا کہ میں حسین کو موت کے حوالے کر کے اپنی بیٹی کا غم نہیں دیکھ سکتا اور ابراہیم کو بارگاہ ایزدی میں واپس کرتا ہوں۔

اور پھر تین روز بعد جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ کا وصال مبارک ہو گیا۔

انا لله وانا اليه راجعون

اس کے بعد جب بھی امام حسین علیہ السلام نانا کے پاس آتے مرجبا اے میری بیٹی کے بیٹے! پھر آپ کی پیشانی کو چوم کر لوگوں کو مخاطب کر کے کہ میں نے اس پر اپنے بیٹے کو قربان کر دیا ہے۔

امام حسین کے اعزازات

تمام انبیاء و رسول جس مقدس رسول کے پائے اقدس کو بوسہ دینا اپنے لئے باعث عزت و افتخار سمجھتے ہیں اور جبریل جن کے تلووں پر اپنے کا فوری لبوں کو ملنا وجہ فخر و مباہات جانتا ہے۔

وہ مقدس رسول اور تمام انبیاء کا تاجدار حسین علیہ السلام کو اپنے مقدس شانوں پر سوار کراتا ہے۔

سواری اچھی سوار اچھا

ایک روز حسب معمول سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شہزادے کو کاندھے پر سوار کئے ہوئے باہر تشریف لائے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حسین کتنے خوش نصیب ہیں جنہیں اتنی اچھی

سواری مل گئی۔

امام الانبیاء نے خوش ہو کر مسکراتے ہوئے فرمایا! سوار بھی تو بہت

اچھا ہے۔

نعم الجمل جملکما ونعم العدان

حقیقت یہ ہے کہ مقام حسین کا اگر کوئی تعین تو وہ یا تو خداوند بزرگ و

برتر کی ذات اقدس ہے یا حسین کے نانا کی ذات مقدس

خوش خطی کا مقابلہ!

دنیا کا کون سا ایسا بچہ ہے جس کے مشاغل میں اس طرح دلچسپی لیتی

ہو

جناب حسنین کریمین تختیاں جناب سیدہ کے حضور میں فیصلے کیلئے

پیش کرتے ہیں آپ نے فرمایا اپنے ابا جان کے پاس لے جاؤ شہزادے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خدمت میں عرض کرتے ہیں ابا جان! فیصلہ

فرما دیجئے کس کا خط اچھا ہے۔

باب العلم نے کہا یہ بڑا مشکل کام ہے اپنے نانا جان کے حضور لے

جاؤ شہزادے نانا جان کے حضور میں آگئے اور عرض کیا نانا جان، میں بتا دیجئے

کس کا خط اچھا ہے۔ نہ امی جان نے فیصلہ فرمایا ہے اور نہ ہی ابا جان کچھ

فرماتے ہیں۔

دنیا بھر کے فیصلے کرنے والے امام الانبیاء سوچ میں پڑ گئے دل میں خیال آیا اگر حسین کا خط اچھا کہا گیا تو حسن کو ملال ہوگا اور اگر حسن کو زیادہ نمبر دیئے تو حسین پریشان ہوگا اور ہمیں تو کسی کی پریشانی بھی گوارا نہیں ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوچ ہی رہے تھے کہ جبریل حاضر ہو گئے سلام کہا اور عرض کیا حضور ان کا فیصلہ ان کا فیصلہ خدا تعالیٰ فرمائیں گے میں بحکم ایزدی سات موتی لایا ہوں۔ جس کی تختی پر چار موتی گریں گے اس کا خط اچھا قرار پائے گا پھر جبریل نے وہ ساتوں موتی تختیوں پر ہاتھ اونچا کر کے چھوڑ دیئے۔

تین تین موتی دونوں تختیوں پر آ گئے ساتواں موتی راستے ہی میں ٹوٹ کر آدھا ایک تختی پر اور آدھا دوسری تختی پر آ گیا۔ یہ ہے مقام حسین دربارِ خداوندی میں اور نگاہِ رسول میں

﴿نزہۃ المجالس جلد دوم ص ۲۳۳﴾

عید کیلئے کپڑے جنت سے آگئے

رمضان المبارک کی انتیس تاریخ ہے امام حسن کی عمر مبارک پانچ سال اور جناب حسین علیہ السلام کی عمر مبارک چار سال دو ماہ کی ہے۔ جناب فاطمہ چکی پیس کر فارغ ہوتی ہیں آپ نے جائے نماز بچھایا تو حضرات حسنین کریمین اوپر لیٹ گئے۔

جناب سیدہ نے اٹھنے کو کہا شہزادے چل گئے اور یوں کہنے لگے امی جان صبح عید ہو جائے گی عید کے روز لوگوں کے بچے نئے کپڑے پہنیں گے ہمیں بھی نئے کپڑے منگوا کر دیں۔

سلطنت صبر و رضا کی ملکہ معظمہ اور مملکت فقر کی شہزادی سیدہ فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کا دل ہل گیا آپ نے بچوں کو سینے سے لگا کر فرمایا میرے چاند مجھے نماز تو پڑھنے دو کل تمہیں نئے کپڑے منگوا دوں گی۔ امی! کل تو عید ہے کپڑے اگر کل آئے تو سلیں گے کیسے؟

آپ نے فرمایا! فکر نہ کرو میرے چاند درزی تمہارے سلعے سلائے کپڑے لائے گا۔ اور پھر آپ نے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ نماز کے بعد آپ نے دربار خداوندی میں ہاتھ اٹھا دیئے اور یوں عرض کی۔

بار الہا! تو سب کچھ جانتا ہے تیری کنیز نے بچوں سے صرف اس لئے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کا دل نہ ٹوٹ جائے۔

میرے خدا تو خوب جانتا ہے کہ فاطمہ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا یا اللہ میرے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ لینا۔

یا اللہ العالمین میں نے تیری رحمت کے سہارے پر بچوں سے نئے کپڑوں کے آنے کا وعدہ کر لیا ہے۔ یا اللہ میرے وعدے کو ایفا فرما دینا پھر افطاری کا وقت ہوتے ہی عید کا چاند طلوع ہو گیا۔

مدینہ منورہ میں منادی ہو رہی تھی کہ صبح کو عید الفطر ہوگی تمام لوگ عید

آنے کی خوشی میں ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے بچے ابھی سے عید کی تیاریاں کر رہے تھے رات کو سوتے وقت فاطمہ کے شہزادوں نے پھر اپنا وعدہ امی کو یاد دلادیا۔

سیدۃ النساء العالمین پہلے سے شب بیدار تھیں۔ پوری رات نوافل میں بسر کی فجر کی نماز کے بعد آپ دعا مانگ رہی تھیں کہ دروازہ پر دستک ہوئی آپ نے پوچھا کون ہے؟ آواز آئی! بنت رسول آپ کا درزی ہوں۔ شہزادوں کے کپڑے لے آیا ہوں۔ آپ نے استعانت غیبی سمجھ کر کپڑے وصول کر لئے۔ بہت خوبصورت اور قیمتی لباس تھا آپ ابھی بچوں کو کپڑے پہنا رہی تھیں کہ امام الاغیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔

حسین کریمین کے نئے جوڑے دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے آپ نے پوچھا بیٹی یہ کپڑے کہاں سے آئے ہیں؟ عرض کیا! اباجان ایک درزی دے گیا ہے میں نے سے نئے کپڑوں کا وعدہ کر لیا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا۔ آپ نے فرمایا! بیٹی جانتی ہو وہ درزی کون تھا؟

حسین کا درزی جبریل

سیدہ نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! حسین کا درزی بن کر آنے والا جبریل تھا۔ ﴿روضة الشہداء ص ۷۷﴾

اور یہ جوڑے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جنت سے لایا تھا۔ سیدۃ النساء العالمین کی آنکھوں میں تشکر و امتنان کے آنسو آگئے۔ آپ نے سجدۂ تشکر ادا فرما کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کی الہی تیرا ہزار ہزار شکر ہے کہ تو نے فاطمہ کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی لاج رکھ لی۔

کون ہے وہ دنیا کا تاجدار جس کا درزی جبریل بنے اور اس کا لباس جنت الفردوس سے خدا بھیجے۔ حسین علیہ السلام کی عظمت و فضیلت حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔ آپ کے فضائل و مناقب جو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک ارشاد ہوئے ہیں حد بیان سے باہر ہیں۔

ہم اسی لئے تو کہتے ہیں کہ معرکہ کربلا کا موازنہ کرنا ہے تو پہلے ہر دو جانب کی شخصیتوں کا موازنہ کرو اگر آپ مسلمان ہیں تو مسلمانوں کی طرح سوچو حسین علیہ السلام کا مقام فرامین رسول کی روشنی میں متعین کرو۔

حضرت امام حسین نے جس مقدس ماحول میں آنکھ کھولی ہے یہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انسان کو بھی میسر نہیں۔ حسین علیہ السلام کی ذمہ داریاں رسول ہاشمی سے پوچھو۔

حسین علیہ السلام کو ایک عام آدمی کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش نہ کرو حسین علیہ السلام کی ان تمام عظمتوں کے ساتھ سامنے لاؤ جن کے وہ مالک تھے ان کی خوبیوں سمیت متعارف کرواؤ جو ان میں تھیں اور اگر تم نہ بھی ایسا کرو گے تو حسین کا مقام تو حسین علیہ السلام کا مقام تو پھر بھی ارفع

واعلیٰ ہی رہے گا۔ مگر دنیا تمہیں ضرور کذاب و دجال کے نام سے یاد کرے گی
جو اعزازات خالق باری نے نواسہ رسول کے لئے مقرر کر رکھے
ہیں ان میں ان کا کوئی بھی دوسرا شریک و سہم نہیں خواہ کوئی بھی ہو۔

جو مقامات خالق کائنات کی طرف سے جناب حسن و حسین کو تفضیل
ہوئے ہیں ان میں کسی دوسرے کی شرکت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

چہ جائیکہ یہ ثابت کیا جائے کہ یزید پلید بھی اُن کا قریبی رشتہ دار تھا
یزید اور حسین کا خون ایک ہی تھا۔ ﴿معاذ اللہ﴾ ایسا استدلال پیش کرنا
حقائق سے بیزاری اور جہنم کا راستہ ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے مکروہ عقائد
سے محفوظ رکھے۔

امام حسین علیہ السلام وہ عظیم المرتبت شہزادے ہیں جن کی امی جان
چکی پیس رہی ہو تیں اور جبریل علیہ السلام ان کا جھولا جھلارے ہوتے۔
کون ہے؟ دنیا کا بڑے سے بڑا آدمی جس کا جھولا جھلانے کی ڈیو
ٹی جبریلؑ کے سپرد ہو۔

امام حسین علیہ السلام وہ با عظمت اور رفیع الشان شخصیت ہیں جن
کے بچپن میں رونے کی آواز سن کر امام الانبیاءؑ بے قرار ہو جاتے تھے۔

تاجدار مدینہ حسینؑ کو گود میں لے کر فرماتے میرے لال تم نہ رویا
کر و تمہارے رونے سے تو روح عالم بے قرار ہو جاتی ہے۔

حسینؑ تم رونے کے لئے نہیں رُلانے کے لئے پیدا ہوئے ہو۔ تمہارا

ری شہادت پر تو زمین و آسمان کو رونا آجائے گا۔ ملائکہ اور جنات نوحہ خوانی کریں گے۔ دنیا تمہاری شہادت کی یاد قیامت تک مناتی رہے گی اہل محبت تمہارے غم کو یاد کر کر کے اس قدر آنسو بہائیں گے کہ اگر اُن آنسوؤں کو جمع کر لیا جائے تو دنیا پر ایک اور سمندر موجزن ہو جائے۔

بہر حال معرکہ کربلا کی حقیقت کو سمجھنا ہے تو امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کے مقام سے آگاہی حاصل کرو۔ اور مقام حسین سے آگاہی حاصل کرنا ہے تو ارشاداتِ خدا اور رسول کی روشنی میں دیکھو، حسین کا مرتبہ پوچھنا ہے تو حسینؑ کے نانا سے پوچھو، صحابہ کرام سے پوچھو حسینؑ کی ذاتی شخصیت کو دیکھو، اس کے کردار کو دیکھو اس کی سیرت کا مطالعہ کرو، اس کے بچپن کا احترام و التزام دیکھو، اس کی جوانی کا تقدس دیکھو، اس کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا مشاہدہ کرو اس کی طہارت و پاکیزگی سے روشنائی حاصل کرو سلام ہو آپ پر اے جگر گوشہ رسول! تیرے مقام کو کون بیان کر سکتا ہے۔

ہم گنہگاروں کو تو بس یہی ناز ہے کہ تو ہمارا آقا و مولا ہے ہم ناچیز گنہگار تیری طرف سے کیا صفائی پیش کر سکتے ہیں۔

تیری شہادت کی تصویر تو اپنے طور پر ہی اس قدر مجلیٰ اور منور ہے جس کے سامنے آفتاب بھی ماند ہے اور چاند بھی خجل ہے۔

اے حسینؑ اب تک لباب ہے تیرا زریں ایلاخ
صوفشاں ہے آج تک تیری شہادت کا چراغ

تو نے دھو ڈالے جبینِ ملتِ بیضا کے داغ
تو اگر اسلام کا دل ہے تو ایماں کا دماغ

فخر کا دل میں درِ بچہ باز کرنا چاہیے
جس کا تو آقا ہے اُس کو ناز کرنا چاہیے

﴿جوش﴾

jabir.abbas@yahoo.com

شہادت حسین

کی پیشگوئیاں

شہزادہ گلگوں قبا، جگر گوشہ مصطفیٰ، نور نگاہ مرتضیٰ، امین امانت خدا،
نیر برج صفا، جلوہ شمس الضحیٰ، نقشہ بدر الدجی، پیر صبر و رضا، شہزادہ کونین،
جناب زہرا کے نور عین، حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اقدس کو
ہرگز ہرگز اتفاقی حادثہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ شہادت حسین مشیت ایزدی کے
بنائے ہوئے باقاعدہ پروگرام کے تحت ظہور میں آئی۔ جس کی مختلف
وجوہات آپ اس کتاب میں کئی مقامات پر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ شہادت
حسین وہ شہادت عظیم ہے جس کی شہادت رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے اپنی زبان فیض ترجمان سے دی۔

مقدس شہادت کی گواہی

شہادت حسین وہ شہادت مقدس ہے جس کی گواہی جبریل نے دی
جس کا نقشہ رسول پاک نے بیان فرمایا۔ جس کا اعلان خود خداوند دو جہان
نے فرمایا۔ یہ وہ شہادت معظم ہے جس کا چرچا امام عالی مقام کی ولادت
مبارک کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ اور پھر اس کا بار بار اعلان ہوتا رہا۔

چند معتبر روایات ملاحظہ فرمائیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کوئی معمولی واقعہ یا اتفاقی حادثہ نہیں۔ جیسا کہ یزید نوازوں کا گمان ہے۔ بلکہ تاریخ اسلام کا انتہائی غیر معمولی اور اخص الخاص واقعہ ہے

پہلی پیشگوئی

عن ام الفضل بنت الحارث قالت دخلت على رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يوماً با لحسين فوضعتہ فی حجره ثم خانت مني التفاته فاذا عينا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم تهرقان من الدموع فقال اتاني جبريل فاجر في ان امتي تقتل ابني هذا واتاني بقرية من تربة حمراء.

ترجمہ

حضرت ام الفضل بنت حارث فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حسین کو لیکر گئی اور آپ کی گود میں دے دیا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے لگا تار آنسو بہہ رہے ہیں ﴿اسی حالت میں﴾ آپ نے مجھے فرمایا کہ مجھے جبریل نے خبر دی ہے کہ میرے اس بیٹے کو میری امت شہید کر دے گی۔ پھر جبریل

نے مجھے اس کی شہادت گاہ کی سرخ مٹی دی ۔

﴿المحجۃ رک ج ۳ ص ۷۷﴾

دو سری پیشگوئی

عن انس قال استاذن ملک المطربہ ان یاتى
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاذن
لہ فدخل الحسین فجعل یقع علی منکب
النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال
الملك اتحبہ؟

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نعم! قال فان امک تقتله وان شئت اریک
المکان الذی یقتل فیہ فضرب بیدہ فاراه
ترابا احمر فاخذتہ ام سلمہ فصرتہ فی ثوبہا
فکننا نسمع انہ یقتل بکر بلاء
ترجمہ!

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بارش
برسانے والے فرشتہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
خدمت میں حاضری دینے کے لئے رب تعالیٰ سے
اجازت طلب کی ۔ اجازت ملنے پر جب بارگاہ
رسالت میں حاضر ہوئے تو اس وقت حضرت حسین
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک کندھوں پر جھوم

جھوم کر کھیل رہے تھے۔

اس فرشتہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی! کیا آپ حسین سے پیار کرتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! اس نے کہا آپ کی امت اس کو شہید کر دے گی۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ان کی شہادت گاہ دکھا دوں؟ پھر اس نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرخ مٹی دکھائی۔ اس مٹی کو ام سلمہ نے کپڑے میں باندھ لیا۔ انس کہتے ہیں ہم نے سنا کرتے تھے کہ حسین کو بلا میں شہید ہوں گے۔ ﴿ما ثبت بالنسۃ ص ۲۳۹﴾

تیسری پیشگوئی

عن ام سلمہ قالت کان الحسن والحسين يلعبان في بيتي فتنزل جبريل فقال يا محمدان امك تقتل ابنك هذا من بعدك واوحى الى الحسين واتاه بتربة فشمها ثم قال ربح حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ گھر میں حسن اور حسین کھیل رہے تھے تو جبریل علیہ السلام نے

آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ کے بعد آپ کے اس بیٹے کو آپ کی امت شہید کر دے گی اور جبریل کا اشارہ حسین علیہ السلام تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھوڑی سی مٹی پیش کی آپ نے اس مٹی کو سونگھ کر فرمایا۔ اس میں سے رنج و بلا کی بو آتی ہے۔ اور مجھے بلا کر فرمایا اے ام سلمہ جب یہ مٹی خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا شہید ہو گیا پھر میں نے اس مٹی کو شیشی میں بند کر رکھا۔

﴿دلائل النبوت ص ۲۸۴﴾

جو تھی پیشگوئی

عن انس ابن الحارث قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقولان ابن هذا يقتل با رض يقال لها كربلاء فمن يشهد ذالك منكم فلينصره فخرج انس ابن الحارث الى كربلاء فقتل بهامع الحسين۔

ترجمہ!

انس بن حارث فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ میرا بیٹا ﴿حسین علیہ السلام﴾ اس زمین پر شہید کیا جائے گا جس کا نام کربلا ہے تم لوگوں میں میں سے جو شخص بھی وہاں موجود ہو اس کی مدد کرے اور پھر انس بن حارث امام ﴿حسین علیہ السلام﴾ کے ساتھ ہی کربلا میں گئے اور آپ کے ساتھ ہی شہید ہو گئے۔

﴿ما ثبت بالنسۃ ص ۲۳۹﴾

پانچویں پیشگوئی

عن أم سلمة ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اضطجع ذات يوم قاسيتنظ و هو خاسروني يده تربه خمرء يلتقلبها قلت ما هذا؟ التربة يا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال اخبرني جبريل ان هذه ابنيي الحسين عليه السلام يقتل بارض العراق وهذه تربتها.

ترجمہ!

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز کروٹ بدل کر سو

رہے تھے اور پھر جب بیدار ہوئے آپ غمگین و غمزہ
تھے۔ آپ کے مبارک ہاتھوں میں سرخ مٹی تھی جسے
آپ الٹتے پلٹتے تھے۔

میں نے عرض کی! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ
مٹی کیسی ہے۔ تو آپ نے فرمایا ہمیں جبریل نے خبر دی
ہے۔ کہ ﴿حسین علیہ السلام﴾ سرزمین عراق میں شہید
کر دیا جائے گا اور یہ وہیں کی مٹی ہے۔

﴿الاستیعاب ج ۱ ص ۳۸۰﴾

چٹنی پیشگوئی

عن عائشة رضی اللہ عنہا ان النبی صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم قال اخبرنی جبریل ان
ابنی الحسین یقتل بعدی بارض الطف وجاء
نی بهذه التربة فاخبرنی انها مضجعة ومنه۔
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
مجھے جبریل علیہ السلام نے خبر دی ہے کہ میرے بعد
میرا بیٹا حسین علیہ السلام ارض طف پر شہید کر دیا
جائے گا اور میرے پاس وہاں کی یہ مٹی بھی جبریل

میرے پاس لائے ہیں اور مجھے کہا کہ یہ ان کے
لینے کی جگہ ہے۔

﴿خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۳۲۲﴾

﴿ما ثبت بالنسب ص ۲۱۸﴾

﴿سراشہاد تین ص ۸۵﴾

ساتویں پیشگوئی

واخرج احمد ان النبى صلى الله عليه وآله
وسلم قال لقد دخل على البيت ملك ثم يد
خل على قبكها فقال لى ان ابنك هذا يعنى
حسينا مقتول وان شئت اريئت من توبة
الارض التى يقتل بها فخرج توبة حمراء
اور روایت بیان کی امام احمد نے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تحقیق ہمارے گھر
میں ایک فرشتہ آیا جو اس سے پہلے میرے پاس کبھی
نہیں آیا تھا تو اس نے مجھے کہا کہ آپ کا یہ بیٹا حسین
علیہ السلام شہید ہوگا اور اگر آپ پسند فرمائیں تو میں
آپ کو ان کی شہادت گاہ کی مٹی دکھا دوں اور پھر تھوڑی
سی سرخ مٹی نکالی۔

آٹھویں پیشگوئی

عن محمد بن عمر بن حسین قال کنا مع
الحسین بنہر کربلاء فنظر الی الشمر ذی
الجوشن فقال صدق اللہ ورسولہ اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کانی انظر کلب ابقع فی
اہل بیتی وکان شمر ابرص

حضرت محمد بن عمر حسن روایت بیان کرتے ہیں کہ ہم
امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کربلا کی نہر پر تھے پھر
دیکھا امام حسین علیہ السلام کے شر کی طرف اور فریاد
کے سچے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم فرمایا۔ گویا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک
ابلق ﴿ڈبلا﴾ کتا میری اہل بیت کا خون پی رہا ہے۔
اور تھا شمر لعین برص زدہ ﴿کوڑھی﴾

﴿طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۶۳﴾

﴿مسند احمد ج ۲ ص ۶۰﴾

﴿خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۳۲۲﴾

﴿ما ثبت بالنسۃ ص ۲۱۹﴾

﴿سر الشہادتین ص ۸۸﴾

نویں پیشگوئی

عن علی ابن ابیطالب انه مر بکربلاء
وعند الاشجار الحنظل وهو ذاهب الى صفین
فسأل عن اسمها؟

فقيل کربلاء! فقال کرب فتنزل وصلى عند
شجرة هناك ثم قال يقتل ههنا شهيد آء غير
الصحابه يدخلون الجنة بغير حساب و اشارا
لى مكان هناك فعلموه بشئ فقتل فيه
الحسين۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ
آپ جب جنگ صفین کے موقع پر کربلا سے گزرے
تو ایک جگہ حنظل ﴿اندرائن﴾ کے بوٹے تھے آپ
نے پوچھا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے؟

کہا کربلاء! تو آپ نے فرمایا کہ کرب و بلا۔ پس
آپ وہاں اترے اور نماز پڑھی پھر فرمایا کہ یہاں
صحابہ کہ علاوہ وہ لوگ شہید ہونگے جو بغیر حساب کے
جنت میں داخل ہونگے۔

اور آپ نے ایک جگہ پر اشارہ کیا جہاں لوگوں نے
شان لگا دیا چنانچہ جناب ﴿حسین علیہ السلام﴾ اسی

مقام پر شہید ہو گئے۔

﴿البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۸۰۵﴾

دسویں پیشگوئی

عن اصغ بن نباتہ قال اتینا مع علی موضع
قبر الحسین فقال لھنا مناخ لکا بہم وموضع
رحالہم ومہراق دمائہم فئتہ من آل محمد
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقتکون بہذہ
الفرصۃ تبکی علیہم الشماء والارض۔
حضرت اصغ بن نباتہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت علی
کوم اللہ وجہہ کی معیت میں قبر گاہ ﴿حسین علیہ
السلام﴾ پر آئے تو جناب علی علیہ السلام نے فرمایا کہ
یہ شہیدوں کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے اور اس جگہ
کجادے رکھے جائیں گے اور یہ ان کے خون بہنے کا
مقام ہے اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کتنے
ہی جوان یہاں شہید کر دئے جائیگے اور روئیں گے ان
پر زمین و آسمان۔

﴿المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۱۷۷﴾

گیا رہویں پیشگوئی

عن ابن عباس قال اوحى الله تعالى الى
محمد انى قتلت بيحيى بن زكريا سبعين
الفاوسبعين الفا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ
اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم پر وحی نازل فرمائی کہ ہم نے یحییٰ بن زکریا کے قتل
کے عوض ستر ہزار لوگوں کو مارا اور آپ کے بیٹے کے قتل
کے بدلہ میں ستر ہزار اور ستر ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس
لوگوں کو ماریں گے۔

﴿یہ روایت زینب بنت جحش سے بھی مروی ہے۔﴾

﴿طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۲۲﴾

بارہویں پیشگوئی

عن ام سلمة عن رسول الله صلى الله عليه
 وآله وسلم عن جبريل اخبرني ان امتي يقتل
 هذا وانه اشتد غضب الله على من يقتله.
 اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جبریل نے

خبر دی ہے کہ میری امت کے لوگ اس ﴿میرے بیٹے﴾ حسین علیہ السلام کو ﴿شہید کر دیں گے اور ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا شدید قہر غضب نازل ہوگا اور قتل کی وجہ سے۔

﴿ما ثبت بالنسۃ ص ۲۱۹﴾

تیرھویں پیش گوئی

عن عائشة اليزيد لا بارك الله في يزيد
الطعان الطعان اما انه زيفي الى حبيبي و
منحيلي حسين عليه السلام اتيت بترت
ورايته قاتله اما انه يقتل بين ظهرا نى قوم فلا
ينصروه الا عمهم الله بعقاب رواه ابن عساكر
ترجمہ!

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی
روایت میں مزید فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قاتل و ملعون یزید کو برکت
نہ دے اس نے میرے پیارے بیٹے ﴿حسین علیہ
السلام﴾ کے ساتھ بغاوت کی اور انہیں شہید کرایا
﴿حسین علیہ السلام﴾ کی تربت کی مٹی میرے پاس

لائی گئی اور مجھے ان کا قاتل بھی دکھایا گیا اور بتایا گیا کہ جن کے روبرو ﴿حسین علیہ السلام﴾ قتل کیے جائیں گے وہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک عذاب مسلط کر دیا ہے۔

﴿ما ثبت بالنسب ص ۲۱۹ بحوالہ ابن عساکر﴾

امام عالی مقام سیدنا امام حسین علیہ السلام کی شہادت پاک چونکہ جہری شہادت ہے اس لئے اس کے اعلانات خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آپ کی ولادت مبارکہ سے کے ساتھ ہی شروع ہو گئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئیوں کی صورت میں یہ اعلان اس قدر مشہور اور متواتر ہیں کہ پہلوں پر بھی یہ شہادت عظمیٰ اسی طرح روشن تھی جس طرح بعد والوں پر نہ صرف یہ کہ اس شہادت ظاہر سے صرف انسان ہی واقف ہیں بلکہ شہادت سے پہلے ہی اس کو ملائکہ کرام بھی جانتے تھے ان حالات میں ان لوگوں کی عقلوں پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔ جو قدرت کے اس باقاعدہ پروگرم کو اتفاقی حادثہ اور معمولی واقعہ قرار دیتے ہیں۔

محمد مصطفیٰ نے تھا کیا اعلان متواتر

شہادت کر بلا میں پائے گا ابن علیؑ جا کر

خدائے پاک نے اس کے تھے خود اعلان فرمائے

شہادت کی خبر لے کر فرشتے بار بار آئے۔

مقصد حُسین علیہ السّلام

مُؤرخ ہو یا محقق کسی نہ کسی نظریہ کا پابند ضرور ہوتا ہے اور ہر قسم کے واقعات کی شیرازہ بندی کرتے وقت اپنے نظریات کی تسکین کا سامان ضرور فراہم کرتا ہے ہاں! ایک بات ضرور ہے کہ ان میں سے بعض لوگ متشدد داور متعصب ہوتے ہیں۔

لہذا واقعات کی ترتیب کے وقت اُن کی چھاپ کا رنگ گہرا ہوتا ہے اور ہر قاری کا ذہن اس کی مقصد برآری کو بھانپ لیتا ہے اور جن لوگوں میں تعصب کی شدت نہیں ہوتی وہ اپنے نظریات کو کچھ ایسے غیر محسوس طریقہ سے سپرد قلم کرتے ہیں۔

کہ ان کا آسانی سے تجزیہ نہیں کیا جاسکتا تاہم اگر ان کی تحریروں پر گہری نظر رکھی جائے تو سب کچھ کھل کر سامنے آ جاتا ہے شہادت حُسین علیہ السّلام کے واقعات اُن لوگوں کو بھی مرتب کرنے کا موقع ملا جن کے ذہنوں میں امام عالی مقام کے بارے میں شکوک و شبہات نے کھلبلی مچا رکھی ہے چنانچہ انہوں نے ایک آڑ سامنے رکھ لی۔

کہ ہم شخصیت پرست نہیں ہیں اور ہمیں تو صرف تاریخی حقائق پیش کرنا ہے بلا خروہ یزید کے حق میں شخصیت پرستی کا فریضہ بھی ادا کر دیتے ہیں

ہمارا موقف اس بارے میں یہ ہے کہ اگر ترتیب واقعات کے وقت کسی شخص کے سیرت و کردار اور اس کی شخصیت و مقصد کو سامنے نہ رکھا جائے تو کسی بھی واقعہ کا تجزیہ کرنا ناممکن اور امر محال ہے۔

اس پر ہم آگے چل کر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کی جنگوں سے استدلال پیش کریں گے یہاں تو یہ بتانا ہے کہ باوجود اس قسم کے منورین و محققین کے ہدف تنقید بن جانے کے واقعات شہادت حسین علیہ السلام اسی طرح نکھرے ہوئے ہیں۔

شہادت عظمیٰ کا کمال

جس طرح اس عظیم شہادت کا اپنا رنگ نکھرا ہوا ہے تشددین کے قلموں کی سیاہی کے دھبے نور شہادت کی تابانیوں پر ڈرہ برابر بھی اثر انداز نہیں ہو سکتے اور یہی اس بامقصد شہادت عظمیٰ کا کمال ہے۔

امام حسین علیہ السلام کو ایک عام آدمی کے روپ میں پیش کرنے کے باوجود ان کی عظمت میں کمی نہ کی جاسکی اہل ایمان کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی پوری پوری کوشش کی گئی لیکن حسین علیہ السلام کی عظمت کو دلوں سے محو نہ کیا جاسکا۔

دنیا والوں نے تعصب پرور لوگوں کی نام نہاد تحقیق کو خرافات کا نام دیکر ٹھکرا دیا اور حسین علیہ السلام کے حق میں یہ فتویٰ دیا کہ۔

آں امام عاشقان پور بتول
سرو آزادے زبستان رسول

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

بہر آں شہزادہ خیر الملک
دوش ختم المرسلین نعم الجمل

سرخ رو عشق غیور از خون او
شونخی ایں مصرع از مضمون او

درمیان اُمّت آں کیواں جناب
ہجو حرف قل ہو اللہ در کتاب

تغ بہر عزت دین است و بس
مقصد او حفظ آئین است و بس

﴿اقبال﴾

مقام شبیری کو سمجھو

معرکہ کرب و بلا کا تجزیہ کرنا ہے تو پہلے سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی شخصیت سے تعارف حاصل کرو حسین علیہ السلام کے منصب جلیلہ کو دیکھو مقام شبیری کی عظمت و رفعت سے شناسائی حاصل کرو نواسہ رسول کی ذمہ داریوں سے آگاہی حاصل کرو۔

اُس درخشندہ شہادت کی تابانیوں کا مشاہدہ کرنا ہے تو تاویلوں کے پھندے نہ لگاؤ تعصب کی لپیٹ میں آئی ہوئی مسخ شدہ تواریخ کے دام نہ بچھاؤ عقل نا تمام کے شر بے مہار کی جولانیاں نہ دکھاؤ۔ حسین علیہ السلام کی شہادت کے اوج و کمال تک عقل نارسا کی رسائی ناممکن ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

حسین بننا مشکل ہے

اگر عقل سے کچھ کام لینا مقصود ہے تو اسے اس طرح سوچنے دو کہ اللہ تعالیٰ کے سچے دوستوں کے ساتھ ساتھ بعض لوگ جھوٹ موٹ کی نبوت کے دعویدار بھی پیدا ہوتے رہے بلکہ ولایت و غوثیت اور نبوت و رسالت سے بڑھ کر لوگوں نے مقام الوہیت پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی اور دنیا میں کئی نمرود و فرعون اور شذا دجیسے بدکیش انسان پیدا ہوئے۔

جنہوں نے علی الاعلان دعویٰ الوہیت و ربوبیت کیا لیکن اس کے

برعکس تیرہ صدیاں گزر جانے کے باوجود کسی شخص نے بھی حسین علیہ السلام بننے کا دعویٰ نہیں کیا کیوں دعویٰ نہیں کیا اس لئے حسین علیہ السلام بننے میں صرف اپنی جان نہیں۔

جوان بیٹوں کی لاشوں کو بھی اٹھانا پڑتا ہے معصوم بچوں کو آغوش میں لے کر بارگاہ ایزدی میں پیش کرنا پڑتا ہے حسین علیہ السلام بننے کے لئے گھر بار چھوڑ کر تین دن پیا سے رہ کر تپتی ہوئی ریت پر تلوار کی دھار کے نیچے مجروح محبت ادا کرنا پڑتا ہے۔

کوئی مثال شہ ثقلین بن نہ سکا
نبی کے نور کا دو نور عین بن نہ سکا

ولی بنے وحی بنے نبی بنا ڈالے
خدا بھی بن گئے لیکن حسین بن نہ سکا

اہل محبت کا جواب

عقل نام تمام اعتراض کرتی ہے کہ حسین علیہ السلام کو کو فیوں نے حکومت کے سبز باغ دکھائے تھے حسین علیہ السلام تخت حکومت کے حصول کے لئے مدینہ منورہ کو چھوڑ کر کوفہ جا رہے تھے کہ چند سیاسی غلطیوں کی بنا پر اپنا

بال بچہ بھی کٹوا بیٹھے اور اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

اگر آپ تحت و تاج کے لالچ اور حکومت کی ہوس میں جلد بازی نہ کرتے تو یقیناً اُن کا یہ حشر نہ ہوتا اور حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت سے اس لئے انکار کیا تھا کہ ایسا کرنے سے حکومت کرنے کا چانس ختم ہو جاتا ہے اور شہنشاہی کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکتا۔

اہل محبت اس کا جواب یہ بھی دیتے ہیں کہ حسین علیہ السلام صرف حصول شہادت اور مرتبہ ذبحِ عظیم پانے کے لیے کر بلا گئے میں گئے تھے اور وہ ہرگز یزید سے حکومت حاصل کرنے کے لئے نہیں گئے تھے لیکن یہ خیال صرف یہاں تک درست ہے کہ آپ کو اپنا امتحان دیکر ذبحِ عظیم کے مرتبہ کو حاصل کرنا تھا لیکن یہ کہنا کہ خلافت کے لئے نہیں گئے تھے غلط ہے

امام حسین اور خلافت

اگر یہ بات نہ ہوتی تو شہادتِ حسین علیہ السلام پر ہرگز وہ نکھار نہ آ سکتا ہے جس نے کائنات کو متور کر رکھا ہے۔

حسین علیہ السلام اسلامی سلطنت کے شہزادے تھے تختِ خلافت حسین علیہ السلام کا ذاتی حق تھا امیر معاویہ اور حضرت حسن علیہ السلام کے صلح کی ایک شق یہ بھی تھی کہ اپنے بعد خلافت خاندانِ نبوت کو واپس کر دی جائے گی۔

یہ صورت نہ بھی ہوتی تو اس وقت خلافت کے سب سے زیادہ حقدار حسین علیہ السلام تھے یہی نہیں کہ آپ خاندان نبوت کے چشم و چراغ تھے بلکہ اپنے تجربات کی بنا پر اپنی ذاتی وجاہت اور تقویٰ و طہارت کی بنا پر بھی حسین علیہ السلام اس منصب جلیلہ کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔

امام حسین نے حق طلب کیا

اور یہ تو شریعت مطہرہ کا فرمان ہے!

کہ اپنے حق کے لئے لڑنا جہاد ہے اور اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے جان دینا شہادت۔ یہ تو عام مسلمانوں کے لئے حکم ہے پھر امام حسین علیہ السلام نے اپنا حق یا نگانو کون سا جرم تھا۔

رہا یہ گمان کہ امام عالی مقام جاہ و جلال کے لالچ اور ہوس اقتدار کے لئے خلافت کے دعویدار ہوئے تھے تو یہ محض حماقت اور بہودگی اور عقل ناتمام کا پاگل پن ہے حقائق سے دانستہ چشم پوشی ہے جہی تو ہم نے بتایا ہے کہ کسی کے حق میں کوئی فیصلہ دینے سے پہلے اس کی شخصیت سے تعارف حاصل کرو۔

لوگوں نے انبیاء کرام کی تعلیمات کا مذاق اڑایا ان کی غربت کا تمسخر اڑایا ان کو وسائل کی کمی کا طعنہ دیا ان کے ساتھ مقابلہ کیا اور کئی ایک کو شہید بھی کر دیا تو کیا اس سے یہ رائے قائم کر لی جائے گی کہ ان انبیاء کرام

سے معاذ اللہ سیاسی غلطی ہوگئی۔

وہ اس بے سرو سامانی میں لوگوں کو کیوں دعوت الی الحق دیتے تھے اور وہ معاذ اللہ لوگوں پر حکومت کرنے کے خیال سے ہر جا بر قوت سے ٹکرا جاتے تھے

کفار کی طرح نہ سوچو

اگر تم کفار و مشرکین کی طرح انبیائے کرام کے انداز تبلیغ کو دیکھو گے تو پھر دور جانے کی بات نہیں۔

ابو جہل کے تاریخی تبصرے جمع کر لو۔ تمہاری نا تمام عقلیں اس کی بیشتر باتوں کو درست اور ٹھیک تسلیم کر لیں گی یہود و نصاریٰ اور عادی و ثمود کی قوموں کے ریمارکس کو سامنے رکھ لو تمہیں نبوت و رسالت کے مقام میں خامیاں نظر آ جائیں گی۔

سلطنت اسلامیہ اور حسین

اور اگر حسین علیہ السلام کو دیکھنا ہے تو محمد عربی کے غلاموں کی طرح دیکھو حسین علیہ السلام کی شہادت پر عیسائی مورخوں کے تبصرے پیش نہ کرو حسین علیہ السلام دنیاوی جاہ و جلال و منال کے لئے خلافت کے خواہش مند نہیں تھے۔

حسین علیہ السلام خلافت کو اپنا حق سمجھ کر مانگتے تھے حسین علیہ السلام

تحت حکومت کے بغیر بھی اسلام کے شہزادے تھے بلاد اسلامیہ میں جو احترام حسین علیہ السلام کا تھا وہ کسی دوسرے کو کیا نصیب ہوگا۔ حسین علیہ السلام مسند حکومت پر ہوں یا حجرہ فاطمہ کی ٹوٹی ہوئی چٹائی پر شہزادہ رسول کے نام سے ہی پکارے جاتے۔

دنیاوی جاہ و جلال اور مال و منال اور مناصب حکومت کی کسے بھوک تھی۔ حسین علیہ السلام کو ؟

اس حسین علیہ السلام کو جس کا نانا کائنات عالم کا مالک و مختار اور عرب و عجم کا تاجدار ہے اور اس کی ماں اپنے ہاتھوں سے چکی پیستی ہے اپنے کندھوں پر پانی کے مشکیر سے اٹھاتی ہے۔

اس حسین علیہ السلام پر دولت و ثروت کا بھوکا ہونے کا گمان کرتے ہو جس کا والد محترم خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین ہے مگر وہ متعدد بار حج بیت اللہ کے لئے پیدل تشریف لے جاتا ہے۔

صرف ایک بات بتاؤ

حسین علیہ السلام پر ہوس اقتدار کا الزام لگانے سے پہلے صرف ایک بات بتادو کہ جب ان کے والد محترم حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ مملکت اسلامیہ کے حکمران تھے تو اس وقت حسین علیہ السلام نے اپنے لئے کون کونسی جائیداد بنائی بلاد اسلامیہ میں کہاں کہاں اپنی ذات کے لئے عمارتیں

تعمیر کروائیں کتنے باغات خریدے کہاں کہاں زمینیں خریدیں اور اپنی روزمرہ کی زندگی میں کن کن آسائشوں کا اضافہ کیا کس قدر سونا جمع کیا اور کس قدر جواہرات اکٹھے کئے۔

ہمیں اس حصہ کو مباحث سے پاک رکھنا ہے اس لئے زیادہ تفصیل میں نہیں جائیں گے حسین علیہ السلام کا ہر دور میں جو کچھ بھی تھا خدا کا تھا بلکہ حسین علیہ السلام تو خود خدا کی راہ پر فروخت ہو چکا تھا آپ کے پاس جو کچھ بھی آتا غریبوں مسکینوں محتاجوں اور ناداروں، میں تقسیم ہو جاتا۔

حد و شریعت کی حفاظت

نادانو! امام عالی مقام یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم میدان کربلا میں بچوں سمیت شہید کر دئے جائیں گے کوفیوں نے آپ کو یہی لکھا تھا کہ پھل پک چکے ہیں آپ تشریف لے آئیں۔

آپ جانتے تھے کہ کوفہ والے بدعہدی میں اپنی مثال آپ ہیں لیکن آپ کو حفاظت حق کے لئے بہر صورت جانا تھا اور دنیا کو بتانا تھا کہ اپنا حق وصول کرنے کے لئے جابر و ظالم سے ٹکرانا بھی پڑے تو ٹکرا جاؤ۔

اور حسین علیہ السلام کا یہ حق محض بلا و اسلامیہ کی مخصوص شدہ سرحدوں تک ہی نہیں تھا بلکہ اسلامی قلمرو کی متعین کردی گئی سرحدوں سے بڑھ کر نظام شریعت سے اسلامی حدود تک بھی تھا۔

اسلام کی ان حدوں تک جن کو یزید پلید حکومت کے نشے میں بدست ہو کر توڑ رہا تھا۔

حدود شریعت کی حفاظت کے لئے حسین علیہ السلام نہ اٹھتے تو کون اٹھتا جن کی چیز تھی انہیں ہی حفاظت کرنا تھی شریعت حسین علیہ السلام کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی دین اسلام حسین علیہ السلام کے نانا کا تھا پھر اگر ان کی حفاظت حسین علیہ السلام نہ کرتے تو کون کرتا۔

معرکہ کربلا کی حقیقت

معرکہ کربلا کی حقیقت سے آشنائی چاہتے ہو تو اسے اس انداز میں نہ دیکھو کہ دو آدمیوں کا جائداد کے لئے جھگڑا ہو گیا ایک مارا گیا اور دوسرا مالک ہو گیا دو گروہوں میں لڑائی ہوئی ایک شکست ہو گئی اور دوسرا جیت گیا۔ اس کو دیکھنا ہے تو متنازعہ فیہ مسائل کو سامنے رکھو طرفین کی شخصیتوں کا تعین کرو متنازعہ تو رہتا ہے ابراہیم اور نمرود میں بھی تنازعہ تھا موسیٰ اور فرعون میں بھی جھگڑا تھا مصطفیٰ اور ابو جہل میں بھی دشمنی تھی۔ پھر تم کس کے حق میں فیصلہ دو گے؟

تاریخ سے کیا پیش کرو گے کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرودیوں کے بتوں کو پاش پاش نہیں کیا تھا؟

کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ڈاڑھی کو نہیں کھینچا تھا؟

کیا انہوں نے اپنے مکے سے بنی اسرائیل کے ایک شخص کو ہلاک نہیں کیا تھا؟

کیا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے لڑائیاں نہیں کیں
کیا صدیق اکبر نے زکوٰۃ نہ دینے والوں پر فوج کشی نہیں کی پھر تم
کس طرح دو گروہوں کے تصادم کو ایک ہی معیار پر رکھ کر کھینچ سکو گے کسی قسم
کا فیصلہ کرنے سے پہلے تمہیں شخصیتوں کو دیکھنا پڑے گا ان کے مقاصد کو
دیکھنا پڑیگا۔ حق اور باطل میں امتیاز کر ہو گا حق کو حق مان کر اور باطل کو باطل
قرار دیکر فیصلہ کرو گے تو حقیقت واضح ہو جائے گی۔

اقبال موازنہ کرتے ہیں

موسیٰ و فرعون و شبر و یزید

ایں دو قوت از حیات آمد پدید

زندہ حق از قوت شبریری است

باطل آخر داغ حسرت میری است

چوں خلافت رشتہ از قرآن گسخت
حریت را ! زہر اندر کام ریخت

خاست آں سر جلوۂ خیر الامم
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم

بر زمین کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہاکارید و رفت

تا قیامت قطع استبداد کرد
موج او خون چین آباد کرد

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است
پس بنائے لالہ گر دیدہ است

مدعائش سلطنت بودے اگر
خود نکردے باچینیں سامان سفر

دشمنان چوں ریگ صحرا لا نقد
دوستان او بہ یزداں ہم عدد

سر ابراہیم و اسماعیل بود
یعنی آن اجمال را تفصیل بود

عزم او چوں کو ہساراں استورا
پاندار و تندیس و کامگار

تج بہر عزت دین است و بس
مقصد او حفظ آئین است و بس

ماسوا اللہ را مسلمان بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

خون او تفسیر این اسرار کرد
ملت خوابیدہ را بیدہ کرد

تج لاچوں از میاں بیروں کشید
از رگ ارباب باطل خون کشید

نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطر عنوان نجات ما نوشت

رمز قرآن از حسین آموختیم
آتش او شعلہ ہا اندوختیم

شوکت شام و فر بغداد رفت
سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت

تارما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز

اے صبا اے پیک دور افتادگاں
اشک ماہر خاک پاک او رسان

﴿اقبال﴾

یزید پلید کا مقصد

یزید پلید کا مقصد تھا کہ اسلام کا قلابہ گردن سے اتار کر حکومت کی جائے اسلامی اقدار کو پاؤں تلے روند کر داعش دی جائے محمد عربی کے قوانین کو توڑ دیا جائے حدود الہیہ کے نشانات معدوم کر دیئے جائیں دستور خداوندی کو پامال کر دیا جائے۔

آئیں شریعت کو مخ کر دیا جائے مسجدیں ویران ہوتی ہیں تو ہو جائیں عیش و نشاط کی محفلیں برپا ہوتی رہیں۔ اس دینِ متین کو مٹا دیا جائے جسے رسولِ ہاشمی نے ہزاروں مصائب اور سینکڑوں مشکلات برداشت کر کے لوگوں تک پہنچایا تھا۔

یزید پلید کا مقصد تھا کہ میں اہل اسلام کے دلوں سے حرارتِ ایمانی ختم کر دوں اسلام کی مرکزیت مٹا دوں عظمتِ مصطفیٰ کے پرچم کو داغدار کر دوں مسلمانوں کی رسولِ خدا سے وابستگی کا تصور فنا کر دوں اور پھر اس نے اس کی ابتدا بھی کر دی عوام کا انعام ہوتے ان کا دین دینِ ملوک ہوتا ہے وہ بادشاہ کے دین پر گامزن ہونے کو باعثِ افتخار سمجھتے ہیں۔

فسق و فجور اور بے حیائی کی ابتدا شاہی محلات سے کی گئی تھی اس لئے یہ ضروری تھا کہ اس کے اثرات آہستہ آہستہ دنیائے اسلام پر مرتب ہوتے ایک مسلمہ اصول کے مطابق حاکم دیندار اور نیک ہو تو وہ عوام الناس

میں پھیلی ہوئی بُرائیوں پر قابو حاصل کر سکتا ہے

اور اگر حاکم بد اعمالیوں اور بے حیائیوں کا شکار ہو جائیں تو عوام بھی اُن کی لپیٹ میں آئے بغیر نہیں رہ سکتے شاہی محلات اور ایوانِ صدر سے نکلی ہوئی بُرائیوں کو کیسے روکا جاسکتا ہے تاریخ کے اوراق اُلٹیے ہر دور کی تصویر کے خدوخال ملاحظہ کر لیجئے۔

ہر دور اس بات پر مہرِ تصدیق ثبت کر دے گا اگر حاکم بدکار و بددیا نت ہے تو اس نے عوام کے اخلاق کا بھی بیڑا غرق کر دیا یزید نے بدکاری اور بے حیائی کی ابتدا ایوانِ صدر سے کی تھی اس لئے ضروری تھا کہ عالمِ اسلام اس کی لپیٹ میں آ جاتا۔

یزید خریدار تھا

ضمیر فروشوں پیٹ پرستوں اور ہوس زدہ لوگوں کی کثیر تعداد ہر دور میں موجود رہی ہے بلکہ ہر شعبہ حیات میں ایسے لوگ اپنی چالاکیوں اور سفاکیوں کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں یہ لوگ سوداگر ہوتے ہیں ان کو دولت سے پیار ہوتا ہے۔

دولت کا لالچ دیکر ان سے جو چاہو خرید لو۔ ان کے پاس جو کچھ بھی ہو گا فروخت کر دیں گے بلا خزان کا سب کچھ بک جاتا ہے حرارتِ ایمانی بک جاتی ہے دیانت و صداقت فروخت ہو جاتی ہے ضمیر کی زندگی کا سودا ہو

جاتا ہے۔

قلم کی عصمت نیلام ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اُن کے قلب و روح اور جسم و جان ہر چیز بازاری جنس کی طرح خریدار کے ہاتھ میں ہوتی ہے یزید خریدار تھا ضمیر فروشوں کی منڈی لگی ہوئی تھی مستحق محروم تھے اور بیت المال کا قومی خزانہ فروخت ہو بیواؤں کی تجوریوں میں منتقل ہو رہا تھا۔

فروخت شدہ جی حضورِ یے، یزید کے ہر فعل قبیح کو اسلام کے محاسن بنا کر پیش کرتے یزید کا مقصد پورا ہو رہا تھا شیطان مسکرا رہا تھا روح اسلام گھر و الحاد کے شکنجے میں جکڑی ہوئی پھڑپھڑا رہی تھی اسلام خون کے آنسو رو رہا تھا۔

دربار میں ضمیر کی منی پلید تھی
گویا بدی جہاں میں بشکلِ یزید تھی
﴿عاشق کیرانوی﴾

یزید اسلام کو مٹانا چاہتا تھا

یزید کے قلبِ سیاہ میں روحِ ابلیس حلّول کر چکی تھی وہ سرمایہ اسلام لٹا دینے پر تئل گیا تھا جس اسلام کے لئے تاجدارِ انبیاء نے پیٹ پر پتھر باندھے اور جسمِ نازنین پر پتھروں کی بارش برداشت کی یزید اس کو مٹا دینا چاہتا ہے۔

جس اسلام کی حفاظت کیلئے سیدنا صدیق اکبر نے اپنے نحیف اور لاغر جسم کو ڈھال بنائے رکھا یزید اس کی صورت مسخ کر دینا چاہتا تھا جس اسلام کی سر بلندی کے لئے بغیر جان کی پرواہ کئے سیدنا فاروق اعظم نے علی الاعلان اہتمام اذان کیا تھا۔

یزید اسلام کی اس آواز صداقت اذان کو خاموش کر دینا چاہتا تھا جس اسلام کو قطع و برید ہونے سے بچانے کے لئے سیدنا عثمان غنی نے اپنے جسم مقدس کو قطع کر والیا یزید اس اسلام کے ٹکڑے کر دینا چاہتا تھا۔

جس اسلام کو ضرب ید اللہ اور قوت خیر شکن نے زندگی دی تھی یزید اسے فنا کر دینا چاہتا تھا جس اسلام کے تحفظ کیلئے سیدنا امیر حمزہ کا ایک ایک عضو کوٹ چکا تھا یزید اس اسلام کی بیخ و بن ہلا دینے کیلئے پرتول رہا تھا اسلام کی اصل روح یعنی تقویٰ و طہارت کی جو تصویر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت نے مل کر کی تھی۔ یزید اس پر فتنہ و فحش و فحور اور بدکاری و بے حیائی کی لکیریں کھینچ دینا چاہتا تھا۔

یزید حدود کو توڑنے والا ہے

یزید نے اگر اپنے کافر دماغ اور ملحدانہ روح پر اسلام کا لبادہ نہ اوڑھا ہوتا تو اسلام کو اس سے وہ خطرہ نہ ہوتا جو اب تھا وہ خلیفۃ المسلمین بھی کہلاتا تھا۔ اور مسلمانوں کا دشمن بھی تھا۔ وہ امیر المومنین بھی بناتا تھا۔

اور مومنوں کے حقوق پر بھی ڈاکہ ڈالتا تھا وہ اسلام کے نام پر اسلام کی حد و دو کو توڑ رہا تھا اور کرائے کے لوگ اُس کے ہر مذموم و فبیح فعل کو اسلام کے نام سے پیش کر رہے تھے ان حالات میں یزیدی اسلام کی کیا صورت ہوتی؟

یزیدی اسلام میں اسلام کی حقیقی روح تقویٰ و طہارت کا نام تک نہ ہوتا یزیدی اسلام میں اُم الخبائث شراب کا پینا جائز و مباح بلکہ موجب ثواب ہوتا یزیدی اسلام میں محرمات سے نکاح جائز ہوتا یزید کے اسلام میں نماز پڑھنا بے کار محض ہوتا۔

حتیٰ کہ یزید کے اسلام میں اسلام کا نام تک نہ ہوتا اس لئے کہ تمام تر قبیحات و منکرات کو اسلام میں داخل کرنے کی ابتدا، اس نے اپنی مکروہ شخصیت سے کی تھی وہ تارک نماز بھی تھا اور زانی، عیاش بھی تھا اور دیانت بھی شرابی تھا اور بدکردار بھی۔

بیت المال کا خائن بھی تھا اور قرآن و سنت کا مخالف بھی وہ مجرمات سے نکاح جائز سمجھتا تھا اور اس نے اپنی پھوپھی سے نکاح کر رکھا تھا وہ کھلے دربار میں شراب پیتا تھا اور اس کے درباری بھی۔

یزید حدود کی حفاظت کیسے کر سکتا تھا

جو خود زانی ہو وہ حد زنا کس پر قائم کرتا۔ جو خود تارک نماز ہو وہ ترغیب نماز کیسے دیتا، جو خود بیت المال کا چور ہو وہ دوسروں کے ہاتھ کیسے کاٹتا، جو خود حدود النہیہ کو توڑتا ہو وہ ان کی حفاظت کیسے کر سکتا۔ جو خود شریعت کا باغی ہو وہ دوسروں سے احترام شریعت کیسے کروا سکتا تھا۔

ہم اپنے وعدہ کے مطابق یزید کے ان فداکاروں اور خانہ زادوں کو اس حصہ میں مخاطب نہیں کریں گے جو دنیا کو باور کرا دینا چاہتے ہیں کہ یزید تقویٰ و طہارت کا پیکر تھا بڑا عادل اور منصف مزاج تھا، بڑا نیکو کار اور پرہیزگار تھا۔

صحابہ کرام کا نمونہ اور سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر تھا مجاہدِ اسلام اور بہت بڑا ولی اللہ تھا اور اس کے برعکس امام حسین علیہ السلام ہوس کا پیکر، لالچ کا پتلا، حکومت کا بھوکا، ضدی انسان، خلافتِ اسلامیہ کا باغی اور نااہل سیاست دان تھا ﴿معاذ اللہ﴾

میرے آقا حسین کی سر بلندی

ہم ان خواریانِ یزید کیلئے ہدایت کی دُعا بھی نہیں کیں گے جو بھی ان کے دل میں آتا ہے کرتے رہیں میرے آقا حسین کی عظمت و سر بلندی تک

ان کے طعن و تشنیع کے تیر قیامت تک نہیں پہنچ سکتے یہ لوگ جس قدر زیادہ
مخالفت کریں گے شہادتِ حسین کا رنگ اور زیادہ نکھرتا جائے گا۔
خونِ حسین کی سرخی میں مزید حسن آتا جائے گا۔

اس راز سے واقف ہیں زمانے والے
زندہ ہیں محمدؐ کے گھرانے والے

مٹ گئے مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے آخر
شبیرؑ تیرا نام مٹانے والے

دشمنانِ حسین علیہ السلام کے قلم لکھتے لکھتے کچھ ٹوٹ گئے کچھ ٹوٹ
جائیں گے، ان کی زبانیں جھوٹ کو سچ ثابت کرتے کرتے خاموش ہو
جائیں گی لیکن فاطمہ کے لال کا نام تا ابد لا اباد زندہ و پائندہ و تابندہ درخشندہ
رہے گا۔

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ وہ ظلم ابنِ زیاد کا
جو رہا تو نامِ حسین کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

﴿ظفر علیا﴾

ہر دور کا دیانتدار اور حق پرست انسان شہیدِ اعظم کے حضور میں

نذرانہ عقیدت و مودت اور خراجِ محبت پیش کرتا رہے گا۔ واقعہ کر بلا کو جس
قدرد بایا جائے گا یہ اُسی قدر شہرت پذیر ہوتا رہے گا۔

ظلم کی تکرار میں حق کی صدا بڑھتی رہی
سُرخِ خُونِ شہیدِ نینوا بڑھتی رہی

جتنا شغلِ مُحتسبِ دُشوار تر ہوتا گیا
اتنا ذکرِ خُونِ ناحق مُشہر ہوتا گیا

حق حق رہا باطل باطل

زمانے نے ہزاروں کروٹیں بدلیں لیکن حقیقت تبدیل نہ ہو سکی حق
کا انکار کیا گیا مگر حق حق ہی رہا۔ باطل کو نوازا گیا لیکن باطل باطل ہی رہا ظلم و
ستم کو عدالت کا نام دینے والے فنا ہو گئے

لیکن ظلم کو عدل ثابت نہ کر سکے۔ عظمتِ حسین کا اندازہ کرنے
والے مٹ گئے لیکن حسین حسین ہی رہے۔

انہیں رسولِ خدا کی تصویر ہی کہا جاتا ہے اسلام کا محسن اور قرآن کا محافظ
ہی کہا جاتا ہے پاسبانِ شریعت اور شہیدِ اعظم کے لقب سے ہی یاد کیا جاتا
ہے لوگ جانتے ہیں اور جانتے رہیں گے کہ خُونِ حسین کے انوار و تجلیات

نے کرب و بلا کی سر زمین کو جنت کا ٹکڑا بنا دیا ہے۔
 ذروں کو آفتاب کر دیا ہے اور موت کو زندگی میں تبدیل کر دیا ہے
 قلبِ مومن سے ہمیشہ یہ صدا اُٹھتی رہے گی۔

دشتِ بلا کو عرش کا زینہ بنا دیا
 جنگل کو مُصطفیٰ کا مدینہ بنا دیا

ہر ذرے کو نُجف کا نگینہ بنا دیا
 تُو نے حُسین مرنے کو جینا بنا دیا

چُھوا جو تُو نے کنکروں کو دُر بنا دیا
 قیدی جو آیا سامنے تو حُر بنا دیا

یزید کا مقصد ، حسین کا مقصد

بہر حال ہر دو جانب کے مقاصد سامنے رکھ کر ایمان و دیانت کے
 ساتھ جو فیصلہ کر دیا جائے گا وہی درست اور ٹھیک ہو گا۔ مقصدِ حسین علیہ
 اسلام بھی سامنے ہے۔ اور مقصدِ یزید پلید بھی۔

یزید کا مقصد تھا اسلام کو مٹانا،

امام حسین کا مقصد تھا اسلام کو بچانا

یزید کا مقصد تھا شریعت کی حد و کو توڑا جائے،

امام حسین کا مقصد تھا حد و شریعت کی حفاظت کی جائے۔

یزید کا مقصد تھا نظامِ مصطفیٰ کو تبدیل کر دوں۔

امام حسین کا مقصد تھا نظامِ مصطفیٰ کا مکمل نفاذ ہو جائے۔

یزید کا مقصد تھا حکومت کی بالادستی تسلیم کی جائے،

امام حسین کا مقصد تھا شریعت کی بالادستی قائم رہے۔

یزید کا مقصد تھا حرمتِ قرآنی کو نیلام کیا جائے،

امام حسین کا مقصد تھا قرآن کا احترام کیا جائے۔

یزید کا مقصد تھا حق خود ارادیت چھین جائے،

امام حسین کا مقصد تھا حق خود ارادیت کا تحفظ کیا جائے۔

یزید کا مقصد تھا امام حسین کی آواز کو روک دے،

امام حسین چاہتے تھے کہ حق کا بول بالا رہے۔

یزید چاہتا تھا کہ حسین میری غیر اسلامی حکومت کو خلافتِ حق تسلیم

کرے۔

امام حسین کا مقصد تھا کہ اسلام میں کفر کو خلط ملط نہ ہونے دیا جائے

یزید چاہتا تھا کہ اگر حسین نے ہاں میں ہاں ملا دی تو میری بات

بن جائیگی

امام حسین کا مقصد تھا کہ اگر ایسا ہوا تو اسلام کی بات بگڑ جائے گی۔

یزید چاہتا تھا جبر و تشدد کی حکومت ہو

امام حسین چاہتے تھے عدل و انصاف کی حکومت ہو۔

یزید چاہتا تھا شیطانی حکومت کو رحمانی خلافت تسلیم کرادوں

امام حسین کا مقصد تھا اس فریب کو بے نقاب کر دوں۔

یزید کا مقصد تھا جسموں پر حکومت کرنا

امام حسین کا مقصد تھا رُوحوں پر حکومت کرنا۔

رحمانی قوت اور شیطانی طاقت

یزید کی طرف شیطان تھا

امام حسین کی طرف رحمان تھا۔

یزید کی طرف سے شیطانی ذریت اُٹھی

امام حسین کی طرف سے رحمانی طاقت اُٹھی۔

اور دونوں طاقتیں پوری شدت سے ایک دوسری کے ساتھ ٹکرا

گئیں۔

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید

ایں دو قوت از حیات آمد پدید

زنده حق از تن شیرد است
باطل آخرداغ حسرت میری است

﴿اقبال﴾

شیطانی قوت نے بھرپور حملہ کیا۔ رحمانی قوت استقامت کا پیکر بنی
رہی شیطانی قوت نے آواز دی اب بھی مجھے حق تسلیم کرلو۔ رحمانی قوت نے
جواب دیا یہ ناممکن ہے شیطانی طاقت نے کہا میں تیری گردن پر خنجر پھیر دوں
گی۔

رحمانی طاقت نے کہا میں تیرا نام و نشان مٹا دوں گی شیطانی طاقت
نے لٹکارا میں تجھے خانماں برباد کر دوں گی رحمانی طاقت نے کہا میں خانہ وفا
آباد کر دوں گی۔ اور پھر رحمانی قوت کے پیکر حسین علیہ السلام جبر و تشدد اور ظلم
و استبداد کے یزید ٹوٹو فانون سے ٹکرا گئے کہ۔

کچھ خوف تھا چہرے پہ نہ تشویش ذرا تھی
ہر ایک ادا مظہر تسلیم و رضا تھی

ہر ایک نگہ شاہد اقرار وفا تھی
ہر جنبش لب مکر و ستور جفا تھی

﴿فیض﴾

شیطان کے آئین کو شبیر نہ مانے
قرآن کی توہین کو شبیر نہ مانے

﴿صائمِ چشتی﴾

اسلام کو زندگی مل گئی

جب اسلام کی شدِ رگ پر یزید نے شیطانی نظریات کی تلوار پھیرنا
چاہی تو شبیرِ علیہ السلام نے اپنی گردن پیش کر دی فاطمہ کا لالِ اسلام اور
قرآن کا ندیہ ہو گیا اسلام کو زندگی مل گئی قرآن کا تحفظ ہو گیا۔

عامتِ مسلمین پر چلنے والی جبر و تشدد کی تلواریں آلِ محمد کی گردنوں پر
چل گئیں۔ چند لحات کے لئے شیطان کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا اُمت کی سب
سے بزرگ ہستی کی شہادت نے اُسے غلط فہمی میں ڈال دیا اس نے گمان کر لیا
کہ اب میں فتحِ قیام ہوں۔

اور اب میرے سامنے کوئی سر نہیں اٹھا سکے گا میں اب یزید جیسے
سفاک بھیڑیوں کو اسلام پر مُسلط کرتا ہی رہوں گا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
آدم کا بدلہ اولادِ آدم سے لوں گا۔

اُسے نہیں معلوم تھا کہ گردنِ شبیر پر چلنے والی جبر و استبداد کی تلوار نے
اپنا گلا خود ہی کاٹ لیا ہے

حلقومِ اصغر سے نکلنے والی خون کی پتلی سی دھار طوفانِ نوح کی شکل

اختیار کر چکی ہے وہ نہیں جانتا تھا کہ اہل بیتِ مصطفیٰ پر برسائے جانے والے
زہر میں جُھجے ہوئے تیر کُفر و ضلالت کے سینہ میں پیوست ہو جائیں گے۔
اُسے نہیں معلوم تھا کہ مظلوم کر بلانے اپنی جان دیکر حق و انصاف کو
بچا لیا ہے اور حرمتِ قرآنی کا تحفظ کر لیا ہے وہ نہیں جانتا ہے۔

مَوْجِ حُؤنِ اُو چُنِ آباد کرد
تا قیامت قطعِ استبداد کرد

حسینیت زندہ رہے گی

اُسے کیا معلوم تھا کہ حسین علیہ السلام نے اپنی جان نچھاور کر کے
اسلام کو ذبح ہونے سے بچا لیا ہے اور جب تک اسلام زندہ رہے گا
جانشینانِ حسین پیدا ہوتے رہیں گے

ہر دور میں جبر و تشدد کو لٹکا راجائے گا ہر زمانہ میں باطل نظریات کی دھجیاں
اُڑائی جائیں گی اور ہر زمانہ میں نظامِ مصطفیٰ کا اجرا طلب کیا جائے۔

ہر حکومت سے حق خود ارادیت مانگا جائے گا غلامانِ حسین ہر دور
میں اسلام کی بلا دہشتی کا لوہا منوائیں گے

دستورِ شریعت کی حفاظت کریں گے آئینِ قرآن کا نفاذ چاہیں گے
محمد عربی کا قانون مانگیں گے، حسین کے نانا کا دستور طلب کریں گے اور پھر یہ
حقیقت ظاہر ہوتی گئی۔

خونِ حسین نے لاِالہ کی جن بُنیادوں کو استوار کیا تھا وہ ناقابلِ تسخیر
 ہوتی گئیں دُنیا والے پہلے بھی مشاہدہ کر چکے ہیں اور اب بھی دیکھ رہے ہیں۔
 زمانہ ہو گیا باغِ محبت کی تباہی کو
 ابھی تک ہیں وہی گُلکاریاں خونِ شہیداں کی

اسلام اور کفر کی جنگ

بہر صورت کر بلا مُعلے کے تپتے ہوئے ریگستان پر امامِ عالی مقام
 حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید پلید کے درمیان جو جنگ ہوئی اُسے
 عام حادثہ قرار نہیں دیا جاسکتا یہ خالصتاً نظریات کی جنگ تھی حق و باطل کا ٹکراؤ
 تھا ایک طرف امینِ صادق تھا۔

ایک طرف خائن تھا ایک طرف مکمل اسلام تھا اور ایک طرف مکمل
 کفر یہ جنگ ایمان و دیانت اور کفر و خیانت مابین تھی بظاہر خانوادہِ مصطفیٰ کو
 شہید کیا گیا لیکن حقیقت میں یزید مر گیا یزید کے حواری مر گئے یزید کی رُوح
 فنا ہو گئی۔

شیطان کی رگیں کٹ گئیں رُوحِ اسلام پر پڑنے والے یزیدیت
 کے منحوس سائے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے معدوم ہو گئے۔ حسین علیہ السلام جیت
 گئے یزید ہار گیا حسین علیہ السلام کے ساتھی حیاتِ ابدی کے مالک بن گئے
 یزید کے ساتھی کتے کی موت مر گئے محمد عربی کالاً ذلاً جیت گیا۔

بنو امیہ کا ناخلف ہار گیا فاطمہ کلال جیت گیا ہندہ کا پوتا مر گیا روح
اسلام فتحیاب ہو گئی روح شیطان شکست کھا گئی ایمان جیت گیا کفر ہار گیا حق
کو ساحل نصیب ہو گیا اور باطل ڈوب گیا۔

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کر بلا کے بعد
﴿محمد علی جوہر﴾

حُسنِ شہید ہو کر موت کی گرفت سے آزاد ہو گئے یزید پلید مر گیا
اُب اُے اُس کے حواری قیامت تک زندہ نہیں کر سکتے۔

شہادت عظمیٰ بے مقصد نہیں

جگر گوشہ رسول کی شہادت اُن روشن ترین مقاصد کی آئینہ دار ہے
جن کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

اس شہادت عظمیٰ کو بے مقصد قرار دینا حقائق سے چشم پوشی اور پاگل
پن کی دلیل ہے حسین علیہ السلام کا مقصد بلند تھا وہ گردن کٹا کر بھی اپنے
مقصد میں کامیاب ہو گئے یزید کا مقصد لغو اور پست تھا وہ حسین علیہ السلام کو
شہید کروا کر بھی ناکام و نامراد ہی رہا۔

یزید کی پوری افواج کی بات چھوڑ دو۔ صرف کر بلا میں امام عالی
مقام کے مقابلہ میں آنے والے یزیدی لشکر کی تعداد بائیس ہزار تھی اور امام

عالی مقام کے ساتھیوں کی تعداد صرف بہتر تھی اس کا یوں موازنہ کریں امام عالی مقام کے عقیدت کیثوں اور غلاموں کی تعداد کروڑوں اور اربوں تک پہنچ جاتی ہے۔

اور یزید کے عقیدت مندوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے امام عالی مقام کے ماننے والے کردار حسین کو علی الاعلان پیش کرتے ہیں اور یزید کے حواری یزید کی عظمت کا پرچار اس طرح کرتے ہیں جیسے چوری کر رہے ہوں۔

یا کسی کی جیب کاٹ رہے ہوں جب تک ان کا ضمیر بالکل مُردہ نہیں ہو جاتا ہے انھیں احساس ہوتا رہتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں اور دانستہ غلط تاویلیں کر رہے ہیں

قیامت تک نعرہٴ حسینیت بلند سے بلند تر ہوتا رہے گا اور برسرِ عام نعرہٴ یزیدیت لگانے والا کوئی پیدا نہیں ہوگا۔

حسین زندہ ہیں زندہ ضمیر حسین کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہیں گے یزید مُردہ ہے اُسے وہی نوازے گا جس کا ضمیر مُردہ ہو چکا ہے رُوح ابلیس کا مسکن بھی مَرے ہوئے ضمیر ہیں زندہ ضمیر تو شیطان کے لئے کھلے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں حق پرستوں کا نعرہ یہی رہے گا۔

حسینیت زندہ باد شہیدِ اعظم --- پاسندہ باد

یزیدیت مُردہ باد یزیدی چیلے --- مُردہ باد

پیغام امام حسین علیہ السلام

امام عالی مقام کا پیغام تھا سر کُٹتا ہے تو کُٹ جائے لیکن باطل کے سامنے جھکنے نہ دینا جان جاتی ہے تو جائے لیکن ایمان نہ جائے کُنبہ لُٹتا ہے تو لُٹ جائے لیکن عشق کی آبرو بچا لینا۔ بازو کُٹتے ہیں تو کُٹ جائیں لیکن عظمتِ قرآن و اسلام کا علم سرنگوں نہ ہونے دینا۔

اور یہ پیغام محض زبان سے ہی نہیں دیا تھا بلکہ ریگ زارِ کربلا کے ذرے ذرے پر اپنے غمِ رُخون سے نقش کیا تھا جہی تو آج کربلا کا ذرہ ذرہ یہ پیغام نشر کر رہا ہے اور رُخونِ حسین آواز دے رہا ہے۔

قتل گا ہوں سے چُن کر ہمارے علم
اور نکلیں گے عشاق کے قافلے

دعوے کی دلیل

امام حسین علیہ السلام خود اپنے دعوے کی دلیل بن کر دُنیا کے سامنے آئے ہیں آپ نے اسلام سے وفاداری کا پیغام خود پیکرِ وفا بن کر دیا جبر و تشدد سے ٹکرانے اور صبر و استقامت کا حکم خود پیکرِ صبر و استقامت اور تسلیم و رضا بن کر دیا ہے۔

اس لئے اسے جھٹلایا نہیں جاسکتا حسین نے جس ذمہ داری کا اعلان
کیا تھا اُسے پورا کر دیا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جو حق
آپ ذمہ تھا وہ آپ نے ادا کر دیا۔

رسمِ عشاق یہی ہے کہ وفا کرتے ہیں
یعنی ہر حال میں حق اپنا ادا کرتے ہیں

حوصلہ حضرت شیر کا اللہ اللہ
سر جدا ہوتا ہے اور شکر خدا کرتے ہیں

قرآن اور حسین

رَمِزِ قرآن از حسین آمو ختم
ز آتش او شعله ها اندوختیم

﴿اقبال﴾

امام الانبیاء رسول صادق و امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ہم تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہے ہیں ایک تو قرآن ہے اور دوسری میری اہل بیت۔ اگر تم ان دونوں کا دامن تھام کر رکھو گے۔

تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے قرآن اور میری اہل بیت ہمیشہ ساتھ رہیں گے اور ان کا راستہ کبھی الگ الگ نہیں ہو گا حتیٰ کہ یہ دونوں اکٹھے حوض کوثر پر ہم سے ملاقات کریں گے۔

ایک لطیف نکتہ

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانِ عالیشان میں ایک لطیف نکتہ کی نشاندہی ہوتی ہے ایک خاص الخاص راز سے پردہ اٹھتا ہے قیامت کے دن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پورے میدانِ محشر میں جلوہ گری ہوگی۔

مقامِ محمود پر آپ تشریف فرما ہوں گے جنت کے دروازوں کو آپ کھولیں گے عرشِ الہی کے سامنے آپ سجدہ ریز ہوں گے پُلِ صراط پر آپ اپنی امت کو گزار رہے ہوں گے **لَوْ الْحَمْدُ** خدا کی تعریف کا پرچم آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔

انبیاء علیہم السلام کی قیادت آپ فرما رہے ہوں گے خدا تعالیٰ کے

حضور میں اُمت کی سفارش و شفاعت آپ فرما رہے ہوں گے لوگوں کے اعمال وزن کرنے کیلئے میزان پر آپ ہوں گے اُمت کے دوزخیوں کو آپ جہنم سے نکال رہے ہوں گے۔

اُمت کا جہنم میں داخلہ روکنے کے لیے مالک فرشتہ دوزخ سے مجھ کو گفتگو آپ ہوں گے علیٰ ہذا القیاس عرصہ محشر کا کوئی مقام بھی تو ایسا نہیں ہوگا جہاں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لامتناہی قوتوں کا ظہور نہ ہوگا تو پھر وجہ کیا تھی۔

کہ آپ نے اہل بیت اور قرآن کے لئے فرمایا کہ یہ دونوں حوض کوثر ہم سے ملاقات کریں گے اس میں کوئی خاص حکمت تھی کہ باوجود پورے میدان محشر میں قوتِ مصطفائی کا ظہور ہونے کے آپ نے قرآن و اہل بیت سے ملاقات کے لئے حوض کو مخصوص فرمایا۔

رازِ یہ تھا

اس میں رازِ یہ تھا کہ رسولِ غیب دان شہادتِ حسین کی پیشگوئیاں فرما چکے تھے آپ جانتے تھے کی کر بلا کے پتے ہوئے صحرا میں جو انانِ اہل بیت کے ساتھ میرے حسین کو پیاسا شہید کر دیا جائے گا۔

شدت کی گرمی میں تین دن کی پیاس سے علی اکبر کے ہونٹ خشک ہو چکے ہوئے تھے علی اصغر کا حلق سوکھ کر کاٹا ہو چکا ہوگا، عون و محمد کی روئیں

پانی کے ایک گھونٹ کے لئے ترس رہی ہوں گی قاسم و فرزند ان عقیل و جعفر و علی کو پانی کی سخت ضرورت ہوگی۔

وجہ کیا تھی

خنجر جفا کی دھار کے نیچے ظہر کی نماز تہتم سے ادا کرنے والے حسین کو عصر کی نماز کی ادائیگی کے لئے وضو کرنے کیلئے پانی کی ضرورت ہوگی ان حالات میں ضروری تھا

کہ کربلا کے پیاسے شہیدوں کا استقبال کوثر و سلسبیل کے جام ہاتھ میں لے کر کیا جاتا بھی وجہ تھی کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

کتاب اللہ ہبل محدود من اسماء الی الارض
وعترتی اهل البیتی ولن یتفرقا حتی یرد
علی الحوض

﴿مشکوٰۃ مترجم جلد نمبر ۱ ص ۵۷﴾

اہل بیت کو سب سے پہلے حوض کوثر پر آنا تھا اور قرآن کو اہل بیت کے ساتھ آنا تھا اس لئے کہ رسول صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

کہ میری اہل بیت اور قرآن ہمیشہ ساتھ رہیں گے اور پھر اکٹھے ہی حوض کوثر پر ملاقات کریں گے۔

حسین قرآن کے ساتھ تھے

حسین قرآن کے ساتھ تھے قرآن حسین کے ساتھ تھا حسین اور قرآن کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

کر بلائے معلیٰ میں دو قرآن دوش بدوش تھے ایک قرآن خاموش تھا ایک قرآن ناطق تھا۔ حسین بھی قرآن تھے اور قرآن بھی قرآن۔

ایک قرآن نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول فرمایا اور ایک قرآن دوش رسول کا راکب بنا۔

ایمان حسین مرکز ایمان حسین ہیں

دوش نبی کی رحل کا قرآن حسین ہیں

﴿عاشق کیرانوی﴾

حسین کی عظمت کا اعلان قرآن نے کیا اور قرآن کی عظمت کا علم

حسین نے بلند کیا حسین کا احترام قرآن نے بتایا اور قرآن کا احترام کر کے

حسین نے دکھایا۔

ناموس حسین کی گواہی قرآن نے دی اور ناموس قرآن کا تحفظ حسین

نے کیا

حسین سے محبت و موافقت کرنے کا اعلان قرآن نے کیا اور قرآن

سے محبت کرنے کا سلیقہ حسین نے سکھایا۔

حسین کی شان قرآن نے بیان کی اور قرآن کی شان حسین نے بیان کی۔

حسین کی ابدی زندگی اور سرمدی حیات کی گواہی قرآن نے دی اور قرآن کی حفاظت کیلئے اپنی جان حسین نے پیش کر دی۔

قرآن نے کہا حسین زندہ ہے حسین نے فرمایا قرآن زندہ کتاب ہے۔

قرآن نے کہا حسین میرا ہے حسین نے فرمایا قرآن ہمارا ہے۔
قرآن نے کہا حسین کے لئے نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی حزن حسین نے فرمایا قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

تبلیغ کا اجر

قرآن نے امام الانبیاء کی زبان سے اعلان کیا!
کہ اے میرے اُمتیو! ہم تجھ سے اپنی تبلیغ کا صرف یہ بدلہ مانگتے ہیں
کہ ہماری اہل بیت سے محبت و مؤدّت کرو۔

قُلْ لَا اسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰی

﴿الشوریٰ آیت ۲۳﴾

حسین نے تیروں و تلواروں کی بارش میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ جان جاتی ہے تو جائے قرآن کے قوانین کا احترام کرو۔

آیت مباہلہ میں ذکر حسین

قرآن نے اعلان کیا کہ حسین علیہ السلام رسول ہاشمی کے نواسے ہی نہیں بیٹے بھی ہیں۔

ابناءنا و ابناء گم ﴿آیت مباہلہ﴾

حسین نے خطبہ دیا قرآن کسی مخلوق کا کلام نہیں یہ خالق کا کلام ہے خدا کا قانون ہے اور قانون خداوندی کو تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

قرآن نے حسین کو زندہ کھا ہے

قرآن نے کہا حسین زندہ ہیں حسین ابدی حیات کے مالک ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں رزق دئے جاتے ہیں۔

ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا
بل احياء عند ربهم يرزقون

﴿آل عمران ۱۶۸﴾

اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے اُن کو ہرگز مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے روزی پاتے ہیں۔

حسین علیہ السلام نے قرآن کے اس دعویٰ کی دلیل بن کر دکھایا آپ کا سر مبارک جسدا طہر سے علیحدہ ہو کر بھی قرآن مقدس کی تلاوت کر رہا

تھا۔

اور اعلان کر رہا تھا کہ حسین کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بھی قرآن کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا اس لئے کہ حسین کے نانا کا فرمان تھا کہ حسین اور قرآن علیحدہ علیحدہ نہیں ہو گے حتیٰ کہ حوض کوثر اکٹھے ہی آ کر ہم سے ملاقات کریں گے۔

قرآن نے حسین کی طہارت بیان کی۔

قرآن نے حسین کی طہارت و پاکیزگی کی گواہی ان الفاظ میں دی۔

انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل
البيت ويطهركم تطهيرا

﴿الاحزاب ۳۳﴾

اے نبی کے گھر والو اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر
آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب پاکیزہ کر دے۔

حسین علیہ السلام نے اعلان فرمایا۔ قرآن پاک طیب و طاہر ہے
اس کے پاک اور مقدس منشور کو بد لئے نہیں دوں گا۔

اس کے طیب و طاہر دستور میں یزید پلید کے اختراعی اور نجس قوانین
کی آمیزش نہیں ہونے دوں گا۔

خطبات حسین کا ما حاصل

سرزمین کربلا پر امام عالی مقام کے مختلف خطبات عالیہ کا ما حاصل
یہی تھا کہ قرآن کے خلاف کوئی آئین برداشت نہیں کیا جائیگا

آئین ہوگا تو صرف قرآن کا

دستور ہوگا تو قرآن کا

حکومت ہوگی تو قرآن کی،

قانون ہوگا تو قرآن کا۔

فاطمہ کے لال پر تیروں تلواروں اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی لیکن

آپ ہر قیمت پر قرآن کا تحفظ کرنا چاہتے تھے۔

چھائے تھے بادل ظلم و تشدد کے آل پر

پتھر برس رہے تھے محمد کے لال پر

امام عالی مقام پر جبر و تشدد اور ظلم و ستم صرف اس لئے ڈھایا گیا تھا

آپ نے قرآنی احکام کو توڑنے والی حکومت کو خلافت الہیہ تسلیم کرنے سے

انکار کر دیا تھا۔

امام کا اعلان

قرآن حسین کے سینے کے ساتھ لگا ہوا لرز رہا تھا لیکن محافظ قرآن

استقلال واستقامت کی چٹان بن کر قرآن کی طرف آنے والا ہر تیر اپنے
جسم نازنین پر روک رہا تھا

اور یہ صداقت نشان خطبہ ارشاد فرما رہا تھا۔ اے لوگو! حسین نے
تمہیں دعوت الی الحق دینے کا فریضہ ادا کر دیا۔

اب تمہاری مرضی ہے اُسے قبول کرو یا نہ قبول کرو میں نے تمہیں بتا
دیا ہے کہ باطل کیا ہے اور حق کیا ہے

اور اچھی طرح وضاحت کر دی ہے کہ حق کا دوسرا نام مکمل طور پر
نظامِ مصطفیٰ کا نفاذ ہے اور نظامِ مصطفیٰ کا دوسرا نام آئینِ قرآن ہے۔
مسلمان کہلانا ہے تو نظامِ مصطفیٰ اور آئینِ قرآن سے روگردانی نہ کر۔

ہستی مسلم زائین است و بس
باطن دین نبی ایں است و بس

تو ہی دانی کہ آئین تو چسیت
زیر گردوں سر تمکین تو چسیت

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم

نسخہ اسرار تکوین حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

حرف او راریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندہ تاویل نے

پختہ تر سودائے خام از زور او
درفند باسنگ جام از زور او

نوع انساں را پیام آخرین
حال او رحمة العلمین

رہنماں از حفظ او رہبر شدند
از کتابے صاحب دفتر شدند

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیت ممکن جز بقراں زیستن

﴿اقبال﴾

قرآن اور حسین کی گفتگو

حسین نے آئین قرآن کی حفاظت کرنے کا دعویٰ علی الاعلان کیا
تھا قرآن نے کہا حسین تمہیں ابدی حیات کی بشارت دینے والا اُخدا تمہیں
آزمانا چاہتا ہے تیرا امتحان مانگتا ہے تیرے دعوے کی دلیل طلب کرتا ہے
حسین نے کہا میں حاضر ہوں۔

قرآن نے کہا بھوک اور پیاس برداشت کرنا پڑیگی۔

حسین نے کہا میں حاضر ہوں

قرآن نے کہا جان سے ہاتھ دھونا پڑیگی۔

حسین نے کہا حاضر ہوں۔

قرآن نے کہا جانیں دینا پڑیگی۔

حسین نے کہا میں حاضر ہوں۔

قرآن نے کہا پھل چھوڑنے پڑیگی۔

حسین نے کہا میں حاضر ہوں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ
مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

﴿البقرة ۱۵۶﴾

اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے کچھ مالوں اور
کچھ جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔

اور پھر بتول کے چاند نے جب کوہ رضا اور پیکر صبر و استقلال بن کر
امتحان دیا تو قرآن پکارا اٹھا۔

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ
قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ
صَلَوَاتُ مِن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ

﴿البقرة ۱۵۷﴾

اور خوشخبری دو ان کو صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آ جائے
تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے یہ وہ لوگ ہیں
جن پر اللہ کے درود اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔

حسین نے امانت واپس لوٹا دی

قرآن نے کہا۔ حسین علیہ السلام، تم امین و صادق رسول صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے نواسے ہو۔ اور خدا کی امانتوں کے امین ہو خدا تم سے اپنی

امانتیں واپس مانگتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَوَدَّوْا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا

﴿انساء۔ ۵۸﴾

بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جن کی امانتیں ہیں انہیں واپس کر دو۔

حسین علیہ السلام نے کہا میں حاضر ہوں۔ اور پھر امین صادق نے ہر امانت کو بارگاہ خداوندی میں اس طرح واپس کر دیا کہ جبین اقدس پر بل بھی نہ آیا۔ پورا خاندان خدا کی راہ میں نذر کر دیا جو چل کر میدان میں نہیں جاسکتا تھا اُسے ہاتھوں میں اٹھا کر بارگاہ رب جلیل میں پیش کر دیا۔

صدائے سروش آئی۔ حسین علیہ السلام، تم امین صادق ہو تمہاری امانت و دیانت کا قیامت تک ڈنکا بجتا رہے گا۔ اور پھر اہل بیت کے ایک ایک فرد کو پورے خلوص و نیاز مندی کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں پیش کرنے والے امام عالی مقام جب اپنی جان کی امانت بھی پیش کر دینے کے لئے مقتل کو جانے لگے۔

تو سیدہ زینب نے روک لیا۔ آپ مقدس ہمشیر کی بات سننے کے لئے رُک گئے۔

یزیدیوں کی طرف سے آواز آئی۔

حسین: اب موت کو سر پر دیکھ کر ڈر کیوں گئے ہو میدان میں آؤ۔
قرآن نے کہا ظالمو! حسین علیہ السلام کو ڈرنے کا طعنہ مت دو۔ خدا

کی راہ میں جانیں دینے والوں کو تو تمام خوف و خطرات سے بے نیاز کر دیا جاتا ہے اور اس پر میری گواہی ہے۔

فرحين بما آتاهم الله من فضله ويستبشرون بما
الذين لم يلحقوا بهم من خلفهم الا خوف
عليهم ولا هم يحزنون

﴿آل عمران ۱۶۰﴾

شہید شاد ہیں اُس پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور
خوشیاں منارہے ہیں اپنے پچھلوں کو جو ابھی ان سے نہ ملے کہ ان پر نہ کوئی
خوف ہے اور نہ کچھ غم۔

قرآن الگ نہیں

قرآن اور حسین علیہ السلام کو علیحدہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ قرآن کا
ایک ایک لفظ معنی اور ایک ایک حکم حسین علیہ السلام کے بال بال میں رچ
بس گیا تھا۔

شہید دے لوں لوں وچ صائم قرآن انج رچیا ہویا سی
سر نیزے چڑھیا ہویا وی قرآن دی کر تفسیر گیا

قرآن کا نزول حسین علیہ السلام کے نانا پر ہوا، قرآن کی تلاوت کا

حق حسین علیہ السلام کی ماں نے ادا کیا اور قرآن کے احکام کو پورے طور پر مان لینے کا حق شبیر علیہ السلام نے ادا کر دیا قرآن کا ایک ایک حرف روح حسین علیہ السلام میں سرایت کر چکا تھا۔

کیوں نہ ہوتا۔ حسین علیہ السلام ماں کی گود میں ہوتے اور حسین علیہ السلام کی ماں چلکی بھی پیس رہی ہوتی اور تلاوت قرآن بھی کر رہی ہوتی چلکی سے آٹا نکالتی تو قرآن کی تلاوت جاری ہوتی۔ آٹے کے لئے پانی نکالتی تو تلاوت قرآن کے ساتھ، آٹے میں پانی ڈالتی تو تلاوت قرآن کے ساتھ آٹا گوندھ رہی ہوتی تو تلاوت قرآن جاری ہوتی۔

روٹیاں پکا رہی ہوتی تو تلاوت قرآن جاری ہوتی، روٹی کا ایک ایک لقمہ توڑ کر بچوں کو کھلا رہی ہوتی تو تلاوت قرآن جاری ہوتی، اب خود ہی اندازہ کر لو کہ

حسین علیہ السلام کے مقدس خون میں قرآن کس طرح گردش کرتا ہوگا۔

عقل سوال کرتی ہے

عقل سوال کرتی ہے۔ قرآن اگر حسین علیہ السلام کے ساتھ تھا تو حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں آنے والے بھی قرآن پڑھتے تھے بلکہ ان میں بیشتر لوگ قرآن کے حافظ تھے ان کے سینوں میں بھی قرآن محفوظ تھا پھر حسین علیہ السلام کے قرآن میں کیا خصوصیت تھی۔

قرآن تو دونوں فریقوں کی طرف تھا پھر حسین علیہ السلام کے
قرآن کو کیوں ترجیح دی جاتی ہے۔

قرآن کا جواب

حسین علیہ السلام کی طرف سے قرآن نے جواب دیا۔ قرآن نے
کہا حسین علیہ السلام؛ تیری عصمت کی حفاظت میرے ذمہ ہے۔

تیری طرف سے میں جواب دیتا ہوں اور پھر قرآن نے کھول کر بتا
دیا کہ میں ظالموں کو کچھ فائدہ نہیں دیتا، بلکہ اُن کا خسارہ بڑھاتا ہوں ان کے
زبان و نقصان کو اور زیادہ کرتا ہوں ان کے گھائے میں اور اضافہ کرتا ہوں
میں اگر شفا اور رحمت ہوں تو مومنوں کے لئے۔

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمو

منین ولا یزید الظلمین الا خساراً۔

﴿بنی اسرائیل ۸۲﴾

اور ہم قرآن میں جو چیزیں نازل فرماتے ہیں وہ ایمانداروں کے
لئے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کا تو نقصان ہی بڑھتا ہے۔

ظالموں کا ذکر کیا

قرآن نے یہاں مومنوں کے مقابلہ میں کفار کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ
ظالموں کا ذکر کیا ہے۔

کفار کو قرآن سے کیا نقصان ہوتا وہ تو سر سے قرآن کو مانتے ہی نہیں گھٹا تو ان لوگوں کے لئے ہے جو قرآن کو مانتے ہیں مگر نہیں مانتے قرآن پاک اللہ کی کتاب ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن اس کے احکام کو تسلیم نہیں کرتے۔

امام عالی مقام کے مقابلہ میں آنے والے بلا شک و ریب ظالم تھے اُن کے مظالم کو ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں اُن کے ظلم و ستم کی داستانیں بن چکی ہے۔ اُن کے ظلم کو ظلم کی انتہا کہا جاسکتا ہے انہوں نے قرآن پڑھ کر قرآنی احکام کی خلاف ورزی کی تھی۔

قوانینِ خداوندی کو توڑ

نے والے ذلیل حاکم کا ساتھ دیا تھا، حق کے ساتھ مقابلہ کیا تھا اور باطل کو نوازا تھا۔ وہ قرآن پر رہتے تھے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترتا تھا قرآن ان کے سینوں میں تھا مگر ان کا خسارہ بڑھاتا تھا۔

قرآن حسین کے ساتھ ہے

قرآن اگر شفاء تھا تو حسین علیہ السلام کے لئے، رحمت تھا تو حسین علیہ السلام کیلئے اس لئے کہ حسین علیہ السلام سرِ اِپا ایمان تھے۔ قرآن ایمانداروں کے لئے شفا اور رحمت ہے یزید کے حفظ و قاری ظالم تھے ان کے لئے خسارے کا باعث بنا۔

انہوں نے قرآنی آیات کو رضائے یزید کے لیے استعمال کیا تھا اور حسین علیہ السلام نے قرآن کو رضائے حق نے قرآنی آیات کو رضائے یزید کے لئے استعمال کیا تھا اور حسین علیہ السلام نے قرآن کو رضائے حق کے لئے تلاوت فرمایا تھا قرآن کا سینوں میں آجانا باعث نجات نہیں ہو سکتا سینے میں آئے ہوئے۔

بد اعمال حفاظ کا انجام

قرآن کا احترام باعث نجات ہے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن کچھ لوگ میدانِ محشر میں اکڑوں بیٹھے ہوں گے۔ زمین آگ اگل رہی ہوں گی آفتاب آگ برسا رہا ہوگا اور ان کے دماغ کھولتے ہوں گے۔

خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہوگا آج کے دن کے لئے کیا لائے ہو۔ وہ کہیں گے۔ یا اللہ ہم نے تیری رضا حاصل کرنے کے لئے قرآن کو حفظ کیا اور خوش آوازی سے لوگوں کو پڑھ کر سنایا۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہوگا تم غلط کہتے ہو۔ تم جھوٹے اور کذاب ہو۔ خدا کی آواز کے ساتھ فرشتوں کی آوازیں آئیں گی تم جھوٹے ہو تم جھوٹے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم لوگوں کی خواہش تھی کہ لوگ تمہارا

حافظ قرآن سمجھ کر احترام کریں اور جب تمہیں حافظ قرآن کہا جاتا تو تمہارا نفس حظ حاصل کرتا تھا تمہاری خواہش کے مطابق دنیا میں تمہیں اس کا بدلہ دے دیا گیا۔ اب وہ عمل پیش کرو جو آج کے دن کے لئے لائے ہو۔

حفظ کرنے کا مقصد

یزید کے لشکر میں کئی حافظ قرآن تھے لیکن قرآن ان کے سینوں میں ایسے تھا جیسے زبردستی مجبوس کر دیا گیا ہوا نہ ہوں نے قرآن کو قید کر رکھا تھا قیدی کس طرح خوش رہ سکتا ہے۔

قرآن تو ان کے لئے بددعا کرتا ہے اور یہی ان کے لئے خسار تھا قرآن طیب و طاہر اور پاک تھا ان کے سینوں میں حسد و بغض کی غلاظت بھی تھی اور کینہ تو زہی کی نجاست بھی پھر قرآن سے وہ کیا فائدہ اٹھا سکتے تھے عمرو کستوری کو اگر غلاظت کے ڈھر پر رکھ دیا گیا جائے تو کیا حاصل ہو گیا۔

عطر کی شیشی اگر گندگی اور نجاست پر اُنڈیل دی جائے تو اس کا کیا فائدہ ہوگا قرآن حفظ کرنے کا مقصد تو یہ ہے کہ قرآن کا احترام کیا جائے قرآن کے تقدس کی حفاظت کی جائے۔

قرآن کے احکام مانو

قرآن کے احکام کو ماننا جائے اور قرآن کی حدوں کو صدق دل سے تسلیم کیا جائے قرآن کو ڈھانچنے کے لئے طیب و طاہر اور پاک اور صاف

غلاف کی ضرورت ہے قرآن کو گندے اور غلیظ غلاف میں رکھنا قرآن کی کھلی توہین ہے۔

قرآن سے بد عہدی

اور کوئی قرآن کی توہین کر رہے تھا یا نہوں نے قرآن کو گندے اور نجس علاقوں میں بند کرنے کا جرم کیا ہے ان کے سینوں کے غلاف انتہائی غلیظ ہو چکے تھے۔

ان میں حسد اور بغض کی بدبو پیدا ہو چکی تھی کیے اور عداوت کی تہیں جم چکی تھیں بے وفائی اور بد عہدی کی نجاست سے آلودہ ہو چکے تھے انہوں نے قرآن ناطق سے بد عہدی کی تھی۔

کتاب اللہ سے بے وفائی کی تھی وہ قرآن کے محض نام کے حافظ تھے محافظ نہیں تھے انہوں نے طہارت قرآن کو بغض اور بے وفائی کی نجاست و غلاظت سے آلودہ کر رکھا تھا اور قرآن ان کے ناپاک اور نجس سینوں سے نکل جانے کے لئے تڑپ رہا تھا۔

قرآن انہیں گھائے اور خسارے کی وعید سن رہا تھا ان کے سینوں میں قرآنی لفظوں کے جسم تھے ان میں قرآن کی روح نہیں تھی اور دوسری طرف امام برحق امام حسین علیہ السلام نے قرآن کو طیب و طاہر اور نوریزر غلافوں میں لپیٹ رکھا تھا۔

قرآن کے ایک ایک حرف کو خوشبوئے رسول میں بسا رکھا تھا۔

امام حسین کی طہارت کی گواہی

حسین علیہ السلام کی طہارت و پاکیزگی کی شہادت خود قرآن نے آیت تطہیر میں دے رکھی تھی پھر قرآن کو رہنے کے لئے اس سے زیادہ پاکیزہ جگہ کہاں حاصل ہوتی۔

یہی وجہ تھی کہ قرآن حسین علیہ السلام کے ساتھ تھا اور حسین علیہ السلام قرآن کے ساتھ تھا قرآن بھی طیب و طاہر ہے اور حسین علیہ السلام بھی طیب و طاہر ہیں۔ قرآن بھی نور ہے اور حسین علیہ السلام بھی نور ہیں قرآن بھی مرکز ہدایت ہے۔

اور حسین علیہ السلام بھی مرکز ہدایت ہیں قرآن بھی روشنی کا مینار ہے اور حسین علیہ السلام بھی روشنی کا مینار ہیں قرآن اور حسین اس لئے اکٹھے رہیں گے دونوں کا منشاء و مقصد ایک ہے دونوں کی آواز ایک ہے۔ پیغام ایک ہے مقصد ایک ہے۔

منشور ایک ہے آئین اور دستور ایک ہے۔ منزل ایک ہے۔ راستہ ایک ہے فرائض ایک ہیں اور امام الانبیا سے ملاقات کا مقام ایک ہے وقت وصال ایک ہے یزید فوج اگر قرآن کے احکام کو تسلیم کر لیتی تو شہزاد رسول اور بتول کے چاند پر کبھی تیغ جفا نہ اٹھاتی قرآن نے تو فرمایا تھا کہ اہل بیت

رسول سے موڈت اور محبت کرو لیکن وہ اہل بیت رسول پر تیروں اور تلواروں
کی بارش برسا رہے تھے۔

پھر قرآن ان کے ساتھ کیسے رہ سکتا تھا قرآن حسین علیہ السلام کے
ساتھ تھا جو اپنے دادا جناب اسمعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے حق میں نازل
ہونے والی آیت وفدینہ عظیم کی تفسیر پیش کر رہا تھا۔

jabir.abbas@yahoo.com

عقل و عشق

ہر کہ پیا باہوا الموجود است
گرویش از بند ہر معبود رست

مومن از عشق و عشق از مومن است
عشق را ناممکن مامکن است

عقل سفاک است و او سفاک تر
پاک تر چالاک تر بیباک تر

عقل در پیچاک اسباب و علل
عشق چوگان باز میدان عمل

عقل صید از زور بازو افکند
عقل مکار است و دایم می زند

عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقین لا ینک است

عقل چون باد است ارزاں در جہاں
عشق کیاب و بہائے اُد گراں

عقل محکم از اساس چون و چند
عشق عریان از لباس چون و چند

عقل میگوید کہ خود را پیش کن
عشق گوید امتحان خویش کن

عقل گوید شاد شو آباد شو
عشق گوید بندہ شو آزاد شو

عشق را آرام جاں حریت است
ناقہ اش را سارباں حریت است

آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد
 عشق با عقل ہوں پرور چہ گرد
 ﴿اقبال﴾

فتح کردار کی ہوتی ہے تلوار کی نہیں ذوالفقار حیدری کے ساتھ ساتھ
 کردار ید الہی بھی تھا اسلامی فتوحات کے ساتھ کردار کی بلندیوں شامل نہ ہو
 تیں تو اسلام کا نام و نشان مٹ جاتا۔

صف جنگاہ میں مردان خدا کی تکبیر
 جوش کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

﴿اقبال﴾

مظلوم کی آہ عرش الہی کو کیوں بلا دیتی ہے۔ خداوند قدوس ظالموں
 سے بریت و علیحدگی کا کیوں اظہار فرماتے ہیں یہاں تھوڑا سا غور کرنا ہوگا
 ظالم فوج ماہر فاتح اور اس کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے والا مظلوم بظاہر شکست
 خور وہ ہوتا ہے۔

پھر ظالم کی فتح کو خراج عقیدت کیوں پیش نہیں کیا جاتا۔ اس کی فتح
 کا ذکر اچھے لفظوں سے کیوں نہیں ہوتا مگر اسے فتح کی داد کیوں نہیں دیتا
 صرف اس لئے کہ اس کی فتح کے پس پردہ اس کے اخلاق کی شکست اور کردار
 کی موت ہوتی ہے۔

بیشتر انبیائے کرام تیغ جفا کا شکار ہو کر مقام شہادت پر فائز ہوئے

لیکن وہ قطعی طور پر فاتح کرار پائے گئے ان کی موت کو ان کی شکست کے نام سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ان کی موت تو زندگی کی بھی زندگی ہے ہر بات کے ناپ تول کے لئے عقل کا پیمانہ کافی نہیں ہوتا۔

عقل دھوکہ کھا جاتی ہے

عقل تو بار بار دھوکہ کھا جاتی ہے عقل تو ہمارے دنیاوی کاروبار میں بھی پوری پوری راہنمائی نہیں کرتی ہم اس کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر متعدد بار ٹھوکروں کا شکار ہو جاتے ہیں پھر اس پر اندھا دھند اعتماد کس طرح کیا جاسکتا ہے۔

عقل بھی تو ایک جیسی نہیں ہوتی ظروف بدلنے سے اس کا انداز اور طریقہ استعمال بھی بدل جاتا ہے پھر کون سا ضروری امر ہے کہ اسے ہر بات میں اور ہر ظرف میں مطمئن کیا جاسکے اگر عقل پر ہی اعتبار حقیقت رکھا جائے گا تو پھر یہ تو اسی بات کو مانے گی جس کا یہ احاطہ کر سکے اس کا دار و مدار مشاہدات پر ہے۔

ان مشاہدات و محسوسات پر جسے یہ ظاہر کی آنکھ سے دیکھ سکے یا محسوس کر سکے اس زیادہ نہیں جی بھی تو اسے اطمینان کی دولت نصیب نہیں قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں مردہ مت کہیں۔

ومن يقتل فی سبیل اللہ اموات

عقل کا سوال

عقل پریشان ہو گئی ایک طرف ارشاد خداوندی ہے دوسری طرف ناقابل قبول بات ہے جھنجھلا کر سوال کر دیا اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں کو مردہ کیسے نہ کہیں جبکہ وہ مردہ ہو چکے ہیں ان کے جسم کے تمام اعضا کاٹے جا چکے ہیں۔

زندگی کے آثار ختم ہو چکے ہیں رشتہ حیات ٹوٹ چکا ہے شیرازہ ہستی منتشر ہو چکا ہے جسم کا ایک ایک حصہ بے حس ہو چکا ہے ہر عضو بدن سے حرارت حیات ختم ہو چکی ہے گردن کا منکا ڈھل چکا ہے آنکھوں میں حلقے پڑ چکے ہیں پتلیوں کا نور ختم ہو چکا ہے۔

خون کا ہر قطرہ یا تو بہہ چکا ہے یا منجمد ہو کر رہ گیا ہے گردن جسم سے علیحدہ ہو چکی ہے جسم کے اعضاء کٹ کٹ کر بکھر چکے ہیں اور ان اعضا کو بھی گھوڑوں کے سموں سے پامال کر دیا گیا ہے پھر اس حالت میں اُسے مردہ نہ کہیں تو کیا کہیں عقل نے بڑی ہمت سے استدلال پیش کیا تھا لیکن قرآن یہاں خاموش نہیں ہے۔

قرآن کا جواب

قرآن نے فرمایا۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ بل احياء۔

شہید کی تجدید حیات کرتی ہے شہید کا ہر عضو بدن کٹ جانے پر بھی
زندگی کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اور لحد کے اندر بھی رشتہ حیات نہیں ٹوٹتا۔

سردی مَرَقَد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھوسکتا نہیں

پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ

ہے لحد اس قوتِ آشفۃ کی شیرازہ بند
ڈالتی ہے گردن گر دوں میں جو اپنی کمند

موت تجدید مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
﴿اقبال﴾

عقل کے پیچ و تاب

عقل چچ و تاب کھانے لگی اپنی نارسائی پر عدمت کے آنسو بہائے
مضطرب ہو کر سوال کر دیا خدا کی راہ میں مارے جانے والے زندہ ہیں تو

ہمیں نظر کیوں نہیں آتے۔

سوال بڑا گہرا اور پیچیدہ تھا عقل نے پوری قوت سے سوال کیا تھا لیکن قرآن نے اسے خاموش کر دیا قرآن معے کی بات نہیں کرتا قرآن کا اپنے لئے اعلان ہے کہ مجھ میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔

قرآن نے فرمایا۔ شہید تو زندہ ہیں مگر تم شہیدوں کی زندگی کا شعور نہیں کر سکتے۔

ولکن لا تشعرون۔

عقل عیا رتھی

قرآن مقدس کا عقل کے لئے کھلا چیلنج تھا اسے اس کی نا سمجھی کا طعنہ دیا گیا تھا مگر اس کے پاس بے بسی کے سوا کچھ نہ تھا اپنی ناتمامی کا اقرار کرنا پڑا اپنے محدود ہونے کا اعتراف کرنا پڑا اپنی مایوسی اور محرومی کو محسوس کرنا پڑا عقل عیا ر تھی۔

احساس کمتری نے پریشان کر دیا قرآن کی محدود سے نکلنے کے لئے ظرف بدل لیا ظرف کی تبدیلی سے سوچنے کا انداز بدل گیا۔ اور سوال کر دیا ایسی بات کا یقین کیسے کر لیا جائے جس کا شعور نہیں کیا جاسکتا شہید زندہ ہیں تو نظر کیوں نہیں آتے۔

عقل ناتمام کو اس سوال کے بعد اطمینان حاصل ہو گیا اس نے بڑا

زوردار سوال کیا تھا ۔

ظاہریوں اور مشاہدات تک محدود رہنے والوں کیلئے اس سوال میں بہت کشش ہے لیکن عقل کا یہ سوال بھی اس کی کم عقلی کی دلیل ہے انتہائی ناقص اور کمزور دلیل۔

ہم یہ چاہتے ہیں

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر زندگی اور موجودگی کا اعتبار ہمارے مشاہدات پر ہی رکھا جائیگا تو پھر ہمیں قوم جنات کیوں نظر نہیں آتی حالانکہ وہ زندہ بھی ہے اور موجود بھی ہمیں فرشتے کیوں نظر نہیں آتے جو زندہ بھی ہیں اور موجود بھی کیا تم ان کی زندگی کا انکار کر سکتے ہو۔

مگر یہ جواب ان ظروف کو کیسے مطمئن کر سکتا ہے جن کا کتاب مقدس پر اعتماد و یقین ہی نہیں فرشتوں اور جنوں کی مثال بیکار ہے اس لئے ان پر ہم دوسرا سوال کریں گے کہ اگر یہ درست ہے کہ زندگی کا دار و مدار نظر آنے پر ہی رکھا جاسکتا ہے۔

تو پھر ایسی نظر تلاش کرو جو ہوا کو دیکھ سکے تمہاری ریسرچ نے تمہیں باور کرا دیا ہے کہ ہوا زندہ ہے بلکہ تم اس سے بڑکر ہوا کو حیات بخش اور حیات آفرین بھی تسلیم کرتے ہو۔

تم ہمیں ہوا کی صورت دکھا دو ہم تمہیں سید الشہداء امام حسین کی

زیارت کروادیتے ہیں حالانکہ ہوا نظر آتی ہے ہم نے ہوا کو کئی بار دیکھا ہے تم کہو گے کہ لاو وہ آنکھ ہمیں دے دو جو ہوا کو دیکھ سکتی ہے مگر یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

لباس کثیف کی مثال

تم سب نے ہوا کو دیکھا ہو گا ہوا جب گرد و غبار کا کثیف لباس اوڑھتی ہے تو بگولوں اور آندھی کی شکل میں ہم سب کو نظر آ جاتی ہے لیکن جب گرد و غبار کا کثیف لباس اُس کے جسم لطیف سے اتر جاتا ہے تو باوجود زندہ اور موجود ہونے کے نہ تو نظر آتی ہے اور نہ ہی محسوس کی جاسکتی ہے۔ گرد و غبار کی کثافت اتر جانے سے اس کی قوت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اس میں ایک خاص قسم کا ٹھہراؤ آ جاتا ہے وہ فضا کے درمیان ایک مضبوط دیوار بن جاتی ہے اسے اطمینان اور قرار حاصل ہو جاتا ہے وہ کبھی نیم سحری بن کر مشام دل و جان کو معطر کرتی ہے اور کبھی باد صبا کا روپ دھار لیتی ہے۔

حیات لطیف حاصل ہو جاتی ہے

بلا تشبیہ اسی طرح جب شہید اربعہ عناصر کے کثیف لباس کی قید سے باہر آ جاتا ہے تو اُسے حیات لطیف حاصل ہو جاتی ہے اسے ایک ایسی پائندار اور مضبوط زندگی مل جاتی ہے جو کبھی زوال و انحطاط کا شکار نہیں ہوتی وہ

موت کی دست برد سے باہر آ جاتا ہے۔

ہوا کی موجودگی کا احساس

اس کی قوتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اسکا جسم اگرچہ متشکل ہوتا ہے مگ روح ہی کی طرح لطیف ہو جاتا ہے اس قدر لطیف اور طاقت ور کہ موسم کا تغیر و تبدل اسے متاثر نہیں کر سکتا موسم کے لحاظ سے ہوا کی حدت و برودت کا احساس ضرور ہوتا ہے۔

اگرچہ وہ نظر نہ آتی ہو لیکن ہوا کی موجودگی کو محسوس کر لینے کے لئے بھی شرط حیات ہے ہوا کی سردی گرمی اور موجودگی کا احساس زندہ کے لئے ہے مردہ کے لئے نہیں شہیدوں کی موجودگی اور اس کی زندہ قوتوں کا احساس بھی وہی کر سکتا ہے جو خود زندہ ہو۔

ہوا پر موسم کے تغیرات حاوی ہوتے ہیں اس لیے اس کی سردی گرمی اور اجسام کی زندگی محسوس کر لیتی ہے۔

شہید کی زندگی

شہید کی زندگی پر تغیرات رونما نہیں ہو سکتے اس لئے اس کا احساس ارواح کو ہوتا ہے شہید کی موجودگی کا احساس کرنے کے لئے زندگی شرط ہے روح کی زندگی ضمیر کی زندگی قلب و دماغ کی زندگی ایمان اور یقین کی زندگی شہزادہ گلگوں قبا۔

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی حیات آفرین زندگی کا مشاہدہ کرنا ہو تو ایمان اور یقین کو زندہ کرو قلب و ضمیر کو زندہ کرو۔ اپنی بیمار روح کو تندرست کو۔

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

﴿اقبال﴾

جب تمہارے قلب و ضمیر زندہ ہو جائیں اور روح کو بالیدگی اور ایمان کو حرارت نصیب ہو جائے تو پھر دیکھنا کہ تمہیں امام عالی مقام کی حیات آفرین حیات کا احساس کس شدت سے ہوتا ہے۔ تم جب بھی ان کا ذکر کرو گے و اتہمہارے پاس ہوں گے یہ اس مقدس طاقت کے لوگ ہیں جو کبھی اپنے ذاکر سے دور نہیں ہوتے۔ وہ مذکور ہی کیا جو اپنے ذاکر سے دور ہو۔

حسین کی زندگی کا ثبوت

جب ذکر حسین علیہ السلام کرتے یا سنتے ہوئے تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب موجزن ہو جائے دل بے قرار ہو کر تڑپنے لگے۔ ہر موئے بدن چرتا ہوا محسوس ہونے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ امام عالی مقام تشریف لائے ہیں اور رباب دل پر انہیں کے کرم کی چوٹ پڑی ہے۔ اب تم سوال کرو گے۔ قلب و ضمیر کو زندگی کیسے دی جائے۔

ایمان کو حرارت کیسے نصیب ہوگی روح کو چلا کیسے ملے گی۔ تو ان
سب کے احیا کے لئے اک ہی نسخہ کافی ہے۔

عشق کی دنیا میں آ جاؤ

اور وہ ہے عقل کی بھول بھلیوں اور خود فریبیوں کے جال کو توڑ کر عشق
کی دنیا میں آ جانا عشق تمام مردہ قوتوں زندہ کر دے گا۔ حجابات اٹھ جائیں
گے۔ مشاہدات کی دنیا میں آ جاؤ گے احساسات کے جہان میں انقلاب
آ جائے گا اور قلب روح پر ہمہ وقت تجلیات کا ورود ہوگا۔ عشق تمہیں حیات
ابدی عطا کر دے گا۔ عشق تمہیں حیات ابدی عطا کر دے گا۔

عشق آئین حیات عالم است
امتزاج مامات عالم است

عشق را از تنج و خنجر پاک نیست
اصل عشق از آب و باد و خاک نیست

در جہاں ہم صلح و ہم پیکار عشق
آب حیواں تنج جوہر دار عشق

از نگاہ عشق خارا شق شود
عشق آخر حق سراپا حق شود

﴿اقبال﴾

امام حسین کا پیغام

کربلا کے آگ کی طرح جلتے ہوئے ریگستان میں نیزوں برچھیوں
اور تیروں تلواروں کی بارش میں عاشقوں کے امام نے یہی پیغام تو نشر کیا تھا
کہ مقصود مومن عشق ہے جان نہیں۔

عشق اگر فرماں دہداز جان شیریں ہم گذر
عشق محبوب است و مقصود است جاں مقصود نے

﴿اقبال﴾

عقل کو غلام بنا لو

عقل بڑے کام کی چیز ہے لیکن کسی حد تک اس کا مقام متعلق ہو چکا
ہے اگر اس کو غلام بنا کر رکھو گے تو پھر نفع ہی نفع حاصل ہوگا اور اگر اس کی خود
غلامی اور اتباع اختیار کر لو گے تو خسارہ ہی خسارہ اور گھانا ہی گھانا ہے۔

امام عالی مقام کا پیغام تھا زندہ رہنا ہے تو آزادی و حرمت کی زندگی
بسر کرو اور اگر آزادی قلب و ضمیر حاصل نہیں تو جان قربان کر دو اور دامن
حریت کو دغا دار ہونے سے بچالو۔

پیمبر عشق کا ایک فرمان یہ بھی تھا کہ اپنا راہنما بنانا ہے تو عشق کو بناؤ
عقل کو تابع فرمان کر دو تم پر حیات ابدی کے اسرار کھل جائیں گے۔

من بندہ آزادم عشق است امام من
عشق است امام من عقل است غلام من

﴿اقبال﴾

عشق اگر امام ہو گا

عشق اگر امام ہو گا تو آسودہ منزل ہو جاؤ گے اور اگر یہی امامت
عقل کو سوئپ دو گے تو منزل سے دور ہوتے چلے جاؤ گے عقل کی راہبری میں
چلو گے تو یہ تمہیں شک و ریب میں مبتلا کر دے گی اور پھر نفس راہنرں تم سے
یقین و اعتماد کی دولت لوٹ لے گا۔

عقل بے مایہ امامت کی سزا وار نہیں
راہبر ہوں ظن و تخمین تو زبوں کا ر حیات

﴿اقبال﴾

عقل کے پیچھے چلنے والو

عقل نا تمام یوں بنالینے والے اس انداز سے سوچ رہے ہیں ہ اگر
امام حسین تحت حکومت کے لالچ اور ہوس میں جلد بازی نہ کرتے تو ان کا یہ
حشر نہ ہوتا بیمار عقلوں کے فرسودہ ظرو فاس پیکر عشق اور امام برحق کی سیاسی

غلطیاں جمع کرنے میں مصروف ہیں جس کا خمیر ہی عقل کل کے مقدس خون سے اٹھایا گیا تھا۔

جس کے رگ وریشہ میں خون رسول رچا ہوا تھا مدینۃ العلم کی آغوش میں آنکھ کھولی اور باب العلم کے زیر سایہ تربیت حاصل کی تھی۔ ان کی بے حضور عقلیں اور محدود علم اُس بحر العلوم اور عشق کے امام کو مشورے دے رہے ہیں کہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اور ایسا کرنا چاہیے تھا ان کا یہ بھی دعویٰ ہے۔

امام حسین کے مقام کو سمجھو

کہ امام عالی مقام نے بیعت یزید سے اس لئے انکار کیا تھا کہ اگر وہ بیعت کر لیتے تو انہیں حکومت مل جانے کا چانس ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتا یہ کہتے ہیں کہ امام حسین کو کوفہ والوں نے حکومت کے ہنر باغ دکھائے تھے آپ حکومت کرنے کے نشہ میں سرشار کوفہ جا رہے تھے لیکن چند سیاسی غلطیوں کی بنا پر اپنا بال بچہ بھی کٹوا بیٹھے۔

عقل نا تمام اس عظیم قربانی کو شہادت کے درجہ سے بھی گرا دینا چاہتی ہے جس نے دم توڑتے ہوئے دین اسلام کو حیات ابدی سے آشنا کر دیا وہ عظیم قربانی جسے تکمیل ذبح عظیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسے کیا معلوم کہ عشق کامل اور عقل کمال کے امتزاج کا نام حسین

اور حق و صداقت کی سر بلندیوں کا نام حسینیت ہے ان عقل کے غلاموں کو کیا پتہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام ظاہر و باطن کے تمام تر علوم پر احاطہ کئے ہوئے تھے۔

امام کا مقام عقل و عشق

اور تمام امت کی عقل اگر جمع کر لی جائے تو عقل حسین کی برابری نہیں کر سکتی۔ اور پھر تمہاری عقل ناقص کے ترازو پر عشق حسین کی برابری نہیں کر سکتی اور پھر تمہاری عقل ناقص کے ترازو پر عشق حسین کو کس طرح وزن کیا جاسکتا ہے امام عالی مقام کی شہادت کو عقلی سیاست کے معیار پر جانچنے والو اس طرف بھی غور کرو کیا تمہاری عقل تمہیں یہ اجازت دے سکتی ہے کہ آتش نمرود کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں چھلانگ لگا دو۔

معرفت امام حاصل کرو

کیا تمہاری عقل تمہیں یہ مشورہ دے سکتی ہے کہ اپنے نو خیز بیٹے کی گر دن پر چھری پھیر دو حسین علیہ اسلام کی شہادت عظمیٰ کے لطائف سے آگاہی چاہتے ہو تو فاطمہ کے لال کی شخصیت کا تعارف حاصل کرو۔

عزم حسین کو سمجھو جذبہ شبیری سے تعلق جوڑو عشق پیدا کرو اس لئے کہ عاشقان پاک طینت کی معرفت کیلئے محض عقل کی نہیں عشق کی بھی ضرورت ہے عشق کے مسائل سے حل ہوں گے عقل ان اسرار و معارف کا

کب احاطہ کر سکتی ہے۔

عشق کی گرمی سے ہے معرکہ کائنات
عشق سکون و ثبات عشق حیات و ممات

عشق کے ہیں معجزات سلطنت فقر و دیں
عشق کے ادنی غلام صاحب تاج و نگین

عشق پر بجلی حلال عشق پہ حاصل حرام
شورش طوفاں حلال لذت ساحل حرام

عشق سراپا یقین اور یقین فتیاب
عقل ہے ابن الکتاب عشق ہے اُم الکتاب

عقلی استدلال کی بساط لپیٹ دو یہ تمہیں لے ڈوبے گی ہو سکتا ہے کہ تم نے
مخلصانہ تحقیق کی ہو اور تمہیں تمہاری تحقیق نے دھوکہ دیا ہو امام علیہ السلام سے
محبت کرنا تو قرآن و حدیث سے منصوص ہے غور تو کرو تم کیسا حق محبت ادا کر
تے ہو بے وفاؤ کچھ تو سوچو۔

خلوص دل ہی نہیں ربط باہمی کے لئے
وفا بھی شرط ضروری ہے دوستی کے لئے

شہادت حسین کا پس منظر

کوفہ مغیرہ بن شعبہ دارالامارت مسند امارت پر بیٹھا ہو ہے پہرے

دار نے امیر شام کا قاصد آنے کی اطلاع دی تو اسے اندر بلا لیا۔ قاصد نے آداب شاہی کے ساتھ چمڑے کے تھیلے سے خط نکالا اور پیش کر دیا۔ خط میں لکھا تھا۔

منجانب امیر شام۔ گورنر کوفہ مغیرہ کے نام۔ اس خط کو اپنی معزولی کا حکم نامہ سمجھو۔ اور فوراً دمشق پہنچو۔ اور نیچے دستخط تھے۔

امیر معاویہ

جناب مغیرہ بن شعبہ نے اپنے حلقہ کے لوگوں کو بلایا اور رات کو ایک خفیہ میٹنگ کی۔ قاصد کو اعزاز شاہی کے ساتھ واپس کر دیا۔ اور خود بدستور گورنری کے فرائض انجام دیتا رہا۔ کافی عرصہ گزار لینے کے بعد دمشق پہنچا اور امیر معاویہ کے دربار پہنچ گیا۔ امیر معاویہ نے سرزنش کے انداز میں پوچھا کہ اس قدر دیر کر کے کیوں آئے ہو؟ بہت ضروری کام میں مصروف تھا امیر! اس لئے دیر ہو گئی۔ مغیرہ نے جواب دیا۔

امیر معاویہ:- ہم اس ضروری کام کی نوعیت جاننا چاہتے ہیں۔

مغیرہ:- اس کے لئے تحلیل کی ضرورت ہے امیر! میں دربار عام میں نہیں بتا سکتا پھر تحلیل ہو گیا تو مغیرہ نے کہا میں آپ کے بعد تحت حکومت کے لئے

یزید کے حق میں لوگوں کو ہموار کر رہا تھا۔

امیر معاویہ نے تھوڑی دیر سوچا اور کہا۔

یہ بڑا مشکل کام ہے مغیرہ۔ لوگ اس بات کو آسانی سے تسلیم نہیں کریں گے

ہاں امیر!

مشکل تو ضرور ہے لیکن کوشش سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے مغیرہ نے کہا اور امیر معاویہ نے مغیرہ کو کوفہ کی گورنری پر بحال کر دیا اور کام تیز کرنے کے کی اسے بھی ہدایت کر دی اور خود بھی یہ بیڑا اٹھالیا۔

گورنر مدینہ کو امیر معاویہ کا خط

مشق اور اطراف جوانب کے لوگوں نے اس کا فیصلہ اہل حجاز پر چھوڑ دیا۔ امیر معاویہ نے گورنر مدینہ کو لکھا! ہماری خواہش ہے کہ اپنے بعد یزید کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ اہل عجم نے یہ بات قبول کر لی ہے تم مدینہ منورہ اور اطراف و جوانب کے لوگوں کو بیعت یزید کر لینے پر رضامند کرو۔

گورنر کا جواب

گورنر نے حالات کا جائزہ لیا اور لکھا کہ یہ لوگ اس بات کو ہرگز قبول نہیں کر رہے اور ان کو حج کے بہانے سے خود مکہ معظمہ میں آنا پڑا حالات سے آگاہی حاصل کرنے پر پتہ چلا کہ عوام الناس متفقہ طور پر درج ذیل ان

پانچ آدمیوں میں سے کسی ایک کے حق میں ووٹ دینا چاہتے ہیں اور یزید کی بیعت کرنے پر تیار نہیں۔

جناب حسین بن علی، جناب عبدالرحمن ابن ابوبکر، جناب عبداللہ ابن عمر، جناب عبداللہ ابن عباس، جناب عبداللہ ابن زبیر۔

امیر معاویہ نے زیادہ زور دیا تو لوگوں نے سارا ابو جہان پانچوں پر ڈال دیا کہ اگر یہ لوگ بیعت یزید پر رضامندی ظاہر کر دیں تو ہم بھی تسلیم کر لیں گے۔ کیونکہ یہ بزرگ ترین صحابہ کی اولاد ہونے کے ساتھ ساتھ خود بھی کئی ایک صحابی رسول ہیں۔

صحابہ کا جواب

امیر معاویہ کا خیال کہ حج کے موقع پر مسلمانوں کا اجتماع کثیر ہے اور اس وقت کو ضائع نہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک کمرہ میں سوائے امام حسین کے ان سب کو جمع کیا اور کہا کہ ملک فتنہ و فساد سے بچ جائے گا اس لئے میری تجویز سے اتفاق کر لو۔

اُن مقتدر حضرات نے جو متفقہ علیہ جواب دیا وہ یہ تھا کہ ہم یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ نظام اسلام میں اس بدعت کو رواج دیا جائے خلافت اسلامیہ کا آمریت و ملوکیت میں تبدیل کرنا اسلام کی شہ رگ پر چھری پھیر دینے کے مترادف ہے۔

اگر کسی کو ولی عہد بنانا جائز ہوتا تو ابو بکر صدیقؓ اور جناب عمر فاروقؓ اپنے بیٹوں کو ولی عہد بنا دیتے۔

امیر معاویہ نے ہر قسم کا لالچ بھی دیا اور دھمکی بھی دی۔ لیکن ان مقدس ہستیوں نے بیعت یزید سے صاف انکار کر دیا۔

جھوٹا اعلان

کمرے کے باہر حرم کے سامنے دُنیا بھر کے کونے کونے سے حج کیلئے آئے ہوئے لوگوں کا جَم غفیر ہے اور لوگ اس اعلان کا انتظار کر رہے ہیں جو اُوپر بتائے گئے چاروں حضرات نے یزید کی خلافت کے بارے میں کرنا تھا امیر معاویہ کو جب ان سے مایوس ہونا پڑا تو کمرے کے باہر چند سپاہیوں کو ننگی تلواریں دے کر متعین کر دیا کہ ان میں سے کوئی باہر نہ آنے پائے اور خود باہر آکر اعلان کر دیا کہ وہ لوگ بیعت یزید پر متفق ہو گئے اس لئے تم سب لوگ بھی اس کی خلافت قبول کر لو۔

شام کے لوگوں نے کہا اگر وہ بیعت قبول کر کے اس کا اعلان باہر آکر نہیں کرتے تو ہم اُن کی گردنیں اڑا دیں گے ان لوگوں کو امیر شام نے بڑی سختی سے خاموش کرایا۔

دُنیا بھر سے آئے ہوئے لوگ مختلف قسم کے ذہن لیکر منتشر ہو گئے وقت گزرتا رہا اور آخر میں امیر معاویہ کے انتقال کا وقت آ گیا۔

یزید کو وصیت

یزید کو بلا کر وصیت کی کہ میں نے ہر ممکن طریقہ سے تیری جانشینی کے لئے فضا کو سازگار کر دیا ہے۔ اب تمہیں پورے عجم سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں البتہ اہل حجاز کی طرف سے خدشات ابھی باقی ہیں۔ ان خدشات و خطرات کو دور کرنے کے لئے تمہیں ان چار شخصوں پر قابو حاصل کرنا ہے۔

نمبر ۱۔ حسین بن علی

نمبر ۲۔ عبداللہ ابن زبیر

نمبر ۳۔ عبداللہ ابن عباس

نمبر ۴۔ عبداللہ ابن عمر

ان کے پانچویں ساتھی عبدالرحمن بن ابوبکر تھے اور ان کا انتقال

ہو چکا ہے۔

ان میں بھی موخر الذکر دونوں شخص تمہارے لئے زیادہ خطرناک

نہیں وہ اگرچہ لوگوں میں بہت زیادہ صاحب اثر ہیں لیکن وہ سیاست میں زیادہ حصہ نہیں لیتے۔

البتہ عبداللہ بن زبیر تیرے لئے بہت خطرناک ہے چوتھے حسین

بن علی ہیں یہ بہت زیادہ صاحب اثر ہیں اس لئے ان کے معاملہ میں تمہیں

بہت غور و فکر سے قدم اٹھانا ہوگا اور پھر امیر معاویہ کا انتقال ہو گیا۔

یزید کا حکم

یزید کو آٹو میٹک خلافت یا کسرائی یادگار جانشینی مل ہی چکی تھی تحت آمریت ملتے ہی اس نے عامل مدینہ ولید کو لکھا کہ ان چاروں شخصوں سے میرے لئے بیعت طلب کرو انکار کی صورت میں تشدد کرو۔

عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن عمر اس سے پہلے ہی مکہ معظمہ جا چکے تھے عبداللہ ابن زبیر کو جب پتہ چلا کہ عامل کے سپاہی مجھے تلاش کر رہے ہیں تو وہ بھی رات ہی کو مکہ معظمہ روانہ ہو گئے ان میں سے اب امام عالی مقام ہی مدینہ منورہ میں موجود تھے جنہیں ولید نے دار الامارت میں بلایا آپ تشریف لائے تو اُس نے یزید کا حکم نامہ پڑھ کر سنایا۔

امام حسین کا انکار

آپ نے فرمایا۔ یہ بات کبھی نہیں ہو سکتی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ نظام رُوح اسلام کے منافی ہے۔ اسلام کسی کو حق خود ارادیت چھیننے کا حق نہیں دیتا۔

یہ خالصتاً عامۃ المسلمین کا حق ہے کہ جسے چاہیں اپنا خلیفہ مقرر کریں یزید لاکھوں مسلمانوں کا حق غصب کرنا چاہتا ہے اس لئے ہم کسی غاصب کی اطاعت کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یزید فاسق و فاجر، غاصب اور تارک نماز ہے

ان صورتوں میں ہمارے لئے قطعی طور پر ناممکن الامربات ہے کہ ہم کسی فاسق و فاجر، غاصب اور ڈکٹیٹر کی اطاعت کریں۔

مروان کا مشورہ

ولید نے آپ کا آخری فیصلہ سنا تو خاموش ہو گیا۔ آپ اُٹھ کر جانے لگے تو مروان نے ولید کو مشورہ دیا کہ اب تو یہ تمہارے قابو میں ہیں تشدد کرو اور اپنا مطلب پورا کرو۔

امام عالی مقام علیہ السلام ابھی دروازے پر ہی پہنچے تھے مروان کی گفتگو سنی تو واپس پلٹ آئے اور پھر تلوار میان سے باہر کھینچ لی۔

گورنر ولید اہلبیت کا محب تھا اُس نے مروان کو برا بھلا کہا اور امام عالی مقام کو جانے کی اجازت دے کر کہا کہ آپ بھی اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ کیونکہ میں حکومت کا حکم ماننے پر مجبور ہوں۔

امام کا اہل بیت سے مشورہ

امام عالی مقام گھر واپس تشریف لائے اور اہل بیت کو فرمایا کہ حالات بے حد خراب ہو چکے ہیں معاویہ کا بیٹا یزید جبر و تشدد پر تل چکا ہے وہ ہر قیمت پر اپنی غیر اسلامی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنا چاہتا ہے، خواہ اسے خون کی ندیاں بہانا پڑیں۔

میرے لئے یہ انتہائی مشکل ہے کہ میرے ہوتے ہوئے مدینہ منورہ کی گلیوں

میں خون کی نہریں روان ہوں۔

مجھے نانا جان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے روضہ کی جدائی کا بھی انتہائی غم ہے اور مدینہ منورہ کی نیر متی کا بھی شدید خطرہ ہے اور میرے لئے یہ امر بھی محال ترین ہے کہ کسی غاصب و ڈکٹیٹر اور فاسق و فاجر کی اطاعت کر کے نانا جان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین کے حلق پر چھری پھیر دوں۔

مدینہ منورہ سے جانے کا فیصلہ

ان حالات میں میرے سامنے اب صرف ایک ہی راستہ ہے کہ مدینہ منورہ کی حدائی برداشت کر لوں اور اس مقدس شہر کو بے حرمت ہونے سے بچا لوں آپ سب لوگ تیار ہو جائیں آج ہی رات کو یہاں سے مکہ معظمہ کی طرف روانگی ہو جائے گی۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا بھی وہاں موجود تھیں آپ نے اپنے شوہر جناب عبد اللہ بن جعفر طیار سے بھائی کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے بخوشی اجازت دے دی۔

اہلِ مدینہ کی معروضات

اہلِ بیتِ مُصطفیٰ کی اس تیاری کا علم تمام ہمسائیوں اور قرب و جوار کے لوگوں کو چند ہی لمحوں بعد ہو گیا۔

مہاجرین و انصار کی عورتیں جمع ہونی شروع ہو گئیں اور پھر یہ سلسلہ تادیر جاری رہا گھر کے اندر عورتوں کا جم غفیر جمع ہے

اہلِ مدینہ کی مُحبّت

مسجدِ نبوی شریف میں عاشقانِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) و اہل بیتِ اطہار نے امامِ عالی مقام کے گرد گھیرا ڈالا ہوا ہے ہر شخص اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق امامِ عالی مقام کی بارگاہِ اقدس میں اپنی اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فریاد کر رہا ہے کہ اے نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اے جگر گوشہ بتول سلام اللہ علیہا خدا کے لئے آپ مدینہ منورہ چھوڑ کر نہ جائیں۔

اے جوانانِ جنت کے سردار! آپ کے بغیر ہماری زندگیاں تلخ ہو جائیں گی یا امام! آپ یادگارِ مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں آپ کو دیکھ لیتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہو جاتی ہے۔

اے شہزادۂ رسول آپ گلشنِ رسول کی بہار ہیں۔ ہمیں اپنے سائے عاطفت سے

محروم نہ کریں۔

امام حسین کا جواب

امام عالی مقام نے ان مجتہان خاص کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا! مہربان دوستو! ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں آپ نہیں جانتے کہ وہ کونسی مجبوریاں ہیں جو ہمیں درپیش ہیں آپ کو کیا بتایا جائے کہ مدینہ منورہ کی بہاروں کے چھوٹ جانے کے خیال سے ہمارے دل کی کیا حالت ہے۔
جنت کو چھوڑ کر جانا آسان تو نہیں ہوتا۔

سب کچھ مدینہ میں ہے۔

اور پھر ہمارا تو سب کچھ مدینہ میں ہے اسی مدینہ منورہ میں جسے تاراج کرنے کیلئے دشمنانِ دین پر قول رہے ہیں، احباب کو زوتے تڑپتے چھوڑ کر آپ گھر کے اندر تشریف لائے تو محلہ کی عورتوں کو فریاد کرتے پایا۔ آپ نے نہایت مشفقانہ اور کریمانہ انداز سے سب کا شکریہ ادا کیا اور اطمینان دلایا مگر وہ بے چاریاں مطمئن کیا ہوتیں بس اشکبار آنکھوں سے الوداع کہہ کر آہیں بھرتی ہوئیں اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی گئیں۔ پھر آپ اہل بیت کرام کو جلد از جلد تیاری مکمل کر لینے کا حکم فرما کر گھر سے باہر تشریف لے گئے۔

حُسنِ علیہ السلام ماں کے مزار پر!

اہل بیت اطہار کو تیاری کا حکم فرما کر کر بلا کا مُسافر ماں کے مزار

اقدس پر حاضر ہوتا ہے۔

رات بھگتی جا رہی ہے،

مدینہ منورہ کے لوگ چین اور آرام کی نیند سو رہے ہیں۔

جنت البقیع شریف کے قبرستان میں دل ہلا دینے والا پُرسوں سناٹا

چھایا ہوا ہے۔

ہر طرف صُہو کا عالم ہے۔

حُسنِ آتے ہیں اور ماں کی قبر پر دیوانہ وار گر جاتے ہیں۔ اور

انتہائی کرب کے عالم میں مزارِ اقدس پر باہیں پھیلا دیتے ہیں۔

سُکھی بندھی ہوئی ہے۔

امام حُسن کی ماں سے فریاد

اور ماں کے حضور میں فریاد کرتے ہیں۔

اے غریبوں مسکینوں کے سوال پُورے فرمانے والی بنتِ رسول صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اے خود بھوکے رو کر دوسروں کو کھانا کھلانے والی مقدّس ماں!

آج تیرا حسین تیرے دربار پہ تیرا سوالی بن کر آیا ہے!
اے میری تقدس مآب امی! تیرے نازوں کے پالے حسین پر
امت کے شہریوں نے مدینہ کی زمین تنگ کر دی ہے۔

میری پیاری ماں! حسین بُزدل نہیں۔ حسین نے تیرا دودھ پیا ہے
حسین کی رگوں میں حیدرِ کرار کا خون ہے۔
حسین امام الانبیاء کی زبان کو چوستا رہا ہے۔

میری پیاری امی! مجھے جان جانے کا غم نہیں، تیرا حسین موت سے
کبھی نہیں ڈر سکتا۔

امی جان میں اس لئے روتا ہوں کہ نانا کا مدینہ چھوٹ رہا ہے ماں
کی قبر کی زیارت سے محروم ہو رہا ہوں۔
بھائی حسن کے قدموں سے دور جا رہا ہوں۔

میری شفیق ماں! میں فریادی بن کر آیا ہوں میری فریاد سنو!

میرا آخری سلام قبول کرو۔

مجھے الوداع کہو! مجھے تسلی دو!

میرے لئے دُعا فرماؤ! کہ میں امتحان میں کامیاب ہو جاؤں۔

میری تھکی ہوئی باہوں میں جب تیرا متحسوم علی اصغر دم توڑ رہا ہو تو

مجھے استقامت نصیب ہو۔

تیرے جوان اکبر کا لاشہ دیکھ کر میں گھبرانہ جاؤں۔

ماں! میرے لئے صبر و استقامت کی دُعا کرو۔

پیاری امی! آپ نے کبھی کسی کا سوال رد نہیں کیا۔ آج تیرا حسین زیارت کا سوال کرتا ہے۔ آخری بار تیرے قدموں کو بوسہ دینا چاہتا ہے اے شہزادیؑ، مصطفیٰ مجھے محروم نہ رکھنا پیاری ماں! تیرے دربار سے حسین مایوس نہ ہوئے۔

یہ الفاظ کہتے کہتے امام عالی مقام کا گلا رُندھ جاتا ہے۔ شدت جذبات سے مغلوب ہو کر آپ سسکیاں بھرنے لگتے ہیں۔

ماں کا جواب

ادھر امام عالی مقام کی یہ حالت ہے ادھر شہزادیؑ کو نین خاتونِ جنت کی قبر انور کو لرزہ آ جاتا ہے۔ زمین کا پنپنے لگتی ہے، آسمانوں پر رُخشہ طاری ہو جاتا ہے، ستارے تڑپنے لگتے ہیں، چاند کا دل دُوب جاتا ہے، جنت البقیع شریف کے تمام مزار کانپ جاتے ہیں، حُوروں کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ شہزادیؑ مصطفیٰ کے مزارِ اقدس سے دُرد میں ڈوبی ہوئی آواز آتی ہے فضا کا سینہ چر جاتا ہے۔

ماں کا پیار کائناتِ عالم کو کوسوز و آلم کی تصویر بنا دیتا ہے قبر انور سے آواز آتی ہے میرے لال چُپ ہو جاؤ اب کچھ نہ کہنا میرے حسین اب کچھ نہ کہنا ماں کا کلیہ پھٹ جائے گا، نظامِ عالم تہہ و بالا ہو جائے گا۔

میرے بیٹے تیری فریاد نے ماں کے سینے پر چھریاں چلا دی ہیں۔
میرے لال! دل تو یہی چاہتا ہے کہ قبر سے باہر آ کر تجھے شہادت
کا دُلوہا بناؤں!

تیری پیشانی اور گردن کو چُوموں، تجھے سینے سے لگاؤں اور خود اپنے
ہاتھوں سے تجھے شہادت کا جوڑا پہناؤں۔

لیکن میری مجبوری ہے، میرے چاند! میں اس لئے مجبور ہوں
کہ میرے اس طرح باہر آ جانے سے ابھی قیامت آ جائے گی۔ زمین دھنس
جائے گی، آسمان ٹوٹ پڑے گا، میرے نازوں کے پالے حسین تیری درد
انگیز گفتگو نے ماں کا دل دہلا دیا ہے۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک، میرے
لال تو ابھی بچہ ہی تھا کہ تیری جان کا سودا ہو گیا تھا۔ میرے بیٹے تجھے دنیا کے
تمام شہیدوں کا قافلہ سالار بننا ہے۔

تمہیں ماں کے دودھ کی لاج رکھنا ہے!
تمہیں دُلفقار حیدری کی عصمت کا تحفظ کرنا ہے
تمہیں نانا کی امت کی دُوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دینا ہے۔
تمہیں اپنا سب کچھ قربان کر کے نانا کے دم توڑتے ہوئے دین کو
زندگی دینا ہے۔

تمہارے لہو کے ہر قطرے میں فاطمہ کا دودھ رچا ہوا ہے۔ اس کی
سُرخِ ہمیشہ قائم رہے گی۔

میرے چاند اٹھو! اور باطل کی ہر قوت سے ٹکرا جاؤ۔ میرے لال!
جب تمہارا خون پتے ہوئے صحرا کے سینے پر گرے گا تو مجھے تمہارے نانا کے
حضور میں سرخروئی حاصل ہو جائے گی۔

میں آؤں گی، میرے بیٹے میں آؤں گی! تیرا مقتل دیکھنے آؤں گی،
تیری شہادت گاہ کا نظارہ کروں گی۔

دشتِ کربلا کی آگ اُگلتی ہوئی ریت کو اپنے آنسوؤں سے ٹھنڈا
کروں گی۔ تیری گھوڑوں کے ستموں سے کچلی ہوئی سربیدہ لاش کے ٹکڑے
اٹٹھے کروں گی۔

میرے لال! میں تیری لاش کے ٹکڑوں پر اپنی چادرِ تپھیر کا سایہ
کروں گی! کربلا کی ریت پر بکھرے ہوئے کانٹوں کو سمیٹوں گی۔
اے شیرِ خدا کے شیر! تیری بہادری کے جوہر دیکھوں گی۔
شہرِ بانو کا صبر دیکھوں گی! زینب کا پہرا دیکھوں گی، سیکنہ کے خشک
ہونٹوں کو چوموں گی۔

لوگ قبروں پر پانی چھڑکتے ہیں۔ میں تیرے علیٰ اصغر کی قبر پر
آنسوؤں کا چھڑکاؤ کروں گی!

میرے لال! تمہارے نانا بھی ساتھ ہوں گے، تیرے ابا بھی
ساتھ آئیں گے، تمہارا بھائی حسن بھی ساتھ آئے گا، ہم سب تمہارا امتحان
دیکھیں گے، لوگ مرنے والے کے کفن پر مشک کا نور ملتے ہیں لیکن جب تم

شہادت کا جام نوش کرو گے تو تمہارے نانا کی غبر فشاں زلفیں بکھر جائیں گی۔
 کر بلا کا ذرہ ذرہ مہک اُٹھے گا۔

جاؤ میرے چاند! میں تمہیں پورے اعتماد اور مکمل یقین کے ساتھ
 بھیج رہی ہوں تم یقیناً کامیاب رہو گے۔

اس کٹھن امتحان میں تمہارے سوا کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا تم فاطمہ
 کے دودھ کی ضرورت لاج رکھو گے۔

جاؤ خدا تمہاری حمایت و نصرت فرمائے! میری بیٹی زینب کا خیال
 رکھنا، اُس کے مشوروں کو قبول کرنا، اُس کا دل نہ توڑنا۔

اُس نے بھی فاطمہ کا دودھ پیا ہے۔
 وہ بھی اسی بُردناک امتحان میں کامیاب و کامران رہے گی۔ وہ بھی تمہاری
 طرح صبر و استقلال کا پیکر بنی رہے گی۔

ماں الوداع کہتی ہے

جاؤ میرے لال! ماں تجھے الوداع کہتی ہے۔ تمہارا اسلام قبول کرتی

ہے۔

میرے بیٹے! تیرا اسلام قبول نہیں کروں گی تو اور کس کا کروں گی۔

میرے چاند! یہ جدائی عارضی ہے۔ ہم بہت جلد ملنے والے ہیں۔

میرے حسین! بہت جلد ملاقات ہوگی۔

تیری گردن پر پھرنے والی ظلم و استبداد اور جور و جبر کی تلوار اس
جُدائی کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دے گی۔

جاؤ اور جان دے کر نانا کے دین کو زندگی بخشو۔

میرے لال! تم ہمیشہ زندہ رہو گے ہمیشہ زندہ رہو گے ہمیشہ زندہ
، ابدی حیات کے مالک۔

بھائی حسن سے ملاقات کر کے نانا کے حضور میں جاؤ اور الوداعی
سلام کہہ کر اجازت حاصل کرو۔

خدا حافظ، میرے چاند خدا حافظ!

فضا پھر خاموش ہو جاتی ہے وہی پُر ہول سناٹا چھا جاتا ہے۔

غمزدہ ساری فضا تھی فلک تھراتا رہا
غم کے آنسو صورتِ شبنم میں برساتا رہا

پوچھے خاتونِ جنت کے دلِ دلگیر کو

الوداع کیسے کہا تھا آپ نے شبیر کو

﴿صائمِ چشتی﴾

الوداعی سلام

حسین اٹھے! ہاں کی قبرِ انور کو قدموں کی جانب سے بوسہ دیا اور

عالم بے خودی میں اُٹے پاؤں یہ الفاظ کہتے ہوئے واپس لوٹے،

اَلوداع اے اُمّی جان اَلوداع

اَلوداع اے بنتِ رسول اَلوداع

اے مالکِ ردائے تطہیر اَلوداع

اَلوداع خاتونِ قیامت اَلوداع

اَلوداع اے مرکزِ مہر و محبت اَلوداع

اَلوداع بنتِ نبی خاتونِ قیامت اَلوداع

میری اُمّی جان میرے دل کی راحت اَلوداع

یاد رکھنا اب میرا وقتِ شہادت اَلوداع

بھول نہ جانا کہیں اُمّی میری فریاد کو

کربلا میں پہنچنا بہرِ خدا امداد کو

﴿صائمِ چشتی﴾

اسی عالم میں اَلوداع کہتے ہوئے اُمّیاتِ المؤمنین کے مزارات پر

آئے ان تمام مقدس مزارات کو بوسے دیئے۔

جنت البقیع کے دیگر مکیینوں کو سلام کہا اور پھر ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ننھی سی قبر پر حاضر ہوئے۔ اور قبرِ انور کو چوم کر فرمایا۔

محترم ننھے ماموں جان! آج حسین (علیہ السلام) آپ کا بدلہ اُتارنے کے لئے جا رہا ہے۔ ایک وقت تھا کہ میں اور آپ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں کھیل رہے تھے۔ نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوہری خوشیاں حاصل تھیں۔

خدا تعالیٰ نے ہم دونوں میں سے ایک کو مانگ لیا نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے رکھ لیا اور آپ کو موت کے حوالے کر دیا۔

میں آپ کا فدیہ نہ ہو سکا لیکن آپ میرا فدیہ ہو گئے، ماموں جان مجھے معاف کر دینا میں آج آپ کا قرض اُتارنے کے لئے جا رہا ہوں میرے لئے دُعا کرنا۔ آپ ابن رسول ہیں شہزادہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

میرے ننھے ماموں جان! حسین علیہ السلام کا سلام، الواو! اور پھر آپ نانا کے حضور میں آ گئے۔

حُسنِ نانا کے مزار پر

امام الانبیاء کا دربارِ اقدس ہے۔ رات تیسرے پہر میں داخل ہو رہی ہے ملائکہ کرام آسمان صَف بے صَف سلامی و زیارت کے لئے نازل ہو رہے

ہیں۔

ایک نُور ہے جو، زمین و آسمان کے درمیان خلاؤں اور فضاؤں کو
مُتور کئے ہوئے ہے۔

یہ فیصلہ کرنا انتہائی مشکل ہے کہ یہ نُور آسمان کی جانب پرواز کر رہا
ہے یا آسمان سے زمین کی طرف نزول کر رہا ہے۔

اہل عرفان ہی اس حقیقت سے پردہ اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ مرکز
نُور کی بات ہے۔

انہی انوار و تجلیات کی برسات میں حسینؑ حاضر ہو کر مقدس نانا کے
حضور میں صلوٰۃ و سلام کا ہدیہ پیش کرتے ہیں اور پھر عرض کرتے ہیں۔

نانا تیرے کرم کے خزینے کی خیر ہو
دے بھیک مجھ کو تیرے مدینے کی خیر ہو

﴿صائمِ چشتی﴾

میں جا رہا ہوں چھوڑ کر آنکھوں کے پچین کو
اٹھ کر گلے لگائے اپنے حسینؑ کو

﴿صائمِ چشتی﴾

امام حسین کی نانا سے فریاد

کون اندازہ کر سکتا ہے غم و آلام کے اُس طوفان کا جو امام عالی مقام

حُسنِ علیہ السلام کے سینے میں موجزن تھا۔ آپ تصویرِ درد بنے ہوئے فریاد پر فریاد کرتے ہیں۔

اے میرے غمگسار و مہربان نانا! تیرا حُسنِ حاضر ہے، اور شرفِ

باریابی چاہتا ہے۔

نانا جان! آپ بولتے کیوں نہیں؟ میں آپ کا وہی حُسنِ ہوں جس کی آمد پر آپ خطبہ چھوڑ کر منبر سے اتر آتے تھے۔

ہاں میرے محترم نانا! وہی حُسنِ جو حالتِ نماز میں آپ کی پشت پر سوار ہو جاتا تھا تو آپ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اٹھاتے تھے جب تک میں خود نہ اتر آتا۔

نانا جان! آپ کا نازوں کا پالا ہوا حُسنِ آج تیرے قدموں سے دور جا رہا ہے اس کو سہارا دیجئے۔

حضور میں آپ کا جمالِ جہاں آرا دیکھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں، میں واللیل زلفوں کے جھرمٹ میں والضحیٰ چہرے کی زیارت کو آیا ہوں، مجھے شرفِ زیارت بخشئے۔

نانا جان! میری حالتِ زار پر رحم فرمائیے۔ مجھے میرے فرائض سے آگاہی بخشئے۔ میری راہنمائی کیجئے۔ میری مشکل گشائی فرمائیے۔

مجھ کو نانا دیکھئے میں آپ کی تصویر ہوں جس کو کا ندھوں پر بٹھاتے تھے وہی شبیر ہوں

﴿صائمِ چشتی﴾

نانا جان! جب میں آپ کے کندھوں پر سوار تھا تو میں نے ایک آواز سنی کہ حسین کو کتنی اچھی سواری میسر ہے تو آپ نے فرمایا تھا سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔

مقدس نانا! میں آپ کی عنبرین زلفوں کو تھام لیتا تھا کہ کہیں گر نہ جاؤں آپ نے مجھے شہسوار بنایا ہے۔ نانا میں حق شہسواری ادا کروں گا۔

پیارے نانا جان! میں اُس وقت تک اپنے سینے پر نیزوں بھالوں، تیروں اور تلواروں کے زخم کھاتا رہوں گا جب تک میری سواری کی کوئی نہ کاٹ دی جائیں۔

نانا جان! آپ کا سوار اُس وقت زمین پر گرے گا جب سواری گر جائے گی۔ مگر میرے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ مجھے شہادت کی جن بلندیوں پر دیکھنا چاہتے ہیں وہ آپ کی دستگیری کے بغیر محال ہے۔ اس مقام پر آپ ہی مجھے گرنے سے بچا سکتے ہیں۔ خدا اپنے حسین کو اس وقت تھام لینا۔

میرے نانا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس وقت مجھے سہارا ضرور

دینا۔

نانا جان! میں آپ کی حرمت کیلئے جا رہا ہوں میرا خیال رکھنا۔

پیارے نانا جان! آپ جواب کیوں نہیں دیتے آپ تو حسین کے

لئے بے قرار ہو جاتے تھے۔ میرے بچپن میں جب آپ کو میری شہادت کی خبر دی گئی تو آپ زار و قطار روتے رہے تھے۔

اے میرے آقا و مولیٰ! اے فریاد کرنے والوں کے فریاد رس۔

اے غریبوں اور بے کسوں کے ملجاء ماویٰ

اے ناداروں اور مسکینوں کو پناہ دینے والے مقدس رسول!

اے امام الانبیاء!

اے رحمت اللعالمین! اپنے حسین کو ایک بار آغوش میں لے لو میں

آپ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ آپ مجھے اور بھائی حسن کو آسمانوں کے گوشوارے فرماتے تھے۔

میرے پیارے نانا! مجھے زیارت کی بھیک عطا کرو۔ مجھے سینے سے

لگا کر ایک بار پیار تو کر لو۔ مجھے سہارا دو۔ مجھے استقامت عطا فرماؤ۔ مجھے کر بلا کا نظارہ کرا دو۔ مجھے میری قتل گاہ دکھا دو۔

میرے مولا! تیرا حسین کب تک فریاد کرتا رہے گا؟

اسی طرح آہ و زاری کرتے ہوئے حسین نانا کے مزار سے چٹ جاتے ہیں

، باورِ رحمت چلتی ہے۔ نیم خوابی کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔

سرکار آتے ہیں

حسین دیکھتے ہیں کہ انبیاء و ملائکہ کے جھرمٹ میں شبِ اسری کے

دولہا، امام الانبیاء۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دردِ عالم اور حُزن و ملال کی تصویر بنے ہوئے سامنے تشریف فرما ہیں۔

نانا کے حسرت و یاس میں ڈوبے ہوئے رُخِ واضحی کی زیارت کر کے حُسنِ تھرا جاتے ہیں۔

نانا بڑھتے ہیں۔ نواسے کا سراپنی گود میں لیتے ہیں۔ اور اپنی انگلیوں سے حُسن کی زلفوں میں کنگھی کرتے ہیں۔

حسین کی عارض

حُسنِ نانا کی آغوش میں سمٹ جاتے ہیں اور رسکیاں بھرتے ہوئے فریاد کرتے ہیں۔

نانا جانِ اَدُنیا بدل چکی ہے۔ حُسنِ کابِ اس بے وفادُنیا میں رہنا مشکل ہو گیا ہے۔

میرے پیارے نانا جان! مجھے اب اپنے پاس رکھ لو۔ اپنے مقدس مزار میں تھوڑی سی جگہ دے دو۔

نانا! مجھے اپنی آغوشِ رحمت میں بیٹھی نیند کے مزے لینے دو مجھے اب زندگی کی خواہش نہیں ہے۔

نانا! میں آپ کے حجرہ میں رہنا چاہتا ہوں۔

نانا! میں ماں کے حجرے میں رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے ماں کے حجرہ

میں رہنے کی اجازت دی جائے۔

امتحان گاہ دکھا دی

امام الانبیاء مقرر ہو جاتے ہیں اور فرماتے ہیں حسینؑ ایسی گفتگو نہ کرو، نانا کا دل نہ توڑو، میرے لال! تمہیں تو میرے دین کو زندگی دینا ہے تمہیں تو بڑا امتحان دینا ہے۔

شیرِ خدا کے شیر! اپنے امتحان کی تیاری کرو۔
اے نوجوانانِ جنت کے سردار اور میرے گلشن کی بہار حسینؑ علیہ السلام ادھر دیکھو! وہ تمہاری قتل گاہ ہے۔
یہ تمہاری شہادت کی جگہ بھی ہے اور تمہاری امتحان گاہ بھی! یہاں تیرا امتحان ہوگا عظیم امتحان۔

کر بلا معلیٰ

تو اسی مقام پر ہی فرائضِ فوجِ عظیم کی تکمیل کرے گا۔ میرے حسینؑ علیہ السلام اس بے آب و گیاہ اور پتے ہوئے صحرا اور کرب و بلا کی زمین کو تیرے خون سے آبیاری کے بعد کر بلا معلیٰ کا نام دیا جائے گا۔

فرات

حسینؑ علیہ السلام! یہ فرات ہے۔ لیکن تجھے اس کا پانی نہیں ملے گا تیرے تھے علی اصغر کا حلق سوکھ کر کاٹنا ہو جائے گا۔ میری تمام اہل بیت اطہار

شدّت پیاس سے تڑپ رہی ہو گی لیکن اے میرے حسین علیہ السلام! تجھے اس نہر سے پانی نہیں ملے گا۔ تیرے دشمنوں کے جانور تک پانی پیتے ہوئے مگر میرے لال تجھے اس استعمال سے محروم کر دیا جائے گا اس لئے تیرا امتحان ہے تجھے پیاس ہی امتحان دینا ہے۔

میرے لال حسین علیہ السلام! تیرا ان صدمات کو قبول کرنا اختیاری ہو گا۔ تو اگر چاہے تو اس پتے ہوئے صحرا اور چٹیل میدان کو سمندر اور ریگزاروں کو پانی تبدیل کر سکتا ہے۔

لیکن میرے حسین علیہ السلام! تجھے پیاس سے رہ کر ہی امتحان دینا ہے

صبر کرنا ہے

تجھے سید زادیوں کے خشک ہونٹوں اور سُوکھے ہوئے حلقوم دیکھ کر

صبر کرنا ہے یہی تو تیرا امتحان ہے

کہ دُنیا بھر کی تمام مصیبتیں جمع کر کے تم پر ڈال دی جائیں اور پھر بھی

تو صبر و استقامت کی تصویر بن کر شکر خداوندی کرتا رہے اور یوں پیکرِ تسلیم و

رضا بن کر اللہ رب العزت کی خوشنودی حاصل کر لے۔

اُمّت کی بخشش

حسین علیہ السلام! تیرا نانا قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حضور

میں تیری قربانیاں پیش کر کے اُمّت کی بخشش طلب کرے گا۔

تیری شہادت میری شہادت

میرے حسینؑ علیہ السلام! تیری شہادت میری نبوت کا کمال ہے
اسے تمام شہادتوں سے عظیم اور ارفع ہونا چاہیے۔

حسینؑ علیہ السلام! تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ تیری
شہادت میری شہادت ہے۔ تیری مصیبت میری مصیبت ہے، تیرا امتحان
میرا امتحان ہے کہ بلا پتی ہوئی زمین پر تیری گردن سے میرا خون بہے گا۔

حسینؑ علیہ السلام! تیرا خون میرا خون ہے۔ تیرا گوشت میرا
گوشت ہے، ترا نور میرا نور ہے۔ حسینؑ علیہ السلام تو مجھ سے ہے اور میں تجھ
سے ہوں،

حسینؑ علیہ السلام! تیرا نانا تجھ سے دور نہیں ہو گا وہ ہو مقام پر
تیرے ساتھ ہو گا تیری رہنمائی کرے گا تیرے امتحان کا مشاہدہ کرے گا اور
تیری شہادت کو اس ارفع مقام تک پہنچا دے گا جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں
میرے لال حسینؑ علیہ السلام! تیرے نانا کا ہر منصب تمام
کائنات سے بلند و بالا ہے اور یہ منصب شہادت جو ہمیں تیری طرف سے ہو
کر ملے گا یہ بھی تمام کائنات سے عظیم ہو گا۔

میرے پیارے حسینؑ علیہ السلام! ایک بار میدان کر بلا کا پھر
اچھی طرح نظارہ کر لو۔

میدانِ کر بلا کا نظارا

اتھے تیرے اکبر اُتے وُرھن رگیاں شمشیراں
اتھے تیرے قاسم تائیں کرناں ای قتل شریاں

اتھے جسم تیرے وِچ آکے کھسبناں ای زہری تیراں
اتھے صائم وقت جمعے دے ہو نیاں گل اخیراں

اتھے اتھے خیمے لا ویاں اے پر دیسی میرے
گود تیری وِچ تیر ہے کھانا اتھے اصغر تیرے

ایس طرف تھیں خیمیاں تائیں ظالماں آن جلا ناں
اتھے اصغر دے جھولے دیاں ڈوریاں نے جل جاناں

﴿صائمِ چشتی﴾

”حسین علیہ السلام! خوب اچھی طرح دیکھ لو! یہاں تیرے علی
اکبر کو ذبح کیا جائے گا اس مقام پر حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشانی قاسم کی
جوانی ٹوٹے گی۔

اور یہ وہ دردناک مقام ہے جہاں تیرے معصوم علی اصغر کے نازک

گلے میں زہر میں بجھا ہوا تیر پیوست کر دیا جائے گا اور وہ تیری گود میں حسرت زدہ نگاہوں سے تیری طرف دیکھ کر دم توڑ دے گا۔
یہ وہ جگہ ہے جہاں میری بیٹی کی بیٹی زینب شہیدانِ وفا لاشوں کے ٹکڑے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں شہر بانو سارا گھر اُجڑ جانے کے بعد تیری شہادت کا نظارہ کرے گی اپنا لٹتا ہوا۔ سہاگ دیکھے گی اپنی اُمنگوں اور آرزوں کا جنازہ نکلتے دیکھے گی۔

امام عالی مقام ایک ایک کر کے کر بلا کے تمام مناظر کا مشاہدہ فرماتے جا رہے ہیں۔ اور آغوشِ رسولؐ میں خوابِ راحت کا مزہ رہے ہیں۔

خدا حافظ کہتے ہیں

لیکن یہ سکونِ راحت بھی عارضی ثابت ہوئے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رخِ انور کو بوسہ دے کر فرمایا۔

میرے مظلوم حسینؑ علیہ السلام اب جاؤ۔ اہل بیت تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ میرے پردیسی اور غریب الوطن ہونے والے حسینؑ علیہ السلام! اٹھو اور اپنی منزل کی جانب روانہ ہو جاؤ اور جان کی بازی لگا کر سر اٹھاتی ہوئی ابلیس کی طاقتوں کو فنا کر دو۔

میرے لال اٹھو! اور باطل کی ہرا بھارتی ہوئی قوتوں کو کچل کر رکھ دو کذب و افترا کی بنیادوں پر قائم کی ہوئی سلطنت سے ٹکرا جاؤ خود فنا

ہو کر بقا حاصل کرو لیکن باطل کے خونی عفریت کو اس کے پتے گاڑنے سے پہلے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا کر دو۔

میرے حسین علیہ السلام! میری اُمت کی کشتی امارت کے چڑھے ہوئے طوفان کے تھیڑے کھار ہی ہے۔ اٹھو اور اپنی جان دیکراُسے کنارے پر لگا دو میرے مقدس دین کو ظلم و جبر کی طاقتیں ختم کر دینا چاہتی ہیں۔ اٹھو اور میرے دین کو ہمیشگی کی زندگی دیدو۔

میرے حسین علیہ السلام! تم بہت بڑے امتحان کے لئے جا رہے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب کرے۔ جاؤ میرے شہزادے اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو۔

نانا کے دل کے ٹکڑے تم جہاں کہیں بھی ہو گے ہم تمہارے ساتھ ہو۔ نگے۔ خدا حافظ، میرے حسین علیہ السلام! خدا حافظ،

حسین علیہ السلام! اس نیم بیداری میں آنکھیں کھول دیتے ہیں خواب میں دیکھا ہوا کر بلا کا تمام منظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

آپ اٹھتے ہیں، نانا کی قبر کو والہانہ طور پر بار بار چومتے ہیں اور سلام کرتے عرض کر کے حجرہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حجرہ بتول رضی اللہ عنہا میں آ جاتے ہیں۔

اہل بیت کی تیاری

قیامتِ صغریٰ

گھر میں آتے ہیں تو دس سال کی معصوم بچی شہزادی حسین علیہ السلام سیدہ فاطمہ صغریٰ کی فریاد و فغاں اور آہ و زاری نے قیامتِ صغریٰ کا نقشہ کھینچ رکھا ہے۔

بیمار بچی بخار کی شدت سے بے تاب ہے۔ جسم جل رہا ہے اُٹھتی ہے تو گر پڑتی ہے گرمی ہوئی کو جو اٹھانے لگتا ہے تو اُسی کے سامنے فریاد شروع کر دیتی ہے۔ چھو بھی زینب رضی اللہ عنہا آگے بڑھ کر سہارا دیتی ہیں اور تسلی کے الفاظ کہتی ہیں۔

بیمار بچی کا سوال

معصوم بچی کی آہ نکل جاتی ہے بیقرار ہو رہی پھوپھی کا دامن پکڑ لیتی ہے ہاتھ کانپ رہے ہیں زبان میں لرزہ ہے منہ پاشہ طاری ہے بات کرتے ہوئے زبان میں بل پڑتے ہیں اس حالت میں سرس کرتی ہیں۔

میری پیاری چھوپھی کیا بات ہے۔ آج آپ سب کیوں بدلے ہوئے ہیں! آپ سب میری طرف کھوئی کھوئی نظروں سے یوں دیکھتے

ہیں۔

پیاری پھوپھی جان! یہ کیسی تیاریاں ہیں آپ سب کدھر جا رہے ہیں مجھے آپ کیوں تیان نہیں کرتے۔

پھوپھی جان! میرے حال زار پر رحم کیجئے مجھ سے یہ سب کچھ نہیں دیکھا جاتا پھوپھی جان صغریٰ اس صدمہ سے مر جائے گی۔

بھیا علی اکبر بھی تیار معلوم ہوتے ہیں علی اصغر کا جھولا بھی صحن میں منگو رکھا ہے امی جان بھی برقعہ اوڑھنے کی تیاری کر رہیں۔

لیکن! مجھ قسمت کی ماری کو کوئی پوچھنے والا نہیں آج سے پہلے تو آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا پھوپھی جان بتا دو مجھے کہ بات کیا ہے۔

امام عالی مقام یحییٰ کی یہ حالت دیکھ رہے ہیں۔ دل میں سفر کا خیال آتا ہے بیمار کو اس حالت میں چھوٹ جانے کا تصور کرتے ہیں تو رو آں کانپ اٹھتا ہے۔

دل میں خیال آتا ہے حسین علیہ السلام تیرا امتحان ابھی سے شروع ہو چکا ہے۔ یہ تیرے امتحان کی پہلی کڑی ہے۔ آپ دل کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر بازگاہ ایزدی میں عرض کرتے ہیں یا اللہ میرے حال پر رحم فرما مجھے میرے امتحان میں کامیابی نصیب فرما۔

پھر حضرت شہر بانو کو اشارہ کرتے ہیں کہ علی اکبر کو بلاؤ۔ علی اصغر کو لاؤ۔ تاکہ بیمار بہن سے آخری بار گلے مل لیں۔

بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
اکبر کو مِلّاؤ مَلّی اَصغرؑ کو بھی لاؤ

آئے مَلّی اکبر تو کہا شاہ نے آؤ
مُڑھی ہے بہن تم سے ! گلے اس کو لگاؤ

چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے انہیں کب آؤ گے، اقرار تو کر لو

﴿انیس﴾

علی اکبر سے التجاء

شہزادہ حسین علیہ السلام علی اکبر آگے بڑھتے ہیں۔ بہن کی یہ
نازک حالت دیکھ کر پہلے ہی بیقرار تھے اور بیقرار ہو گئے۔ آنسوؤں کو روکنے
کی بڑی کوشش کرتے رہے لیکن یہ طوفان کب رکتا ہے۔

صائم کمال ضبط کی کوشش تو کی مگر
پلکوں کا حلقہ توڑ کے آنسو نکل گئے

﴿صائم چشتی﴾

بات کرنے لگتے ہیں مگر بات نہیں ہوتی ہمشیر کے چہرہ کی طرف

دیکھنا چاہتے ہیں مگر آنسوؤں کی دیوار حائل ہو جاتی ہے بڑی مشکل سے اتنی بات کر سکے۔

میری بہن کیا تو مجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔ اچھی بہن خفانہ ہو۔ میرا تو کوئی قصور نہیں۔ اور پھر اضطراب میں کفِ افسوس ملنے لگے۔

بیمار بچی نے بھائی کے سینے پر سر رکھ کر کچھ اس طرح فریاد کی کہ عرش بریں کو بھی لرزہ آ گیا۔

فریاد کیا تھی کہ برق غم تھی۔ جس نے اہل بیت کے دلوں کو تڑپا دیا۔ آپ عالم بے خودی میں بھائی سے باتیں کرتی رہیں اس کی شادی کی باتیں، بھائی کو لانے کی باتیں، گھوڑے پر چڑھنے کی باتیں، دولہا بنانے کی باتیں، باگ پکڑائی کی باتیں۔

چلائے لگی چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دلگیر
محبوب برا در تیرے قربان یہ ہمیشہ

صدقے تیرے سر پر سے اتارے مجھے کوئی
بل کھاتی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے
تکوار لئے شان سے چلنے کے میں صدقے

افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے کے میں صدقے
کیوں روتے ہوا شک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے

جلد آ کے بہن کی خبر لیجیو بھائی
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی
﴿انیس﴾

میرے اچھے بھائی جان! اگر میرا حال پوچھا ہے تو امی سے میری
سفارش بھی کر دو آپ جہاں بھی جانا چاہتے ہیں مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔
آپ لوگوں کی جدائی مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔ اب اگر آؤ گے تو
میری قبر سے ملاقات کرو گے۔

بھیا مجھے اپنے ساتھ لیتے چلو میری امی سے سفارش کر دو۔ نہیں تو
میں مر جاؤں گی بھیا۔

بی بی شہر بانو نے بیمار بچی کے یہ الفاظ سنے تو کلیجہ منہ کو آ گیا رو کر
فرمانے لگیں۔

جانِ مادر! مجبور ماں کے دل پر چھریاں نہ چلاؤ۔ پیاری بیٹی مجھے
اب اور نہ تڑپاؤ۔ تمہاری گفتگو سے میری جان نکل جائے گی۔

پیاری صغریٰ میری سفارش کی بات کرتی ہو ماں کب چاہتی ہے کہ
اپنے جگر کے ٹکڑے کو اس حالت میں چھوڑ کر چلی جائے۔

بیٹی! تمہیں سخت بخار ہے۔ تم سفر کے قابل نہیں ہو۔ تمہاری تکلیف اور بڑھ جائے گی۔

میری دُعا ہے کہ تُو جلد صحت یاب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ تیری نگہبانی فرمائے صغریٰ صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے تو تندرست ہو جائے گی تو علی اکبر تمہیں آ کر لے جائیں گے اب نہ رونا میری بیٹی اب نہ رونا۔ ننھا علی اصغر تمہاری دردناک آواز سن کر رونے لگی ہے۔

علی اصغر کی بیقراری

میں صد قے گئی بس! نہ کرو گر یہ وزاری
اصغر میرا روتا ہے صد اُسُن کے تمہا ری

وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پُکا ری
آ آ میرے ننھے سے سُسا فر رتیرے واری

چھٹی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغر میری آواز کو پہچان گئے تم

﴿انیس﴾

ننھے سے علی اصغر نے جب بہن کی پھیلی ہوئی باہوں کو دیکھا تو پاس

جانے کے لئے مچلنے لگا۔

ماں نے جب ننھے سے بھائی کو بہن کی گود میں دینا چاہا تو صُغریٰ نے ہاتھ پیچھے کر لئے۔

اس غم کو کن الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے اُس الم کا کیسے اظہار کیا جاسکتا ہے۔

اُس غم کے بیان کرنے کو الفاظ نہیں ملتے۔

ایک طرف تو ہمیشہ تڑپ رہی ہے کہ ننھے کو گود میں لے کر پیار کروں سینے سے لگاں اس کا منہ چوموں اسے لوریاں دوں۔

اور دوسری طرف اس جذبہ کے ساتھ ہاتھ کھینچ لئے کہ مجھے تیز بخار چڑھا ہوا ہے۔

آپ کہتی ہیں امی! علی اصغر کو اپنے پاس ہی رکھو۔ میرے بخار کی گرمی سے مرانٹھا سا پھول مر جھا جائے گا۔

بس میرے قریب بیٹھ جاؤ کہ میں اسے دیکھتی رہوں۔

بی بی شہربانو قریب بیٹھ جاتی ہیں اور معصوم بہن یوں معصوم بھائی سے مخاطب ہوتی ہے۔

تم جاتے ہو اُس ساتھ بہن جا نہیں سکتی

تپ ہے تمہیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی

بیکس ہوں میرا کوئی مددگار نہیں ہے
تم ہو سو تمہیں طاقتِ گفتار نہیں ہے

مُصنوم نے جس دم یہ سنی درد کی گفتار
صغراء کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا یکبار

لے لیکے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار
جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار

دُنیا سے کوئی دن میں گزر جائے گی صغرا
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغرا
میری ماں جائے صغرا! میرا جی تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں سینے سے لگا کر
تمہاری بلائیں لوں لیکن بہن مجبور ہے۔

تو بہن کے جلتے ہوئے جسم اور پتے ہوئے سینے کی گرمی برداشت
نہیں کر سکے گا۔

میرے ننھے چاند! تم میری طرف دیکھتے رہو اور میں تمہاری طرف
دیکھتی رہوں

اس قسم کی درد انگیز گفتگو کرنے کرتے بخار اور تیز ہو جاتا ہے۔ بیمار کو

پھر غش آگیا،

امام عالی مقام علیہ السلام بچی کی یہ حالت دیکھ کر تڑپ گئے، بیٹی
کے سرہانے بیٹھ کر نبض پر ہاتھ رکھا۔ بخار اس قدر تیز تھا جیسے بھٹی جل رہی
ہو۔ ماتھے کو چھوا تو ہاتھ جلنے لگا۔

پیکر صبر و رضا، حسین علیہ السلام کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو
جاتی ہیں بیبیوں سے نظر بچا کر دستار مبارک کے پلڑے میں گرم گرم آنسوؤں
کو جذب کر لیا۔

پھر بھی جگر کو چیرتی ہوئی ٹھنڈی آہ نکل ہی گئی! سورۃ فاتحہ پڑھ کر بچی
کو دم کیا۔

شہزادہ مصطفیٰ کی قوتِ مسیحائی نے پورا پورا اثر کیا بچی نے آنکھیں
کھول دیں۔

بیمار نے پائی جو گلِ زہرا کی خوشبو
آنکھوں کو تو کھولا، تو بچنے لگے آنسو

بابا سے فریاد

امام کے حضور مجسم فریاد بن کر بی بی صغرا نے عرض کیا بابا! آپ

آگے بابا!

میرے مسیحا! آپ اب تک کہاں تھے؟

یہاں کیا ہو رہے بابا!

میرے پیارے ابو جان! یہ کہاں کی تیاری ہو رہی ہے؟
آپ اپنی صُغرا کو کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟
مجھے سب کچھ بتا دو میرے بابا! میں بہت پریشان ہوں۔

امام عالی مقام نے فرمایا، بیٹی صبر کرو!

ہم دیر سے آئے ہوئے تمہاری یہ حالت دیکھ رہے ہیں۔
بیٹی! تمہاری یہ حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔

بیٹی! میں اس لئے سامنے نہیں آتا تھا کہ تمہارے سوالوں کا کیا

جواب دوں گا۔

اب سن میری بیٹی! میں تمہیں سب کچھ بتا دیتا ہوں

تم رہتی ہو اس واسطے سب روتے ہیں صُغرا

ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صُغرا

﴿انیس﴾

بیٹی میرا امتحان شروع ہو چکا ہے۔ مجھے بہت لمبے اور دل ہلا دینے

والے سفر پر جانا ہے۔ میں تمہیں ضرور ساتھ لے جاتا مگر میری بچی! تم بیمار ہو

تمہیں شدید بخار ہے۔ زبردست نفاہت ہے۔

تمہیں لمحہ بالآخر غش آرہا ہے۔ تم سواری پر بھی نہیں بیٹھ سکو گی۔ تمہیں

بڑے آرام کی ضرورت ہے۔

راستہ پر ہول بھی ہے اور طویل بھی ہے۔

میری پیاری بیٹی! تجھے اس حال میں چھوڑتے ہوئے جو میرا حال
ہو رہا ہے وہ تجھ پر کیسے ظاہر کروں۔

تجھے یہاں چھوڑ کر جانا بھی میرے لئے بہت بڑی مصیبت ہے۔

ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغرا

ہے مصلحت حق بھی یہی جو کہتا ہوں صغرا

﴿انیس﴾

صحت دے تمہیں اللہ یہی بابا کی دُعا ہے

اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزہ ہے

اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے

کیا جانے شبیر کی تقدیر میں کیا ہے

دل جلتا ہے جب تپ میں تجھے پاتا ہوں صغرا

اس رنج میں اور! گھلا جاتا ہوں صغرا

﴿انیس﴾

تم جانے کے قابل نہیں میں رہ نہیں سکتا

شب سے ہے وہ تشویش کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

بچوں میں کوئی تم سے زیادہ نہیں پیارا
مجبور ہوں بے ہجر نہیں اب کوئی چارا

فرقت میں سدا نالہ و فریاد کروں گا
اتروں گا جو منزل پہ تمہیں یاد کروں گا
✽ آمیں ✽

بیمار کی آخری کوشش

بابا کی درد بھری اور واضح گفتگو سن کر معصوم بیمار کے دل کی دھڑکن
اور بھی تیز ہو گئی۔ پھر غش کی حالت ہونے لگی شدت کرب سے آنکھیں بند
ہوتی جا رہی تھیں لیکن نہ جانے صغرائے کس قوت کے سہارے بیہوشی کے جال کو
توڑ دیا۔ بیمار کی یہ آخری کوشش تھی

جس نے لرزتے ہوئے جسم کو سنبھالا دے دیا۔ پانی کا پیالہ قریب
تھا۔ بخار سے کانپتے ہوئے ہاتھوں کو سنبھال کر پیالے کو اٹھایا۔ چند گھونٹ پانی
پی کر بچے ہوئے پانی کے آنکھوں پر چھینٹے مارے۔ لبوں پر زبردستی کی مسکرا
ہٹ پیدا کر کے امام سے مخاطب ہوتی ہے۔

بابا میری نبض دیکھو اب میں تندرست ہوں۔ اب تو سارا بخار اتر گیا ہے
میرے بابا۔ میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔

معمولی سی ثقاہت ہے۔ سو وہ بھی آپ کی زیارت دور ہو ہی جائے گی
اگر آپ چاہیں تو میں چل پھر کر بھی دکھا سکتی ہوں پیارے ابو جان
اب مجھے ضرور ساتھ لے چلیں

میں آپ کے بہت کام کیا کروں گی۔ بابا میں علی الصغر کا جھولا
جھلایا کروں گی۔ وہ میرے ساتھ بہت مانوس ہے۔ میری گود میں آ کر کبھی
نہیں روتا۔

بابا! میں اسے کبھی نہیں رونے دوں گی اگر میں ساتھ نہ گئی تو وہ بہت
روئے گا، امی جان کو اور آپ کو بہت پریشان کرے گا۔

میں آپ کے کپڑے بھی دھویا کروں گی بابا! امی کے بھی کام آؤں
گی آٹا گوندھوں گی روٹیاں پکاؤں گی۔

ابا جان! میں آپ کے خیموں میں جھاڑو بھی دیا کروں گی، آپ کے
جائے نماز کو ہر وقت صاف رکھا کروں گی۔

سواری کم ہے تو جب بھی کوئی بات نہیں میں آپ کی سواریوں کے
پیچھے پیچھے دوڑتی ہوئی چلتی رہوں گی بابا! جب میں آپ کی سواری کے پیچھے
دوڑوں گی تو پسینہ آ جانے سے باقی ماندہ بخار بالکل اتر جائے گا۔

کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار

پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہگار

گرمی میں بھی راحت سے گزر جائے گی بابا
آئے گا پسینہ تپ اتر جائے گی بابا

کیا تاب اگر منہ سے کہوں درد ہے سر میں
آف تک نہ کروں بھڑکے اگر آگ جگر میں

بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں
قربان گئی چھوڑ کے نہ جاؤ مجھے گھر میں

ہو جانا خفا، راہ میں گر روئے گی صُغرا
یاں نیند کب آتی ہے جو، واں سوئے صُغرا

ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
دن بھر میری گود کی میں رہیں گے علی اصغر

میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں رہٹھا دو
بابا مجھے فِضّہ کی سواری میں رہٹھا دو

بیمار بچی کے معصوم جذبے کی کیفیت کو الفاظ میں کس طرح ڈھالا

جاسکتا ہے بیمار معصومہ نے خود کو تندرست ثابت کرنے کے لئے آخری کوشش بھی کر کے دیکھ لی

صُغرا نے کہا بابا! میں آپ کو چل پھر کر دکھا سکتی ہوں آپ دیکھ لیں میں اب بالکل نہیں گروں گی۔

یہ جملہ کہتے ہی اپنی تمام طاقت کو جمع کر کے معصومہ بچی پورے اعتماد کے ساتھ خود کو سنبھالتے ہوئے اٹھی ابھی پہلا قدم ہی اٹھایا تھا کہ چکر آ گیا اور تیور اڑ کر گر پڑی۔

بچوں سے لیکر بڑوں تک کی چیخیں نکل گئیں، گھر بھر میں کُہرام مچ گیا

دوہرا غم

امام عالی مقام علیہ السلام کے دل سے ہوک اُٹھتی ہے۔ آپ بیہوش بچی کی طرف دیکھ کر فرماتے ہیں، میری پیاری بیٹی! اللہ تم پر رحم فرمائے جانِ پدر! باپ تیری اس معصوم کوشش پہ قربان! تیری خواہش تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے تو ہمارے ساتھ چلی جائے تو نے بیماری کے ساتھ مقابلے کرتے ہوئے دیکھ لیا بیماری جیت گئی اور تو ہار گئی۔

پیاری صُغرا باپ تیرے اس مقدس جذبے کی قدر کرتا ہے۔ حسینؑ (علیہ السلام) دل کی کیفیت کو پوری طرح جانتا ہے۔

میرے سینہ میں بھی دل ہے بیٹی! میں سب کچھ محسوس کر رہا ہوں۔

میری بیٹی! میں اولاد کے غم کو جانتا ہوں تو میری اولاد ہے اگر تجھے
 رچھڑنے کا غم ہے تو تیرے بابا حسین ﴿علیہ السلام﴾ کو دو ہر غم ہے۔ ایک
 اپنا غم ہے اور ایک تیرے غم کا غم۔

بیٹی! یہ تقدیر الہی ہے اسے قبول کرو۔ میں بھی خدا کی رضا
 کو قبول کرتا ہوں اور تو بھی کر۔

جان پدر! اگر بابا کی رضا کی بات ہوتی تو میں تجھے ابھی تندرستی عطا
 کر دیتا لیکن تیرے غم کو سینے میں لیکر اس دردناک سفر کا آغاز کر رہا ہوں مجھے
 نانا کے مدینہ کو اسی حالت میں چھوڑنا ہے کہ تیرا بخار سے جلتا ہوا جسم، اور سوتا
 ہوا زرد چہرہ، ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہے۔ مجھے تیرا غم تڑپا رہا
 رہے، اور میں اس کرب اور بیقراری کو سینے میں دباتا ہوا اپنا سفر جاری
 رکھوں،

میرے دل کے ٹکڑے صغرا! اللہ تعالیٰ تجھے شفاءِ کامل نصیب
 فرمائے تو جلد صحت یاب ہو جائے۔ بابا کی دعا ہے کہ تیرا بخار مجھے
 آجائے۔ تیری بیماری مجھے مل جائے۔ اور تو تندرست ہو جائے۔

امام عالی مقام علیہ السلام کی گفتگو نے گھر بھر کو ماتم کدہ بنا
 کر رکھ دیا۔ سینے سے اٹھنے والے غم کے طوفان آنکھوں کے راستے آنسوؤں
 کی نہریں بن کر رواں تھے۔

معصوم بچی کی نہ روتی ہوئی باپ کے سینے سے لپٹ جاتی

ہے آپ نے ارشاد فرمایا بیٹی! ایک بار اپنی بہن صُغرا کو ہوش میں لاؤ، باپ
اسے آخری بار الوداع کہنا چاہتا ہے۔

بیٹی سے الوداعی ملاقات

شہزادی حسینؑ جنابِ سِکینہ آگے بڑھتی ہے، بیمار کے مُنہ پر چھینٹے
مارتی ہے اور ہوش میں لانے کی کوشش کرتی ہے۔

کہتی تھی سِکینہ کہ بہن آنکھیں تو کھولو
کچھ بات کرو ہم سے ذرا مُنہ سے تو بولو

ہم جاتے ہیں تم اُٹھ کے بغل گیر تو ہولو
چھاتی سے لگو باپ کی دل کھول کے رولو

تم جن کی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
پھر گھر میں جو ڈھونڈو گی تو اکبر نہ ملے گا

صُغرا کو کرو پیار کیلجے سے لگا کر
ہوشیار ہو! کیا دیر سے بے ہوش ہو خواہر

چھاتی سے لگو اٹھ کے کھڑی روتی ہے مادر
ہم روتے ہیں دیکھو تو ذرا آنکھ اٹھا کر

افسوس اسی طور سے غفلت میں رہو گی
کیا آخری بابا کی زیارت نہ کرو گی

﴿انیس﴾

منہ پر پانی کے چھینٹے دینے سے بیمار نے آنکھیں کھول دیں نقاہت
پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ ساتھ چلنے کی آس بھی ٹوٹ چکی ہے۔ اب تو اٹھ
کر بیٹھ جانے کی ہمت بھی نہیں۔

تصور ریاس اور نا اُمیدی بنے ہوئے ہر ایک کا چہرہ دیکھے جا رہی ہے
سینے کے اندر اٹھنے والے طوفانوں کا اظہار بھی نہیں کیا جاسکتا۔
آنکھیں ہیں جیسے پتھر اگئی ہوں۔

چہرہ اُڑ رہے۔

بات کرنے کو جی چاہتا ہے، لیکن ہونٹ تھرا کر رہ جاتے ہیں۔
تمام اہل بیت چپکے چپکے رو رہے ہیں۔ اور بیمار کو دیکھتے جا رہے ہیں
رکسی میں بھی بات کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔

بات کی بھی جائے تو کوئی!

بالکل یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے سب کسی لاش کے پاس کھڑے ہوں

اور حسرت و یاس کے ساتھ دیکھتے جا رہے ہوں اسی سُکراتِ موت جیسے عالم میں امام عالی مقام کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز اُبھرتی ہے۔

میری بچی! ہمیں ان حسرت زدہ نگاہوں سے نہ دیکھو ہمارے سینے چھلنی ہو جائیں گے، پیاری صغرا صبر کرو!

صبر میری بیٹی، صبر ہی سے ان غموں کا مداوا کیا جاسکتا ہے، ہمیں بہت دیر ہو گئی ہے سفر طویل ہے، ہم صبحِ طلوع ہونے سے پہلے پہلے سفر کا آغاز کر دینا چاہتے ہیں، میری بچی اللہ تمہیں جلد صحت یاب فرمائے۔ چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤ تو نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور ہمارے لئے دعا کرنے جانا۔

اپنی دادی محمدہ کائنات، حاتون قیامت، کے حضور میں روزِ حاضری دینا اور بابا کیلئے دعا کرتی رہنا خدا حافظ میری صغرا خدا حافظ! غمزدہ حسین (علیہ السلام) کی غمزدہ بیٹی الوداع!

بچی کے سر پر آخری پیادے کرامام عالی مقام، حجرہ سے باہر تشریف لے آتے ہیں۔ خانہ حیدر کی عزت، ناموسِ مصطفیٰ گلستانِ فاطمہ کی کلیوں کو سوار یوں پر بٹھایا۔ سامانِ سفر تیار ہو چکا تھا۔

ایک بیمار تھی جسے اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کفالت میں دے کر ہاشمی خاندان کی عورتوں اور حضرت عبداللہ بن جعفر کو پورا پورا خیال رکھنے کا ارشاد فرمایا۔

عجیب بات ہے کہ مدینہ کو بسانے والے خود مدینہ سے دور جا رہے ہیں۔ بیمار صغرا کو بھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر میں رہنا تھا گویا آج حجرہ فاطمہ سلام اللہ علیہا خالی ہو گیا ہے وہ مقدس گھر جس میں اپنی حیات ظاہری میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ تشریف لاتے تھے اس کی تالابندی ہو رہی ہے۔

گلی گلی مدینے دی چیخ مٹھی
جدوں کربلا دا شہسوار ٹریا

ایہہ تے جگرا حسینؑ کا جان دا اے
کیوں بچی نوں دے کے پیار ٹریا

ٹریا کوئی نہیں گھراں نوں چھڈ ایویں
جیویں فاطمہ دا ماہ انوار ٹریا

روندا ہویا حسینؑ زیشان صائم
جنڈرے اماں دے حجرے نوں مار ٹریا

﴿صائم چشتی﴾

سواریاں ابھی دروازے کے پاس ہی موجود ہیں کہ حجرہ کے اندر

سے درد میں ڈوبی ہوئی اور لرزتی ہوئی مدھم سی آواز آئی۔

اے میرے علی اصغر!

بی بی صغرا کی والدہ بے تاب ہو کر امام عالی مقام کی بارگاہ میں عرض کرتی ہیں ناموس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محافظ! اے میرے سرتاج! ایک بار صغرا کی چار پائی باہر منگوا دیں صرف ایک لمحہ کیلئے میرے سرتاج مجھے سے اس کی دردناک چیخ برداشت نہیں ہو سکتی۔

بیمار کو صرف دو باتیں کر لینے دیں۔

امام عالی مقام نے جلدی جلدی بیمار کی چار پائی دروازے کے قریب لانے کا حکم دیا

صغرا کو نقاہت سے نہ تھی طاقت رفتار
دروازے کے پاس آ کے یہ کہتی تھی وہ بیمار

قربان گئی آخری دیدار کرا دو
اماں مجھے اصغر کو پھر اک بار دکھا دو

مضطر ہوئی من کر یہ سخن بانٹوئے بے پر
پردے سے جگر بند کا منہ کر دیا باہر

بیٹی سے کہا دستِ پیر ماتھے پہ رکھ کر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہیں اصغر

منہ زرد ہے رخساروں پر آنسو بھی بہے ہیں
یہ زگی آنکھوں سے تمہیں دیکھ رہے ہیں

تھراتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر وہ پکاری
اس ہاتھ کے اس چاند کے ماتھے پہ میں واری

آخر کوئی دن میں ہے بس اب موت ہماری
بھیا نہیں چینی کی میں فرقت میں تمہاری

جب آ کے پھر اس جھولے کو آباد کرو گے
تم بھی میری گودی کو بہت یاد کرو گے

﴿انیس﴾

بہن بھائی سے آخری گفتگو کر لیتی ہے تو پھر چار پائی اندر رکھوا دی
جاتی ہے۔ سواریوں کو چلنے کا حکم دے کر کر بلا کا مسافر نانا جان کے روضہ
اقدم کی جانب منہ کر کے آخری کلام کرتا ہے۔

مدینہ چھوٹ جاتا ہے!

۴ شعبان المعظم ۶۰ ہجری کی صبح طلوع ہونے میں ابھی کچھ وقت

باقی ہے۔ مدینہ منورہ کی پُر کیف فضا فردوسِ بریں کا نقشہ پیش کر رہی ہے
نخلستانوں میں کھجوروں کے پتے وجد و کیف کے عالم میں ایک
دوسرے کے گلے مل رہے ہیں۔

مَدِیْنَةُ الرَّسُولِ کے سب مکین آغوشِ رحمت میں چین کی نیند سو رہے
ہیں مسجدِ نبوی شریف میں نزولِ انوارِ خداوندی ہو رہا ہے۔ ملائکہ کی صفیر
نہایت ادب سے دربارِ رسالت مآب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم میں ہدیہِ صلوٰۃ و
سلام پیش کر رہی ہیں،

ہر طرف آرام و راحت اور سکون ہی سکون نظر آتا ہے مگر ایک ایسا
بزرگ جاگ رہا ہے جس کے قد و قامت اور رفتار کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا
ہے جیسے خود شہنشاہِ دو عالم تشریف لا رہے ہوں
یہ بزرگ حسین ابن علی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے

نواسہ رسول ہے،

سیطِ بنیمر اور شبیبہ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے

یہ زہرا بتول کا ولہ راشبیر ہے

یہ مدینۃ النبی کا شہزادہ ہے۔

یہ سلطنتِ اسلامیہ کا روحانی تاجدار ہے۔

جو اس وقت اپنے نانا جان سے یوں ہمکلام ہے

نانا جان! میں آپ کے ارشاد کی تعمیل کے لئے جا رہا ہوں، آپ نے مجھے جس امتحان کے لئے پالا تھا میں نے اُس امتحان کی تیاری مکمل کر لی ہے تیرے ناموس تیری اہل بیت کو دکھوں مصیبتوں کے اذیت ناک سفر پر روانہ کر دیا ہے۔

نانا جان! آپ کا غلام پورے طور پر حق غلامی ادا کرے گا۔

میرے پیارے نانا! تیرا حسین تیرے دین کی زندگی کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دے گا،

آپ اگر میری خواہش کو عزیز رکھتے تھے تو میں بھی آپ کی ہر خواہش کا پورا پورا احترام کروں گا۔

آپ نے بچپن میں میرے لئے جنت سے جوڑا منگوا یا تھا میں آپ کے دین کی سر بلندی کیلئے اپنی ٹکڑے ٹکڑے لاش کے لئے کفن بھی نہیں مانگوں گا۔

نوازشات کے بدلہ!

حضور آپ نے میرے لئے منبر چھوڑ دیا تھا آج آپ کا

غلام آپ کے ناموس کیلئے مدینہ چھوڑ رہا ہے۔

نانا جان! حسین کے جسم میں جب تک خون کا آخری قطرہ بھی موجود ہوگا آپ کی عظمت کے پرچم کو سُرنگوں نہیں ہونے دے گا۔

پیارے نانا جان! آپ نے مجھے کربلا کی جو تصویر دکھائی ہے میں اس کے ہر خا کے میں اپنے خون کی سُرخ بھردوں گا۔

نانا جان! مجھے کربلا کا محشر خیز نظارہ دیکھ کر وہ تکلیف نہیں ہوگی جو آپ کا مدینہ چھوڑتے وقت کر رہا ہوں۔

وہ کوئی بد بخت ہی ہوگا جو آپ کے مدینہ میں رہ سکتا بھی ہو اور پھر نہ رہے۔ نانا جان جنت کو چھوڑنے کے لئے اپنی خوشی سے کون تیار ہوتا ہے۔ محترم نانا! اپنے اس غریب الوطن پر دیسی مسافر پر نگاہ شفقت رکھنا اسے دکھوں اور مصیبتوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت عطا فرمانا۔

نانا جان! اپنے حسین کو بھول نہ جانا۔ نانا! آپ کے کرم کے بغیر حسین ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ آپ ہی تو میری رہنمائی کریں گے۔ آپ ہی تو مجھے منزل سے آشنا کریں گے۔

میرے حضور! آپ ہی تو میری رُوح اور میری زندگی کی زندگی ہیں، آپ میرا خیال نہیں رکھیں گے تو اور کون رکھے گا۔ حضور مجھے کسی ابتلا کے وقت بھی اکیلے نہ چھوڑنا۔

اب میں اجازت چاہتا ہوں۔ میرے کریم! اب اپنے حسین کو

اجازت مرحمت فرمائیے۔

میرے آقا! بیمار صُغرا کا خیال رکھنا۔ میں نے اسے جس حال میں چھوڑا ہے وہ سب آپ پر ظاہر ہے۔

حضور! وہ آپ ہی کا خون ہے۔ میں اُس اَلْمَنْصِیب کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ تاجدارِ عالم کی پناہ میں، شہنشاہِ کونین کی پناہ میں، پناہِ بیکساں میں اس نغمسارِ غریباں کی پناہ میں جس کی پناہ میں آنے کے بعد غمِ خوشی میں بدل جاتے ہیں بیماریِ تدرستی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ دُکھ، سُکھ بن جاتے ہیں۔

حضور! حسین کی بیکس پیچی کا خیال رکھنا۔ خُدا حافظ میرے نغمسارِ نانا خُدا حافظ خُدا تعالیٰ آپ کے مَدینہ کو آباد رکھے، آپ کی خیر ہو آپ کے ساتھیوں کی خیر ہو لہلہاتے نخلستانوں کی خیر ہو عزمِ بارگشتانوں کی خیر ہو۔ جَنّت البقیع کے مزاروں کی خیر ہو مَدینہ کی بہاروں کی خیر ہو۔ میری اماں جان کے حُجرہ کی خیر ہو مسجدِ نبوی کے محرابِ منبر کی خیر ہو۔

الوداع اے تاجدارِ دو عالم الوداع، خُدا حافظ اے نانا جان حسین کا آخری سلام قبول ہو، خُدا حافظ!

پھر آپ روتے ہوئے اُلٹے پاؤں واپس ہوئے۔ اہل بیت کا قافلہ جاچکا تھا آپ اپنی سواری پر بیٹھے اور دُوبتے ہوئے دِل کے ساتھ منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

شہر کے باہر اہل بیت کا قافلہ رکا ہوا ہے اور سب مدینہ کی طرف
حسرت زدہ نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

آج سے ساٹھ سال پہلے عرب کا چاند ثنّیّات الوداع کی
گھاٹیوں سے طلوع ہوا تھا آج اُس چاند کا چاند انہی گھاٹیوں میں غروب ہو
رہا ہے۔ یہ وہ گھاٹی ہے جہاں تک مدینہ کے لوگ اپنے مہمانوں کی واپسی پر
الوداع کہنے آتے ہیں۔

مگر آج حُسین جا رہا ہے تو اُسے کوئی بھی الوداع کہنے والا نہیں ہے
آپ نے حسرت سے اس گھاٹی کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

میرے نانا کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری پر بنی نجار کی لڑکیوں
نے یہاں خوشی کے گیت گائے تھے۔

ہائے افسوس کہ تھوڑی دیر تک یہ گھاٹی میری نگاہوں سے اوجھل ہو
جائے گی۔ مدینہ کو چھوڑ دینا آسان نہیں مدینہ چھوڑتے وقت جان نکل جاتی
ہے عام لوگوں کی یہ حالت ہے

کہ مدینہ چھوڑنے کے وقت چیخیں مار مار کر بے ہوش ہو جاتے ہیں
آنکھیں خُون کے آنسو بہاتی ہیں۔ دل دُوب جاتے ہیں مدینہ سے نکلتے
وقت جو حالت ہوتی ہے یہ وہی لوگ جان سکتے ہیں جو مدینہ سے ہو کر آئے

ہیں۔

قافلہ والوں کی حالت زار

اور یہ تو حسینؑ مدینہ چھوڑ رہے ہیں جن کا گھر مدینہ میں ہے جن کی اتنی جان کا حجرہ مدینہ میں ہے، جن کے بھائی حسنؑ مدینہ میں ہیں جنکی ماں مدینہ میں ہیں، جن کا سب کچھ مدینہ میں ہے جنکے ناں مدینہ میں ہیں جنکی بیمار صغریٰ مدینہ میں ہے مدینہ چھوڑتے وقت اُن کی کیا حالت ہوگی۔ یہ تصور کر لینا بھی مشکل ہے کہ مدینہ چھوڑتے وقت حسینؑ کے سینے میں کس کس طرح کے طوفان اُٹھ رہے تھے۔

سیدہ زینب کے دل کی کیا حالت تھی علی اکبر کو بہن کی جدائی نے کس طرح بیقرار کیا ہوگا۔ جناب قاسم کو باپ کی قبر انور کے پچھڑنے کا کیا صدمہ ہوگا کون جان سکتا ہے۔

اس غریب الوطن ہونے والے قافلہ والوں کے دلوں کی حالت نہ قلم بیان کر سکتی ہے نہ زبان ادا کر سکتی ہے ان کے دلوں پر جدائی کی چلنے والی چھریوں کے زخموں کی گہرائی کو کون ناپ سکتا ہے۔

اُن کی مصیبت کو یا خدا جانتا تھا یا مصطفیٰ جانتے تھے یا وہ جانتے تھے نبضیں تھڑا رہی تھیں کلیجے دھڑک رہے تھے سینے بھر دک رہے تھے، دل دُوب رہے تھے آنکھیں خُون کے آنسو برس رہی تھیں اور زبان پر صدائے
الفرق الفرق تھی

قافلہ روانہ ہو گیا

اسی عالم اندوہ غم میں حسین کی حسرت و یاس میں ڈوبی ہوئی نگاہیں اٹھتی ہیں ہم سفروں کی طرف دیکھتے ہیں اور ٹوٹے ہوئے دل سے روانگی کا حکم دیتے ہیں قافلہ روانہ ہوتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا جیسے سواروں کے جذبے کو سواریاں بھی جانتی ہیں قدم اٹھتا ہے مگر نہیں اٹھتا یوں لگتا تھا جیسے ہر ناقہ کے پاؤں باندھ دیئے گئے ہیں۔

قافلہ آہستہ آہستہ طوعاً و کرہاً چلا جا رہا ہے سبھی لوگوں کی گردنیں مڑی ہوئی ہیں اور نظریں مدینہ منورہ کی طرف لگی ہوئی ہیں۔

آخر چلتے چلتے یہ آرزوؤں اور ارمانوں کا شہر نظروں سے اوجھل ہو

جاتا ہے۔

حسین مکہ معظمہ میں

عجیب اتفاق ہے کہ نانا نے رات کے وقت مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی اور اب نواسے کورات ہی کے وقت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف۔ آنا پڑا اس وقت خاندانی عداوت کفر اور اسلام کے نام پر ظاہر ہو رہی تھی اور اب وہی خاندانی عداوت اسلام کے نام پر اسلام سے ٹکرانا چاہتی ہے۔ بہر حال امام حسینؑ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے منزل بہ منزل مکہ معظمہ میں تشریف لے آتے ہیں۔

عبداللہ ابن زبیر آپ سے پہلے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ میں آچکے تھے عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن عمر پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ ان سب نے مل کر امام عالی مقام کا شاندار استقبال کیا اور قافلہ اہل بیت نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے نانا و دادا کے مکانوں فروکش ہو گیا نانا کا مولد مبارک سب کے لئے باعث تسکین بن گیا سیدہ خدیجہ الکبریٰ کے مکانوں کی رہائش نے مدینہ منورہ کی جدائی کے زخموں پر مرہم کا کام کیا ان گلیوں میں بھی سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عنبر فشاں زلفوں کی مہک رچی بسی ہوئی تھی۔

یہ وہی گھر تھا جہاں شہزادی کونین، مخدومہ کائنات، سیدۃ النساء العالمین، خاتون قیامت، سیدہ فاطمہ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی ولادت

باسعادت ہوئی تھی۔ ماں کے مزار اقدس کی جگہ نانی سلام اللہ علیہا کا مزار وجہ سکون و قرار بنا ہوا تھا۔ مدینہ بھولنے کی چیز نہیں! لیکن یہاں تاجدار مدینہ کے آثار تھے۔ نشانیاں تھیں جن کی زیارت سے تصورات کی دنیا بہت کچھ حاصل کر لیتی ہے

امام عالی مقام علیہ السلام کا زیادہ وقت حرم میں ہی گزرتا ہے وعظ و ارشاد و نصائح کا بازار ہر وقت گرم رہتا ہے مکہ معظمہ کے لوگ شہزادہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سننے کیلئے انبوہ در انبوہ آپ کے گرد جمع رہتے ہیں۔

ان دنوں عامل مکہ سعید بن عمرو بن العاص تھا اگرچہ یہ گورنر یزید کی طرف سے مقرر تھا لیکن امام عالی مقام کے گرد لوگوں کے ہجوم سے کچھ تعرض نہ کرتا۔ اندرون خانہ مکہ معظمہ کے بیشتر لوگ یزید کی حکومت سے بے زاری کا بھی اظہار کرتے اور اس سے نفرت بھی کرتے۔ لیکن فضا پر سکون تھی نہ تو حکومت کی طرف سے کسی قسم کا کوئی تشدد کیا جاتا اور نہ ہی لوگ کھل کر حکومت کی مخالفت کرتے۔

امام عالی مقام علیہ السلام نہایت خاموشی سے اپنا وقت گزار رہے تھے اور اس وقت کا انتظار کر رہے تھے جب کربلا کا خونی معرکہ قائم ہونا تھا۔ ان لمحات کا انتظار تھا جن میں تکمیل ذبح عظیم ہونا تھی ان گھڑیوں کے منتظر تھے جن میں خدا تعالیٰ کے حضور میں امتحان کے پرچے پیش کرنا تھے،

کوفہ والوں کے خطوط

بالآخر یہ انتظار کی گھڑیاں ختم ہونے کے قریب آگئیں اور وہ اسباب پیدا ہونے کا وقت آگیا جو آپ کو آپ کی شہادت گاہ تک لے جاتے عراق کے دار الخلافہ کوفہ سے امام عالی مقام کے نام خط آنا شروع ہو گئے کوفہ کے رئیسوں کے خطوط، شہریوں کے خطوط، امیروں کے خطوط، علماء کے خطوط عوام کے خطوط۔

ایک ایک خط پر کئی کئی مہریں ہوتیں، ایک خط پر کوفہ کے ستر ستر برآوردہ لوگوں کی مہریں تھیں۔ دو چار، پانچ دس نہیں بیسیوں خطوط، پورے ایک سو بیس خطوط امام عالی مقام کو موصول ہوئے۔

جو نامہ بر بھی آتا تحریر کیا ہوا خط شہزادہ گلگلوں قبا کے حضور میں پیش کر کے فریاد شروع کر دیتا ہر نامہ بر کی گفتگو اور ہر خط کا مضمون ایک ہی جیسا ہوتا۔ امام عالی مقام خط پڑھتے، خط لانے والوں کے چہروں کو پڑھتے، ان کے دلوں کا مطالعہ کرتے، اور پھر نانا جان سے کیا ہوا وعدہ یاد کر کے زیر لب مسکرا دیتے متعدد خطوط آنے تک آپ نے، ہاں! نہ، کچھ بھی نہ کہا۔

وعدہ فرمالیا

بالآخر آپ نے ایک وعدہ سے وعدہ فرمالیا کہ ہم آجائیں گے لیکن ہم

سے پہلے ہمارے بھائی جناب مسلم بن عقیل تمہارے پاس آئیں گے۔
وہ حالات کا جائزہ لے کر ہمیں خط لکھیں گے تو ہم ضرور
آجائیں گے۔

وفد کی واپسی

وفد واپس چلا گیا۔ ادھر کوفہ میں ہر شخص کو اطلاع ہو گئی کہ امام عالی
مقام ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لانے کا وعدہ فرمایا ہے
اور مسلم بن عقیل آپ کے نائب بن کر بہت جلد پہنچ رہے ہیں۔

ادھر امام عالی مقام نے حضرت مسلم کو ارشاد فرمایا۔

برادر محترم! کوفہ والوں کی طرف سے مسلسل خطوط کی آمد
آپ پر ظاہر ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہمیں یزید کی بیعت قبول نہیں۔ وہ چاہتے ہیں
کہ میرے ہاتھ پر بیعت کریں۔

اُن کا جملہ یہ بھی ہے کہ اگر ہمیں ایک فاسق و فاجر کے رحم و کرم پر
چھوڑا تو اس کی ذمہ داری ابن رسول پر ہوگی اور وہ قیامت کے دن بری
الذمہ ہوں گے۔

برادر عزیز! ہم کوفہ والوں کو جانتے ہیں۔ اس لئے آپ کو
پہلے بھیجنا چاہتے ہیں۔ آپ وہاں تشریف لے جائیں، وہاں کا جائزہ لے کر
ہمیں خط لکھیں۔ تو ہم بھی آجائیں گے۔

امام مسلم کی کوفہ روانگی

حضرت امام مسلم نے امام عالی مقام کا ارشاد عالیہ سن کر گردن جھکا دی۔ اور عرض کیا کہ یا ابن رسول اللہ! غلام حاضر ہے میں انشاء اللہ العزیز صبح کی نماز کے بعد کوفہ کو روانہ ہو جاؤں گا۔

میرے سردار! میں بھی کوفہ والوں کی بے وفائی کو جانتا ہوں اس لئے آپ پوری احتیاط فرمائیے۔ جب تک غلام کا عریضہ نہ آجائے آپ کوفہ کی جانب ہرگز تشریف نہ لائیں میرے آقا وہ لوگ پر لے درجے کے دغا باز ہیں

شہزادوں کی ضد

اگلی صبح فجر کی نماز کے بعد نائب ابن رسول، قاصد حسین حضرت مسلم بن عقیلؓ مختصر زاد راہ لے کر سواری پر بیٹھنے لگتے ہیں تو دونھے شہزادے آپ کی سواری کے آگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مسلمؓ سواری سے اترتے ہیں، بچوں کو پیار کرتے ہیں، دونوں کے رخساروں کو تھپتھا کر فرماتے ہیں،

میرے لال جاؤ! بابا حسین کے پاس جاؤ! میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا یا تم سب بابا کے ساتھ میرے پاس آ جاؤ گے۔

دونوں شہزادے چل جاتے ہیں۔ بابا جان! ہم آپ کے ساتھ جائیں گے ہمیں رات آپ کے سفر کا رات کو ہی چل گیا تھا اور ہم اس وقت

سے تیار ہو کر بیٹھے ہیں۔ اچھے ابا جان ہمیں ضرور ساتھ لے چلیں۔ ہم کبھی ضد نہیں کریں گے۔ ہم آپ سے کوئی چیز نہیں مانگیں گے اور نہ ہی آپ کو پریشان کریں گے۔

دونوں ننھے صاحبزادے ایک دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے باپ کو روکے ہوئے ہیں شہزادہ گلگوں قبا ابن بتول امام حسین علیہ السلام بھی ادھر تشریف لے آتے ہیں بچوں کی ضد کا ماجرا سن کر ارشاد فرمایا مسلم! ان کی بات مان جائیے! ورنہ یہ آپ کی یاد میں پریشان ہو جائیں گے مجھ سے ان کا مچلنا دیکھا نہیں جاتا۔

میں بیمار صغریٰ کر چھوڑ تو آیا ہوں مگر آج تک پریشان ہوں اس کی یاد اس شدت کے ساتھ آتی ہے کہ میرا دل تڑپ جاتا ہے۔ آپ اپنے شہزادوں کو ساتھ لے جائیں یہ بھی خوش ہو جائیں گے اور آپ کا دل بھی بہل جائے گا۔

ان کے کپڑوں کے ایک دو جوڑے اور ساتھ لے لو اور دھوپ کی تمازت سے پہلے کچھ نہ کچھ سفر طے کر لو۔

حضرت مسلم مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ اس کا فرمان تھا جس کا کوئی حکم ٹالا نہیں جاسکتا۔ آپ شہزادہ رسول کو جھک کر سلام کہتے ہیں اور بچوں کو آگے بٹھاتے ہیں اور سواری کو اپنے راستے پر چھوڑ دیتے ہیں۔

مکہ معظمہ سے کوفہ تک کا سفر ان دنوں خاص طور پر دشوار تھا دور دور

تک کسی بستی کا نشان نہیں تھا بقِ ودق صحرا چٹیل میدان، کہیں کہیں پہاڑیاں
اور پھر ریت کے اونچے اونچے ٹیلے کوئی باقاعدہ نخلستان شاید ہی کہیں ہو ورنہ
کہیں کہیں اکیلا دو کیلا کھجور کا درخت نظر آ جاتا تو کوئی مسافر اس کے نہ
ہونے کے برابر سایہ میں چند گھڑیاں سستالیتا۔

البتہ بعض مقامات پر خار دار جھاڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ پھیلے
ہوئے نظر آتے پانی کا دور دور تک نشان نہیں۔

اس جانکاہ سفر میں امام عالی مقام کے نائب حضرت مسلمؒ اپنے
پھول سے شہزادوں کو ساتھ لئے ہوئے جارہے ہیں۔

نہ دھوپ کی پرواہ ہے نہ پیاس کا ڈر بچوں کو کئی بار پیاس کی شدت
بے قرار کر دیتی ہے لیکن انہیں اپنا وعدہ ہر وقت یاد رہتا ہے کہ ابا جان ہم ضد
نہیں کریں گے اور نہ ہی آپ کو پریشان کریں گے
کہیں کوئی قافلہ نظر آ جاتا ہے تو آپ اس کے ساتھ ہی پڑاؤ ڈال
کر رات بسر کر لیتے ہیں اور صبح قافلے والوں کے اٹھنے سے پہلے ہی اپنا سفر
شروع کر دیتے ہیں۔

گرم گرم ریت کے گولے جب سواری کو اپنی پلیٹ میں لیتے ہیں تو
نخنہ بچے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں لیکن کب تک!

ریت کے ذرات آنکھوں میں پڑ جاتے ہیں بچوں کی آنکھیں بار
بار ملنے سے سرخ ہو جاتی ہیں۔

راستے کی پریشانیوں کو کہاں تک قلمبند کیا جاسکتا ہے ان حالات کو کچھ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو کبھی ایسے سفر سے واسطہ پرا ہو جو توں کر کے سفر ختم ہو جاتا ہے کوفہ شہر دور سے نظر آ جاتا ہے آپ سواری تیز کر دیتے ہیں بالآخر معرکہ کربلا کا پہلا شہید شہر میں داخل ہو جاتا ہے۔

حضرت مسلم کوفہ میں

آپ کی آمد کی اطلاع جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل جاتی ہے

کوفہ کے لوگ جوق در جوق آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں کوئی پاؤں کو بوسہ دے رہا ہے اور کوئی ہاتھ چوم رہا ہے۔

خوش آمدید اور لبیک کے نعروں سے کوفہ کا ہر بازار گونج رہا ہے آپ کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ رئیس کوفہ مختار ثقفی کے گھر ٹھہرایا گیا وہیں پر کوفہ کے دوسرے زعماء و رؤساء جمع ہو جاتے ہیں۔

ان میں بیشتر وہ ہیں جن کی طرف سے امام عالی مقام کے نام خطوط لکھے گئے تھے چند مشہور لوگوں کے نام یہ ہیں:-

سلیمان بن صرد خزاعی، مسیب فرازی، عافہ بن شداد، عارب، رقاد، اشعب، عبدالرحمن بن سحف، عبداللہ عقیف، طارق اعمش، مختار ثقفی

حضرت مسلم کا خط امام کے نام

امام مسلمؑ نے جب ان لوگوں کے جذبات و احساسات کا انداز لگایا تو آپ کو ایک گونہ تسلی ہو گئی کہ یہ لوگ اہل بیت اطہار کی محبت سے سرشار ہیں۔ رؤسائے کوفہ کی استدعا پر امام عالی مقام کے نام پر بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

معتبر روایات کے مطابق اسی ایک روز میں بارہ ہزار کوفیوں نے امام مسلمؑ کے دست حق پرست پر سیدنا امام حسین علیہ السلام کے نام کی بیعت کی وہ لوگ کھلے بندوں پر یزید لعین کو برا بھلا کہتے اس کی حکومت و امارت کو غیر اسلامی قرار دیتے اور اپنے خطوط کے مطابق یزید سے پوری پوری بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتے اور امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام کی مدح و ستائش بیان کرتے۔

حضرت مسلمؑ نے کچھ دن وہاں رہ کر سامنے آنے والے حالات کا بخوبی اندازہ لگالیا اور اچھی طرح جائزہ لے لیا تو شہزادہ مصطفیٰ کے نام خط لکھ کر روانہ کر دیا۔

خط میں لکھا تھا کہ یہاں کے حالات درست ہیں آپ تشریف لے آئیں تمام کوفہ کے لوگ سوائے چند ایک کے آپ کے نام کی بیعت کر چکے ہیں اور اب وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں کہ آپ تشریف لائیں اور مسلمانوں

کویزید کی ہلاکت خیزیوں سے نجات دلائیں ادھر امام مسلم کا قاصد روانہ ہو جاتا ہے اور دوسری جانب کوفہ میں رہنے والے یزید پلید کے چند شریر چیلے اور جاسوس شام کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

یزید کے جاسوس

انہوں نے جا کر یزید کو کوفہ کے حالات سے مطلع کیا کہ وہاں مسلم کے ہاتھ پر پورا کوفہ حسین کے نام کی بیعت کر چکا ہے۔

لوگ تمہیں کھلے بندوں گالیاں دیتے ہیں لیکن وہاں کا گورنر کسی قسم کا تعرض نہیں کرتا اگر تم نے جلد حالات پر قابو نہ پالیا تو پھر کوفہ سے اٹھنے والا طوفان تمہاری حکومت اور امارت کو غرق کر دے گا۔

جاسوسوں کی اطلاع سن کر یزید کا رنگ اڑ جاتا ہے اس نے اسی وقت اپنے ہی جیسے ایک شیطان وزیر کو بلایا جو یہودی النسل بھی تھا اور اسلام کا دشمن بھی وہ اسے لے کر خاص کمرے میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگا۔

یزید:- بہت بڑی مصیبت نازل ہونے والی ہے مجھے مشورہ دو کہ اب میں کیا کروں۔

یہودی وزیر سر جون:- آخر کونسی مصیبت آرہی ہے کچھ بتاؤ تو سہی جو بھی بلا آئے گی اس کا حل نکال لیا جائے گا۔

یزید:- کوفہ سے ابھی ابھی اطلاع آئی ہے کہ وہاں مسلم بن

عقیل کو حسین علیؑ نے اپنے لئے بیعت کی غرض سے بھیج رکھا ہے
 سرجون :- تو پھر کیا ہوا امیر! گھبرانے کی کیا بات ہے،
 یزید :- تم عجیب آدمی ہو۔ پورا کوفہ حسین کے نام کی بیعت کر چکا
 ہے اور تم کہتے ہو کہ پھر کیا ہوا۔

سرجون :- کیا کوفہ کے گورنر نے لوگوں کو بیعت حسین سے منع
 نہیں کیا۔

یزید :- یہی تو مصیبت ہے کہ وہ بھی انہی لوگوں سے ملا ہوا ہے
 بھاسوسوں کی اطلاع کے مابق کوفہ کے لوگ مجھے گالیاں دیتے ہیں، اور سر
 بازار برا بھلا کہتے ہیں لیکن وہ کسی کو نہیں روکتا۔

سرجون :- کوئی بات نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا کوفہ کے لوگوں
 میں خوب جانتا ہوں سب بکاؤ مال ہے کوفہ کے لوگ موم کی ناک ہیں امیر!
 انہیں جو چاہے جس طرف جی چاہے موڑ سکتا ہے تھوڑی سی سیاست اور
 ہمت کی ضرورت ہے۔

یزید :- تو پھر کب سیاست کھیلی جائے، کب ہمت سے کام لیا
 جائے گا پانہ تو سر سے اونچا ہو رہا ہے سرجون یہ سیلاب اگر بڑھتا گیا تو شام کو
 بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

سرجون :- مت پرواہ کرہ امیر! ابھی بندوبست کئے دیتا ہوں بصرہ
 کے گورنر ابن زیاد کے نام ایک خط لکھواؤ اور شاہی مہر لگوا کر فوراً قاصد کو

روانہ کر دوا سی لفافہ میں نعمان بن بشیر کی معزولی کا حکم نامہ بھی بھیج دوا بن زیاد کو لکھو کہ حکمنامہ ملتے ہی بصرہ کے کسی معتمد کو عامل بنا کر کوفہ چلا جائے وہاں جاتے ہی وہاں کے گورنر کو معزول کر کے خود چارج سنبھال لے اور کوفہ والوں کو ہر طرح قابو میں کر لے۔

یزید:- میں تمہاری تجویز سے اتفاق کرتا ہوں ابن زیاد ڈھیک طور پر اس کام کو انجام دے سکے گا اب مضمون مرتب کرو اور فوراً قاصد کو بھیجنے کا بندوبست کرو اسے خط میں لکھ دو کہ تمہیں ہر قیمت پر کوفہ کی فضا پر قابو حاصل کرنا ہے

لاپچی آدمیوں پر خزانوں کے منہ کھول دوا اہل بیت سے زیدہ محبت دکھانے والوں پر تشدد کرو تم جس کی چاہو گردن زنی کر سکتے ہو۔ تمہیں قتل و غارت گری کا عام اختیار ہوگا اسے لکھ دو کہ تمہیں کوفہ میں داخل ہونے کا طریقہ اپنی عقل کے مطابق اپنانا ہوگا حالات پر قابو پاتے ہی مسلم بن عقیل کو قتل کر دینا۔ اسے یہ بھی لکھ دو کہ امیر نے تمہیں پوری اسلامی قلمرو سے بہتر سمجھتے ہوئے منتخب کیا ہے اور تم امیر کے اعتماد کو برقرار رکھو گے۔

یزید کا خط ابن زیاد کے نام

خط لکھ دیا گیا اور قاصد تیزی کے ساتھ سفر کرتا ہوا ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا۔ ابن زیاد لعین نے خط کھولا تو اس کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں وہ

طبعاً تشدد تھا اس لئے ہی تو اس کا انتخاب کیا گیا تھا اور پھر جب اس نے اپنے بارے میں تعریفی جملے پڑھے تو اس کی شیطانی آنکھیں چمکنے لگیں وہ ایسے انداز میں اٹھا جیسے کسی درندے کو انسانی خون کی بو آگئی ہو وحشت اور درندگی نے اسے پاگل بنادیا ہو۔

خط کو دو تین بار پڑھا اٹھا اور اپنے بھائی کو اپنی جگہ حاکم مقرر کیا اور نعمان بن بشیر کی معزولی کا حکمنامہ جیب میں ڈال کر سفر کی تیاری کرنے لگا کوفہ میں داخل ہونے کا طریقہ اس نے سوچ لیا تھا۔

جس قسم کی دستار امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام باندھا کرتے تھے باندھ لی اور سیاہ رنگ کی نقاب منگوائی اور تیز چلنے والی سواری میں بیٹھ کر کوفہ روانہ ہو گیا۔

اب دیکھئے کیا ہوتا ہے؟

کوفہ کے لوگ انتظار میں تھے کہ امام عالی مقام کو حضرت مسلم کا خط پہنچ چکا ہے اور وہ تشریف لانے والے ہیں اس تصور سے حمايت امام میں ان کے جوش و خروش میں ہر روز اضافہ ہوتا جاتا۔

بڑے بڑے اجتماع ہوتے یزید کے خلاف اور امام عالی مقام کے حق میں نعرہ بازی ہوتی کوفہ کا گورنو واقعی نرم دل اور اہل بیت مصطفیٰ کا غلام ہے لیکن کوفیوں کے اس رویہ پر اسے تشویش ضرور تھی۔

اس نے چند زعماء کو بلا کر سمجھانے کی کوشش کی کہ میں تمہیں امام عالی مقام کی بیعت سے منع نہیں کرتا لیکن اپنی ان کاروائیوں کو روک دیں جن میں تشدد کا رنگ پایا جاتا ہے

مگر کوفیوں نے اس کی کسی کی پرواہ نہ کی اور اپنی بات پراڑے رہے ایک روز جامع مسجد میں نعمان نے تشدد روکنے کے لئے دھمکی آمیز خطبہ بھی دیا لیکن کسی نے کوئی بات نہ مانی۔

حضرت مسلم کے گرد ہر وقت ہزاروں لوگوں کا اجتماع رہتا آپ کے پیچھے نمازیں ادا کرتے جگہ جگہ پر مجالس ومحافل وعظ وارشاد کا اہتمام ہوتا یوں سمجھنا چاہیے کہ لوگوں کی اکثریت اپنے کام کاج بھول کر شمع حسنینت کا پروانہ وار طواف کرنے میں مصروف رہتی جدھر ابن عقیل کا گذر ہوتا ہے لوگ آپ کی راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں۔

آپ کے شہزادوں کی زیارت کے لئے عورتوں کی ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے ہیں کوئی ان کا منہ چوم رہی ہے، کوئی کپڑے بیدیل کر رہی ہے، کوئی پھل کھلانے کے لئے بے تاب ہے

کوئی قدموں کو بوسے دے رہی ہے، کوئی ان کے جسم پر ہاتھ مل کر برکت کے لئے اپنے جسم پر پھیر رہی ہے، عجیب میلہ لگا ہوا ہے، کوئی آ رہی ہے، کوئی جو رہی ہے، کوئی پنگھا جھل رہی ہے۔ اور کوئی قریب جانے کے لئے بے قرار کھڑی ہے

نقاب پوشِ شطان

اس طرف تو یہ پیارِ محبت کے میلے لگے ہوئے ہیں اور اُدھر ابن زیاد اپنا سفر قطع کرتا ہوا کوفہ میں اس طریقہ سے داخل ہوتا ہے کہ سر پر سیاہ رنگ کی دستار ہے اور چہرے پر نقاب پہنی ہوئی ہے اور بجائے بصرہ کی طرف سے آنے کے راستہ تبدیل کر کے مکہ معظمہ کے راستے سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فوج کے چند دستے بھی تھے جنہیں کہا گیا کہ تم کوفہ میں صبح داخل ہونا کسی شخص نے دور سے ایک نقاب پوش سوار کو دیکھا تو اس نے پورے شہر میں دُہائی مچادی کہ لوگو تمہیں مبارک ہو کہ امام عالی مقام تشریف لے آئے لوگ شہر سے باہر نکل آتے ہیں لیکن وہ تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا شہر میں داخل ہو جاتا ہے اور دارالامارت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔

لوگوں کی حیرانی

لوگ حیرانی سے واپس آتے ہیں کہ امام کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ابن زیاد عمارت کے اندر ایسی جگہ پر کھڑا ہو جاتا ہے کہ جہاں وہ ان لوگوں کے ساتھ بآسانی بات چیت کر سکتا ہے کوئی دارالامارت کے قریب آتے ہیں ابن زیاد زبان میں زبردستی مٹھاس پیدا کر کے ان سے اس قسم کی گفتگو کرتا ہے کہ سب لوگ خاموشی سے واپس آ جاتے ہیں۔

کوفہ کے لوگ زیرِ نقاب نور دیکھنا چاہتے تھے لیکن نقاب اٹھتے ہی

احساس ہو گیا کہ یہ تو آگ اور ظلمات ہے۔

وہ مشتاق تھے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چاند کی زیارت ہوگی لیکن وہ

سمیۃ کا والد الحرم نکلا۔

وہ ابن رسول کی راہ دیکھتے تھے انہیں ابن مجہول سے واسطہ پڑ گیا۔

وہ مدینہ کے فرشتہ سیرت انسان کے منتظر تھے لیکن ان کے سامنے

بصرہ کا شیطان تھا۔ کوفہ والوں کی اس جذباتیت کا کیا جائے جو ان کی عقلوں

کو سلب کر لیتی ہے۔

کسی نے نہیں سوچا

انہیں معلوم تھا کہ امام عالی مقام یہاں بمعہ اہل و عیال تشریف

لا رہے ہیں انہیں یہ بھی اندازہ تھا کہ امام عالی مقام کے یہاں پہنچنے میں ابھی

کچھ دن لگیں گے۔ مگر آج ہی کی طرح وہ بھی جذباتی نعروں کے دام میں

جکڑے جایا کرتے تھے کسی ایک نے آواز دے دی امام آگئے ہیں تو سبھی

لوگ پکار اٹھے امام آگئے امام آگئے ان کی عقلوں نے سوچا نہیں امام عالی

مقام اکیلے نہیں آرہے اور ابھی ان کے آنے میں کچھ وقت باقی ہے۔

نعمان کی معزولی

ابن زیاد کوفہ والوں کو یہ بتا دینے کے بعد کہ میں آ گیا ہوں آگے

بڑھتا ہے نعمان پہلے ہی اس کے قریب کھڑے تھے اور انہیں یہ اندازہ لگانے

میں دشواری نہیں ہوئی کہ اس کا اس طریقہ سے آنا خالی از شرارت نہیں۔

نعمان اور ابن زیاہ کی گفتگو

وہ اسے ساتھ لیتے ہیں اور اسے خالی کمرے میں آ کر بوں گفتگو

شروع کرتے ہیں

نعمان ! بصرہ کے عامل کی اس پراسرار اور غیر متوقع آمد پر میں حیران ہوں؟

ابن زیاد ! حیرانی کی کوئی بات نہیں مجھے آنا ہی تھا۔

نعمان ! اپنی آمد کا مطلب بیان کرو؟

ابن زیاد ! مطلب بھی بتا دیتا ہوں پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے کوفیوں کو اتنی گھلی چھٹی کیوں دے رکھی ہے کہ وہ براہ راست امیر شام کو گالیاں دے سکیں۔

نعمان ! میں نے انہیں روکنے کی کوشش کی ہے کل بھی میں نے ان کے زعماء کو بلا کر اس جوش و خروش سے منع کیا تھا۔

ابن زیاد ! تمہارے ہوتے ہوئے مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ﴿حسین علیہ السلام﴾ کے نام کی بیعت کیوں لی۔ کیا تم یزید کے نمک خوار ملازم نہیں ہو؟

نعمان ! میں یزید کا ملازم ضرور ہوں لیکن میں عقیدت کے اس سیلاب کو کس طرح روک سکتا تھا جبکہ عوام کے ساتھ فوج کا کچھ حصہ بھی امام عالی

مقام کے مداحوں میں ہے۔

ابن زیاد ! تمہیں طاقت استعمال کرنا تھی مسلم ابن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آتے ہی اس کا سر قلم کروادیتے تو کو فیوں کا سارا جوش و خروش اسی وقت ٹھنڈا ہو جاتا۔

نعمان ! ابن زیاد ہوش کی دوا لو میں خاندان مصطفیٰ کے چشم و چراغ کا سر کس طرح قلم کروا سکتا ہوں کیا تم اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی نہیں ہو جس کے یہ عزیز ہیں۔

ابن زیاد ! تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی اس حق میں ہو کہ حسین علیہ السلام کو من مانی کرنے دی جائے اور یزید کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے؟

نعمان ! میرا یہ مطلب تو نہیں لیکن میں اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ مجھے اہل بیت سے محبت ضرور ہے۔

ابن زیاد ! اہل بیت سے محبت کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم امیر شام کے دشمن ہو اس لئے یہ لو امیر شام کا حکم نامہ جس میں تمہیں حکومت کا بدخواہ ہونے وجہ سے معزول کر دیا گیا ہے۔

شک یقین میں بدل گیا

نعمان پہلے ہی جان گئے تھے کہ یہ شیطان خیر کے ساتھ تو ہرگز نہیں

آیا۔ اب شک نے یقین کی صورت اختیار کر لی آپ نے دل ہی دل میں ٹھنڈی آہ بھر کر الحمد للہ کہا اور دارالامارت کے باہر آ گئے۔

الحمد للہ تو اس لئے کہا کہ میں اس امتحان سے بچ گیا جو امام عالی مقام کے آنے کے بعد شروع ہوتا ہو سکتا ہے کہ حکومتی نظم و نسق برقرار رکھنے کے لئے اہل بیت کے ساتھ کوئی زیادتی ہو جاتی۔

اور ٹھنڈی آہ اس لئے بھری تھی کہ بصرے کا یہ ظالم گورنر انسان کے روپ میں شیطان ہے اور اہل بیت کے ساتھ کسی بھی قسم کے ظلم و زیادتی سے باز نہیں رہے گا رات ہی رات کوفہ میں گردش کرتی ہوئی ہر شخص تک پہنچ گئی کہ نعمان گورنری سے معزول ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ اب ابن زیاد عامل کوفہ بن گیا ہے اس خبر نے کوفیوں کی نیند حرام کر دی اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر بتیاب نظر آنے لگا۔

کوفیوں کا کردار

صبح طلوع ہوتی ہے آج بجائے نعمان کے ابن زیاد کا دربار لگتا ہے اور وہ اپنی عیار نگاہیں اچھے درباریوں کے چہروں پر گاڑ دیتا ہے۔ اور پھر اپنی مرضی کے چند لوگ منتخب کر لیتا ہے۔

بند کمرے میں منتخب لوگوں سے مشورہ کیا۔ مکمل طور پر حالات سے آگاہی حاصل کی کچھ لوگوں کو خرید کر انہیں دوسروں کو خریدنے کے لئے بازار

بھیج دیا۔ پہلا پتا پھینکتے ہی خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ کئی کام کے آدمی خرید لئے گئے۔ پھر دوسرا پتا پھینک دیا گیا۔ ایک کھلا اجلاس طلب کیا گیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ادھر ادھر مسلح فوجی دستے بھی پھیلا دیئے گئے۔ اس کی اپنی فوج بھی شہر میں داخل ہو چکی تھی۔

گفتگو میں زبردستی نرمی پیدا کر کے لوگوں کو فضا سازگار رکھنے اور پرامن رہنے کی تلقین کی گئی اور ساتھ ہی ساتھ بد امنی کے نتائج سے دبے الفاظ سے آگاہ کر دیا۔

دونوں حربے نہایت کارگر ثابت ہوئے کو فیوں کا جوش و خروش کافی حد تک تھم چکا تھا۔

کو فیوں کا رویہ تبدیل ہو گیا

اب لوگ امام عالی مقام کی حمایت کا ذکر تو کرتے تھے لیکن یزید کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتے تھے۔

پھر ایک اور اجلاس ہوا لوگوں کو سیاست چھوڑ کر کاروبار میں دلچسپی لینے پر زور دیا گیا۔ سیاست کے نقصانات اور کاروباری فوائد گنوائے گئے۔ جنگ و جدل کی ہولناکیوں سے ڈار یا گیا اور امن و آشتی کی خوبیوں سے آگاہ کیا گیا۔

اب تقریر کرنے والا ابن زیاد نہیں تھا بلکہ یہ مقرر ان لوگوں میں سے

تھے جنہوں نے امام عالی مقام کو خطوط لکھے تھے جنہوں نے امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استقبال کیا تھا اور جو یزیدی حکومت کا تختہ الٹنے کا خواب دیکھا یا کرتے تھے۔

ان لوگوں کا عوام کے سامنے اس روپ میں آنا جو اثرات مرتب کر سکتا تھا وہ پورے طور پر نمایاں ہو گئے۔ امام مسلم کا حلقہ اب کوفہ کی جامع مسجد تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ لوگ ہزاروں کی تعداد میں نماز کے وقت مسجد میں آتے اور حضرت مسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے۔

لیکن اب نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنے کے لئے کوئی بھی تیار نہ ہوتا۔ لوگ ہر نماز کے فوراً بعد اپنے اپنے دنیاوی مشاغل میں مصروف ہو جاتے۔

امام مسلم کی پریشانی

امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوفہ واہوں کی تبدیلی دیکھ کر انتہائی پریشان تھے انہیں اپنی فکر تو کم تھی لیکن انہیں اس خط کا غم تھا جو امام عالی مقام شہزادہ گلگلوں قبا کے نام لکھ چکے تھے۔

وہ سوچتے رہے کہ جب امام آئیں تو یہ لوگ اور بھی بدل چکے ہوں گے۔

چند لوگ باقی ایسے تے جن کے پاس آپ شب باشی فرماتے تھے

ان کے سامنے اپنے ان خدشات کا اظہار کیا کہ یہاں حالات خراب ہو چکے ہیں کسی طرح امام عالی مقام کو اطلاع دے دی جائے کہ وہ کوفہ شریف نہ

لائیں راستے میں جہاں بھی ہیں وہیں سے واپس چلیں جائیں۔

وہ لوگ تسلی دیتے اور وعدہ کرتے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں چند دنوں تک اس نئے حاکم کو ہم اپنے قابو میں کر لیں گے اور پھر فضا سازگار ہو جائے گی۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔

لیکن جب صبح ہوئی تو ان کے پاس ابن زیاد کا آدمی بلانے کے لئے آ گیا کہ وہ حضرت مسلم کو لیکر میرے پاس آئیں وہ بے خوف ہو کر چلے گئے ابن زیاد نے حضرت مسلم پر سوال کیا کہ آپ لوگوں میں تفریق پیدا کرنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔

حضرت مسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہرگز نہیں۔

ہم تو ان کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ان کو انصاف کا حکم دیں اور انہیں کتاب اللہ کے احکام کی طرف بلائیں۔

ابن زیاد ! آپ جو بھی کرنا چاہتے ہیں یا کر رہے ہیں اس کو حکومت برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے اس سلسلے کو بند کر دو۔

امام مسلم ! ابن زیاد ہم یہاں اپنی مرضی سے نہیں آئے بلکہ ہمیں ان لوگوں نے سینکڑوں خطوط لکھ کر منگوا یا ہے۔

ابن زیاد ! میں جانتا ہوں لیکن اب یہ لوگ میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ اس لئے پہلا خیال دل سے نکال دو۔

حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لجٹ کو طول نہیں دینا جاتے تھے

اس لئے خاموشی سے واپس تشریف لے آئے۔

مغرب کی نماز کا وقت ہے کہ کوفہ کے لوگ حسب معمول مسجد میں آ رہے ہیں وضو کر چکے ہیں جماعت شروع ہونے والی ہے مسجد کے باہر کسی نے اعلان کر دیا جو شخص امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پاس رکھے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

کوفی بھاگ گئے

جناب مسلم نے اللہ اکبر کہا اور نماز کی نیت باندھ لی ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے فرضوں کی نماز پوری ہوئی نائب حسین علیہ السلام نے سلام پھیرا۔ دعا مانگی اور سنتوں کی نیت باندھ لی سنتوں کے بعد نوافل پڑھ کر فارغ ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مسجد خالی تھی۔ صرف ایک نحیف و ضعیف بزرگ ہاتھ میں تسبیح لئے بیٹھا تھا۔ آپ حیران ہو کر بوڑھے سے سوال کرتے ہیں۔ بابا کیا ہوا سب لوگ کدھر چلے گئے کیا نہیں زمین کھا گئی یا آسمان نے اٹھالیا۔

حضرت ہانی کی امام سے محبت

بابا آتا ہے آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ حضور یہاں حالات بالکل خراب ہو چکے ہیں نماز کے وقت مسجد کے باہر اس قسم کا اعلان ہوا تھا جسے سن کر سب لوگ بھاگ گئے۔

میرا نام ہانی ہے۔ میں نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہے اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

آئیے آپ میرے گھر تشریف لے آئیں۔ میں جیسا بھی ہوں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کا خادم ہوں۔ میرے گھر کے دروازے آپ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھلے رہیں گے۔

اور میں اسی ارادہ میں یہاں پیچھے رہ گیا تھا کہ آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں۔ شام گہری ہو چکی تھی۔ لوگوں نے ڈر کی وجہ سے اپنے دروازے بند کر رکھے تھے کہ کہیں امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے گھر آ جائیں ایک روایت میں ہے کہ مختار ثقفی کا گھر چھوڑ کر آپ پہلے ہی حضرت مسلم تو حضرت ہانی کے ہاں رہائش پذیر تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب آپ کو کوفہ میں جائے پناہ تلاش کر رہے تھے۔ تو حضرت ہانی نے پہلے انکار کیا اور پھر پناہ دے دی۔

آپ کے بچے کسی دوسرے کے گھر تھے آپ نے حضرت ہانی کو بلا کر فرمایا! بابا میرے ساتھ دو بچے بھی آئے تھے صبح ان کا بھی پتا کر ہے۔ مجھے ان کی فکر بہت ہے۔ یہ ارشاد فرما کر پھر امام عالی مقام کی تشریف آوری پر غور و فکر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ عشاء کی نماز کے بعد اوراد و وظائف کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

جاسوسوں کو خبر ہو گئی

بعد ازاں آرام کی غرض سے لیٹتے ہیں لیکن آرام کہاں۔ تمام رات کروٹیں بدلتے بدلتے اور سوچتے سوچتے گزر جاتی ہے۔

آپ جاگ ہی رہے ہوتے ہیں کہ اذان فجر کی آواز آ جاتی ہے آپ نے خیال فرمایا کہ مسجد تشریف لے جائیں۔ پھر کچھ سوچ کر وہیں نماز فجر ادا کی۔

صبح ہوئی تو ہر گھر میں آپ کی تلاش جاری تھی۔ آخر کسی نہ کسی طرح شیطان کے جاسوسوں نے معلوم کر لیا کہ آپ حضرت ہانی کے گھر تشریف فرما ہیں۔

حضرت ہانی کو بلاوا

ابن زیاد نے سپاہیوں کو بھیج کر حضرت ہانی کو دارالامارت میں بلوالیا اور سوال کیا کہ بابا! مسلم ابن عقیل تمہارے گھر میں ہیں۔

حضرت ہانی! ہاں میرے غریب خانہ پر ہی ہیں لیکن تم انہیں تلاش نہیں کر سکتے۔

ابن زیاد! کیا آپ نے اعلان نہیں سنا تھا کہ مسلم کو پناہ دینے والے کو قتل کر دیا جائے گا

حضرت ہانی! میں نے یہ اعلان سنا تھا۔ لیکن میں صحابی رسول ہوں اور

حضرت مسلم اہل بیت رسول ہیں۔

بابا مجھے تمہارے بڑھاپے پر ترس آ گیا ہے۔ ورنہ میں تجھے ضرور قتل کر دیتا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کو پناہ دینے والے کو قتل کی غرادرینا اسلام میں جائز ہے۔

ابن زیاد ! ﴿گرم ہو کر﴾ بوڑھے مسئلے مت کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے اس لئے جاؤ اور ابھی مسلم کو ساتھ لیکر حاضر ہو جاؤ۔

حضرت ہانی ! ابن زیاد ! بیشک تم کوفہ کے گورنر ہو لیکن میں یہ تمہاری بات نہیں مان سکتا۔

ابن زیاد ! کیوں ؟

حضرت ہانی ! اس لئے کہ میں نے حضرت مسلم کو پناہ دے رکھی ہے میں انہیں کسی قیمت پر تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔

ابن زیاد ! اچھا صرف یہ بتا دو کہ مسلم کو تم نے کہاں چھپا رکھا ہے؟

حضرت ہانی ! میں یہ بھی نہیں بتاؤں گا میں نے انہیں ایسی جگہ چھپا رکھا ہے۔ جہاں تمہارے خونی ہاتھ نہیں پہنچ سکتے۔

ابن زیاد ! غصے سے پاگل ہو جاتا ہے اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے بوڑھے صحابی کے چہرے پر زور زور سے چھڑی کی ضربیں لگاتا

ہے۔ بابا ہانی کی چیخ نکل جاتی ہے لیکن چابک کھانے کے باوجود بھی آپ

نے حضرت مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کرنے کا اقرار نہ کیا۔ ابن زیاد نے

سپاہیوں کو حکم دیا کہ بوڑھے کو گرفتار کر لو میں مسلم کو خود تلاش کر لوں گا۔

عاضی جوش

جناب ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے معززین میں شمار ہوتے تھے ان کے بلائے جانے کا تو پہلے ہی پتہ لگ چکا تھا لیکن اب یہ افواہ بھی مشہور ہو گئی کہ پہلے انہیں گرفتار کیا گیا تھا لیکن اب انہیں قتل بھی کر دیا گیا ہے۔

اس افواہ نے کوفیوں میں پھر ایک جوش سا پیدا کر دیا۔ حضرت مسلم نے یہ خبر سنی تو آپ باہر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ ہم اپنے محسن کا ضرور انتقام لیں گے خواہ تم ہمارا ساتھ دو یا نہ دو۔

خدا جانے وہ لوگ اتنی تیزی سے اکٹھے کس طرح ہو جایا کرتے تھے دارالامارت کے سامنے ہزاروں کا مجمع تھا اور نعرے پر نعرہ لگ رہا تھا کہ ابن زیاد ! تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کو شہید کیا ہے۔ ہم تمہارے گورنر ہاؤس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ ہم تیری فوج کو بھی دیکھ لیں گے۔ آج ہم خون کی ندیاں بہا دینے کے لئے جمع ہائے ہیں لیکن ان سے خون کا ایک قطرہ بھی گرا یا گیا۔

ابن زیاد کی سیاست

ابن زیاد نے صورت حال کو بھانپ لیا۔ اس سے خود سامنے ہونے کے بجائے ان جیسے ہی چند آدمیوں کو ان کے پاس بھیج دیا۔

وہ کوفے کے چند سرداروں کے مل کو کہنے لگے کہ آپ عجیب لوگ ہیں۔ خواہ مخواہ ذرا اسی بات پر مشتعل ہو جاتے ہو۔ حضرت ہانی کو ہرگز قتل نہیں کیا گیا۔ وہ بڑے آرام سے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ان کے غصہ دلانے سے ابن زیاد نے ایک دو چھڑیاں لگا دی ہیں جس کا ہمیں بھی بے حد افسوس ہے اور خود ابن زیاد کو بھی افسوس ہے وہ اس شرمندگی کی وجہ سے آپ لوگوں کے سامنے نہیں آیا۔ ورنہ وہ ڈرنے والا تو ہے نہیں۔ ہمیں حکومتوں کے چکر سے کیا لینا ہے۔ ہم خواہ مخواہ کیوں اپنی عورتوں کو بیوہ کریں اور اپنے بچوں کو یتیم بنائیں۔

آپ ایسا کریں چند معتبر لوگوں کو ہمارے ساتھ بھیج دیں جو حضرت ہانی کو دیکھ لیں۔

درباریوں کی جھوٹی گواہی

چنانچہ آدمی گئے اور انہوں نے آ کر لوگوں کو بتا دیا کہ حضرت ہانی زندہ ہیں گھبرانے کی کوئی بات نہیں، یہ صرف افواہ تھی جس نے ہم سب کو پریشان کر دیا تھا گورنر انہیں چھڑی مار دینے کی وجہ سے سخت شرمندہ ہے اور وہ ہانی سے معافی مانگ رہا ہے اور یہ بات بالکل ہی گول کر گئے کہ ہانی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ چند ہی لمحوں میں مجمع منتشر ہو کر کالی کی طرح پھٹ گیا۔ اور جناب مسلم پھر بے مددگار اکیلے کے اکیلے رہ گئے۔

مسلم ہانی کا گھر چھوڑ دیتے ہیں

حضرت مسلم نے جب کوفیوں کی یہ حالت دیکھی تو آپ سخت مضطرب ہوئے آپ نے رات کے وقت ہانی کا گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر دیا وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی وجہ سے کوئی شخص مصیبت میں گرفتار ہوا نہیں یقین تھا کہ ہم یہاں نہیں ہونگے تو ہانی کر دئے جائیں گے۔

آپ کی عجیب حالت کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جس سے بچوں کے متعلق معلومات حاصل کریں کوفہ کو چھوڑنا بھی دشوار ہو چکا ہے اور رہنا مشکل ہے آخر آپ نے فیصلہ کیا کہ آج کی رات گزارنے کے بعد کوفہ کو ہر حالت میں چھوڑ دیا جائے گا شاید کسی طریقہ سے بچوں کا سراغ مل سکے۔

رات کے وقت آپ اسی خیال سے اپنا ٹھکانا چھوڑ دیتے ہیں اور عجیب کسمرسی کے عالم میں ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں تمام کوفہ والیاں دنوں شام ہی اپنے دروازے بند کر لیتے تھے کہیں کہیں ابن زیاد کے سپاہی کتوں کی طرح بوسوگن گھٹتے پھرتے ہیں کہ کہیں حضرت مسلم ہاتھ آ جائیں تو وہ ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد سے شاباش حاصل کریں۔

آپ ان کی نظروں سے بچتے بچاتے گلیوں کے موڑ کاٹ رہے ہیں کہ ایک دروازہ کھلا ہوا نظر آ جاتا ہے کچھ امید کی صورت نظر آتی ہے آپ آگے بڑھتے ہیں چراغ کی مدھم لومیں ایک ضعیفہ کا چہرہ نظر آیا جو دروازہ کی

دلہیز کے ساتھ اس طرح لگی بیٹھی ہے جیسے کسی کی منتظر ہو

آپ ضعیفہ کو سلام کیا اس نے جواب دے کر پوچھا بیٹا! آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا اموں میں مسافر ہوں کبھی مدینہ الرسول میں رہا کرتا تھا ضعیفہ کسی خیال کے تحت ایک دم خوش ہو کر پوچھتی ہے بیٹا! آپ مسلم بن عقیل تو نہیں؟ ہاں اماں میں وہی بدنصیب ہوں جس کا آپ نے نام لیا ہے۔

بڑھیا خوشی سے بے قابو ہو کر آپ کی بلائیں لینے لگتی ہے اور آپ کو اندر آ جانے کی دعوت دیتی ہے آپ اندر آ جانے کی دعوت دیتی ہے آپ اندر تشریف لے جاتے ہیں تو بڑھیا نے نہایت ادب سے کھانے کے متعلق عرض کیا۔ آپ نے فرمایا ماں! میں نے بہت کچھ کھاپی لیا ہے میرا ایک کام ہے۔ اگر وہ آپ کسی طرح کر دیں تو آپ کو وعادوں گا۔ پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ نے دروازہ کیوں کھولا ہوا ہے اور کس کا انتظار کر رہی ہیں جبکہ تمام کو نہ والے میری وجہ سے سرشام ہی دروازے بند کر لیتے ہیں

حضور! میرا ایک بیٹا ہے جو سرکار کی نوکری کرتا ہے اور اسے رات ہی کو چھٹی ملتی ہے بس اس کا ہی انتظار تھا کہ میرے گھر میں خدا کی رحمت آگئی اب آپ مجھے حک فرمائیں کہ آپ کو مجھ سے کیا کام لینا ہے اگرچہ میرے جسم میں طاقت نہیں ہے پھر بھی مجھ سے جہاں تک ہو سکامیں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضروری کام آؤں گی۔

آپ نے فرمایا! میرے ساتھ دوئے آئے تھے جن کے تعلق

مجھے معلوم نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہیں۔

بس ان کا پتہ لگانا ہے کہ وہ کہاں ہیں وہ مجھے مل جائیں تو میں کوفہ چھوڑ دوں اور جلد از جلد امام عالی مقام کو راستہ ہی میں یہاں کے حالات سے آگاہ کر کے واپس لے جاؤں۔

ضعیفہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا کہ یا حضرت یہ تو بہت معمولی کام ہے میرا بیٹا سرکاری ملازم ہے۔

اسے اس بات کا پتہ ہوگا کہ آپ کے بچے اس وقت کہاں ہیں کیونکہ حکومت آج کل آپ کے متعلق بہت چھان بین کر رہی ہے وہ گھر میں آ لے تو میں اسے ابھی بھیجوں گی کہ جس طرح بھی ہو سکے بچوں کو ساتھ لے آئے۔

امام مسلم کو ضعیفہ کی باتوں میں صداقت ہی نظر آئی اور کوفہ کے اندر ہیرے میں کچھ نہ کچھ امید کی کرن ظاہر ہوئی۔

تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد بڑھیا کا بیٹا بھی آ گیا اور حضرت مسلم کو اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر کچھ ہڑبڑا سا گیا اور پھر آپ کو سلام کر کے بیٹھ گیا۔ بڑھیا اس کے لئے کھانا لائی۔ وہ کھنا کھا تا رہا اور اس کی ماں بڑے پیار سے بچوں کو تلاش کر کے لانے پر آمادہ کرتی رہی۔

بڑھیا جب گفتگو ختم کر چکی تو اس نے کچھ سوچ کر وعدہ کر لیا کہ ماں! میں آپ کا حکم کیسے ٹال سکتا ہوں، اور یہ تو بھری بہت بڑی سعادت ہے کہ میں اہل

بیت مصطفیٰ کے کسی کام آسکوں۔

مجھے امام کے صاحبزادوں کے متعلق سب کچھ پتہ ہے وہ قاضی شریعہ کے گھر میں موجود ہیں۔

میں تھوڑی دیر آرام کر لوں پھر آدھی رات کے بعد جب پہرے کے سپاہیوں کو نیند آ جائے گا اور صبح ہونے سے پہلے پہلے شہزادوں کو ساتھ لا کر آپ حوالے کر دوں گا۔ اور پھر وہ جناب مسلم کو بڑے ادب سے سلام کو کے سو گیا دروازہ بند کر دیا گیا۔

حضرت مسلم کی شہادت

حضرت امام مسلم چار پائی پر لیٹے ہوئے کروٹ پر کروٹ بدل رہے ہیں نیند کا کہیں دور دور تک پتہ نہیں کبھی شہزادوں کی فرشتوں جیسی معصوم صورتیں سامنے آ جاتی کبھی اپنی کمپرسی کا خیال آ جاتا ہے کبھی کوفیوں کی بے وفائی سے الجھن ہونے لگتی ہے اور کبھی امام عالی مقام کی کوفہ میں آمد کا خیال دل کو تڑپا کر رکھ دیتا ہے۔

کبھی آپ سوچتے ہیں کہ بچے اگر صبح سے پہلے آ بھی جائیں تو سواری کا انتظام ابھی باقی ہے۔ پھر خیال آ جاتا ہے کہ بڑھیا کے بیٹے نے کہیں جھوٹ ہی نہ بولا ہو پھر سوچتے ہیں کہ بڑھیا کو باتوں میں تو سچائی ہی سچائی تھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ زندوں سے مردے بھی پیدا کر دیتا ہے پھول اور کانٹے کا بھی رشتہ ہے۔ بہت ممکن ہے بڑھیا کی عقیدت کے پھول کے ساتھ اس کا بیٹا کا نشا ثابت ہو اور یہ بجائے بچوں کے لانے کے ہمیں دھوکہ دیا بس اسی قسم کے سینکڑوں خیالات کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ادھر بڑھیا کا بیٹا چار پائی پر لیٹا ہوا اسی قسم کے تانے بانے بن رہا تھا۔ میں آدھی رات کے بعد اٹھوں گا۔ اور پہرے داروں سے مل کر کسی نہ کسی طرح کوفہ کے گورنر تک رسائی حاصل کروں گا۔

میں انہیں بتاؤں گا انتہائی ضروری اطلاع ہے جو میں براہ راست گورنر کو دوں گا۔ لیکن تمہارے ساتھ ایک وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ انعام و اکرام میں تم میرے ساتھ برابر کے حصہ دار ہو گے اور ہمارے گھر میں چند سپاہی آئیں گے۔ اور نہایت آسانی سے ابن عقیل کو قید کر کے لے جائیں گے۔

یہ میرے انتہائی خوش بختی ہے کہ شکار خود چل کر میرے گھر میں آ گیا ہے۔ میں بھی اب امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کروں گا۔

رات کا تیسرا پہر ہے۔ مائی طوعہ جس کے گھر میں حضرت امام مسلم ٹھہرے ہوئے تھے اپنے بیٹے کو آواز دیتی ہے۔ بیٹا بلال اٹھو! اور جا کر جلدی سے جلدی بچوں کو لانے کی کوشش کرو۔

طوعہ کا بیٹا بلال

اٹھتا ہے۔ گھر کا دروازہ کھولتا ہے اور باہر نکل جاتا ہے۔

بیٹے کو بھیج کو بڑھیا خدا کے دربار میں ہاتھ اٹھا دیتی ہے۔ یا اللہ! میرا بچہ جلد ہی جلد امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہزادوں کو لے کر آ جائے تا کہ میں قیامت کے دن سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ کے سامنے سرخروئی حاصل کر سکوں خداوند! میرے اٹھے ہوئے بڑھے ہاتھوں کی لاج رکھ لینا۔

ادھر حضرت مسلمؓ نے بھی طوعہ کے بیٹے کو جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے گھر سے نکلنے کا انداز درست نہیں تھا۔ آپ نے اندازہ لگا لیا کہ اس کی نیت خراب ہے لیکن آپ خاموش رہے۔

نماز تہجد کا وقت ہو چکا تھا آپ نے وضو فرمایا اور مصروف نماز ہو گئے تہجد کے نوافل ادا کرنے کے بعد آپ دیگر اور رادو وظائف میں مشغول ہو گئے اور پھر صبح کی اذان ہو گئی۔ آپ نے نماز فجر بھی ادا کر لی لیکن طوعہ کا بیٹا اب تک بھی نہیں آیا تھا جوں جوں وقت گزرتا جاتا۔ آپ کی پریشانی بڑھتی جاتی ہے۔

مختلف خیالات کا ہجوم دماغ پر تھوڑے برسا رہا ہے۔

آپ طلوعِ سحر سے پہلے پہلے کوفہ چھوڑ دینا چاہتے تھے لیکن بچوں کا ابھی تک کچھ بھی پتہ نہیں لگ سکا تھا ادھر ابن زیاد کی مکمل نہ کہ بندی کر رکھی تھی مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کی حالت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے وطن دور

زمانہ دشمن بچوں کی جدائی اور ان مصیبتوں سے بڑھ کر امام عالی مقام کو خط لکھنے کا غم سینے میں ایک طوفان پکائے ہوئے ہے آپ سوچتے ہیں کہ امام عالی مقام ان ظالموں کے شکنجے میں آگئے تو کیا ہوگا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جگر گوشہ بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اگر پوچھ لیا کہ مسلم یہ کیا ہے تو پھر میں کیا جواب دوں گا۔ آپ انہی ذہنی الجھنوں میں مبتلا ہیں کہ دروازے کے باہر شور کیا آواز آئی۔

آپ کے دل دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ آنے والے لمحات کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے آپ کو یقین ہو گیا کہ مائی طوعہ کے بیٹے بلال نے دھوکہ دیا ہے اور وہ بجائے بچوں کو لانے کے ابن زیاد کے درندوں کو لے آیا ہے۔

باہر سے آواز آتی ہے مسلم باہر آؤ اور خود کی حراست میں سمجھو! آپ کیلئے ایسا ہو جانا غیر متوقع نہیں تھا۔

آپ نے دروازے کے باہر نہیں دیکھا کوئی فوج کے سینکڑوں سپاہی صفیں باندھے کھڑے تھے بی بی طوعہ کے گھر کا مکمل طور پر گھراؤ کیا چکا تھا کو تو ال شہر محمد ابن اشعث آگے بڑھتا ہے اور چاہتا ہے کہ آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دے لیکن آپ اس کا ہاتھ جھٹک کو فرماتے ہیں پہلے میرے سوال کا جواب دو۔

ابن اشعث! آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔

امام مسلم ! یہ بتاؤ کہ صرف ایک شخص کو گرفتار کرنے کے لئے اتنی بڑی فوج کی کیا ضرورت تھی۔

ابن اشعث ! اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں پھر کوفے والے آپ کی حمایت پر نہ نکل آئیں۔

امام مسلم ! محمد بن اشعث ! مقابلہ تو اب بھی ہوگا۔
ابن اشعث ! اب اس غلط فہمی کو دل سے نکال دیں اور مقابلے کو بھول جائیں۔

امام مسلم ! کیوں ! مقابلہ کیوں نہیں ہوگا؟
ابن اشعث ! اس لئے کہ کوفہ کا رہنے والا ہوں۔ میں یہاں کے باشندوں کی نفسیات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ یہ لوگ ایک ایک لمحہ میں کئی کئی رنگ بدلتے ہیں۔

امام مسلم ! تم ٹھیک کہتے ہو امام حسین علیہ السلام کے نام لکھے جانے والے خطوط میں تمہاری بھی مہر تھی لیکن اب تم میری گرفتاری کے لئے آچکے ہو۔

تمہاری طرح ثابت بن ربیع حجار بن الحیر یزید بن الحارثاء، یزید بن رابعہ عروہ بن قیس اور عمر بن احجاج زبیدی کے بھی نام تھے۔ لیکن وہ سب بھی حکومت کے ساتھ مل بیٹھے ہیں۔

ابن اشعث ! میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ میں واقعی امام عالی

مقام کے حامیوں میں سے تھا اور میں نے کئی خطوط پر دستخط بھی کئے ہیں یہاں کے سب لوگ میری ہی طرح حالات دیکھ کر بدل جاتے ہیں میرا مشورہ ہے کہ آپ خود کو ہمارے حوالے کر دیں۔

کیونکہ اب کوئی شخص بھی آپ کی حمایت کو نہیں آئے گا ہانی بن عروہ کو قتل کیا جا چکا ہے لیکن اب اس کے سارے ہمدردوں کی زبانیں گنگ ہیں۔ حالانکہ پورا شہر ایک دفع ہانی کا انتقام لینے کے لئے آپ کے ساتھ نکل آیا تھا۔

امام مسلم:- کیا یہ سچ ہے کہ ہانی شہید کر دئے گئے؟
کو تو ال:- بالکل درست ہے حاکم شہر نے بہت کوشش کی کہ وہ آپ کو پیش کر دیں لیکن وہ مسلسل انکار کرتے رہے۔ آخر ان کا سرتن سے جدا کر دیا گیا۔

امام مسلم کو حضرت ہانی کی شہادت کا انتہائی صدمہ ہوا آپ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کو تو ال کو غصے سے فرمایا! اب مقابلہ ہو کر ہی رہے گا میں تمہارے ہاتھوں گرفتار ہو کر بے بسی کی موت پر بہادروں کی موت کو ترجیح دیتا ہوں میں بزدلوں کی طرح ہاشمی خون کی غیرت کو نیلام نہیں کر سکتا تم لوگوں نے میرے محسن ہانی کو شہید کیا ہے مجھے اس کے خون کا بدلہ بھی تو تم سے لینا ہے
کو تو ال ایک لمحے کے لئے کچھ سوچتا ہے اور پھر اس نے سیاہیوں

کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ اکیلے ہیں ان کا کوئی حمایتی آگے نہیں بڑھے گا تم آگے بڑھ کر چاروں طرف سے گھیر لو۔

آج ان کی حمایت کر کے کوئی اپنی عورت کو بیوہ اور اپنے بچوں کو یتیم بنانا پسند نہیں کرے گا اور اگر کوئی اس کا خواہش مند ہو تو اسکی بھی خواہش پوری کر دو۔ سپاہیوں کا دستہ آگے بڑھتا ہے امام مسلم نے چاروں طرف ایک طائرانہ نظر ڈالی اور محسوس کر لیا کہ کوفیوں کے بے غیرت خون میں لڑائی کی کوئی رمت باقی نہیں۔

تمام لوگ یا تو کچھ تماشا کی بنے دور کھڑے ہیں یا گھروں میں دبکے پڑے ہیں البتہ بی بی طوعہ دروازے میں کھڑی چیخ رہی ہے نالہ و شیون اور فریاد فغاں کر رہی ہے کہ ظالمو! اہل بیت مصطفیٰ پر ظلم نہ کرو مگر اس بے چاری کی کون سنتا ہے

ہاشمی تلوار چلتی ہے

ابن زیاد کا پورا دستہ آگے بڑھتا ہے امام مسلم بھی تلوار کھینچ لیتے ہیں حیدری کچھار کے شیر کی تلوار بجلی کی طرح کوند جاتی ہے سامنے آنے والوں میں سے کسی کا سر نہیں کسی کس بازو نہیں۔ کسی کا سینہ کٹ گیا اور کسی کا شانہ زخمی ہو گیا جو بھی سامنے آتا گا جرمولی کی طرح کٹ جاتا۔

نائب حسین کی تلوار گردنوں پر اس طرح پھر رہی ہے جیسے سطح آب پر مچھلی تیر رہی ہو خون میں ڈوبی ہوئی تلوار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہاشمی شہزادے کی تلوار کو بھی جلال آ گیا ہے اور وہ غصے سے سرخ ہو رہی ہے۔

سردار بطحا حضرت ابوطالب کا پوتا، عقیل کا بیٹا اور حیدر کزار کا بھتیجا کوفہ والوں کو ہاشمی خون کے جوہر دکھانے پر تلا ہوا ہے۔

قوت ید الہی پورے جلال جبروت کے ساتھ سامنے آ چکی ہے جذبہ حسنینت کا پورے احتشام و وقار کے ساتھ ظہور ہو چکا ہے۔ احقاق حق اور ابطال باطل کی تصویر کھینچی ہوئی ہے۔ دھڑوں سے سروں کا بوجھ اتر رہا ہے آگے بڑھنے والے دسے کا مکمل صفایا ہو جاتا ہے۔

کوفہ کے عوام دور کھڑے حیدری شیر کی قوت کا مظاہرہ دیکھ رہے ہیں کاش ان لوگوں کے خون میں وفا کی بھی تھوڑی سی بھی حرارت ہوتی اور یہ امام مسلم کا ساتھ دے دیتے تو اب یزیدی فوج کے ٹکڑے اڑائے جاتے

سکتے تھے۔ ابن زیاد کی تکہ بائی کی جاسکتی تھی۔ لیکن وہ یہ حرارت لاتے کہاں سے اگر ان میں بوئے وفا آ جاتی تو ان کی بے وفائی ضرب المثل کیسے بنتی اکیلا ہاشمی شہزادہ قوت خیر شکن کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

ابن زیاد کے سپاہی آگے بڑھتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ امام حسینؑ کا شیر خود آگے بڑھ کر ظالموں کو موت کی نیند سلا رہا ہے۔

اندازہ کیجئے کہ اس جنگ کا نقشہ کیا ہوگا ایک طرف اکیلا ہے جس کے پاس نہ گھوڑا ہے نہ ڈھال، نہ زره ہے نہ خود، نہ نیزہ ہے نہ برچھی، فقط ایک تلوار ہے اور ضرب حیدر کزار اور دوسری طرف دشمنوں کی تعداد سینکڑوں تک ہے ان کے پاس نیزے ہیں، برچھیاں ہیں، ڈھالیں ہیں، تلواریں ہیں کمائیں ہیں تیر ہیں، لیکن اس کے باوجود سامنے آنے سے ڈرتے ہیں اب سامنے سے، عقب سے، دائیں سے بائیں سے، چاروں طرف سے حملہ ہو جاتا ہے۔

لیکن امام مسلم کی تلوار ہے کہ جیسے ناچ رہی ہو چاروں جانب اپنا ہی لوہا منوار ہی ہے ہر طرف ایک ہی جیسی کاٹ کر رہی ہے۔

تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ کئی کئی تلواریں ایک ساتھ چل رہی ہیں نیزوں کی باڑھ آرہی ہے

لیکن محمدؐ عربیؐ کا سپاہی، حیدر کزار کا شیر، شبیر کا نائب، ابوطالب کا پوتا، عقیل کا شہزادہ، جعفر طیار کا بھتیجہ تنہا بہادری کے وہ جوہر دکھاتا ہے کہ

دیکھنے والے حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔

ابن زیاد کے چند سپاہی کوٹھے کی چھت پر چڑھ کر اوپر سے تلواروں کا مینہ برساتے ہیں، آگ کی بارش کرتے ہیں اور عورتوں کی طرح اینٹ پتھر جو بھی ہاتھ آتا ہے مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر بھی آپ شیر کی طرح چھلانگ لگا کر ایک ہی جست میں کوٹھے پر پہنچ جاتے ہیں۔

تلوار چل رہی ہے سپاہی کٹ رہے ہیں اور باقی ماندہ نیچے چھلانگیں لگا دیتے ہیں ابن اشعث نے ہاشمی شیر کی جرات و جوانمردی کا مشاہدہ کیا تو گھبرا گیا اور گھبرا کر پکارا کہ آپ چھت چھوڑ کر نیچے آ جائیں آپ کو امان دی جاتی ہے۔

آپ نے تلوار میان میں کر لی اور چھت سے اتر آئے۔ صبح سے تلوار چل رہی تھی اکیلے کاسینکڑوں سے مقابلہ تھا، جسم زخمی ہو چکا تھا شدت کی پیاس محسوس ہوئی طوعہ سے پانی مانگا اس نے جلدی سے پانی کا پیالہ پیش کیا آپ نے پہلا گھونٹ لیا، پانی سرخ تھا اوپر کا ہونٹ کٹ چکا تھا جس سے بہنے والے خون نے پانی کو سرخ کر دیا تھا۔

آپ نے پانی کا پیالہ واپس کر دیا۔ زخم ٹھنڈے پڑتے جا رہے تھے جسم کے بال بال میں درد ہو رہا تھا، زخموں سے بہت زیادہ خون بہہ چکا تھا کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے شہزادہ عقیل کو چکر آنے لگے اور پھر آپ پر غشی طاری ہو گئی آپ نے پوری طاقت جمع کر کے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی اور

بے ہوش ہو گئے۔

اسی حالت میں کو تو ال شہر نے آپ کے میان سے تلوار نکال لی اور آپ کو خنجر پر بٹھا کر دارالامارت میں لے گیا۔

افسوس! صد افسوس! اے کوفہ کے رہنے والو تمہاری بدلتی ہوئی ذہنیت پر چند دن پہلے جس مہمان کے راستے میں تم آنکھیں بچھاتے تھے آج وہ تمہاری گلیوں سے اس طرح گزر رہا ہے کہ اس کے کٹے ہوئے جسم پر پیٹیوں کی بجائے رسیاں بندھی ہوئی ہیں۔ اور تم ہو کہ لومڑیوں کی طرح گھروں میں چھپتے پھرتے ہو۔

بزدل و بے وفا ہو تم !
ظالم و پُر جفا ہو تم !

ظلم کی انتہا ہو تم
جانو تمہیں کہ کیا ہو تم

﴿صائمِ چشتی﴾

قصر امارت میں کافی دیر کے بعد امام مسلم کو ہوش آتا ہے ہوش آتے ہی آپ کی نظر میان کی طرف گئی جو تلوار سے خالی ہو چکی تھی ابن اشعث بھی سامنے تھا۔

آپ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا تو نے ہمارے ساتھ بد عہدی کی

ہے تو نے مجھے امان دے کر میری تلوار پر قبضہ کر کے مجھے بے دست دیا کر دیا ہے۔

یہ کہتے ہوئے آپ پر وقت طاری ہو گئی عمر و اہلی نے وقت کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ مجھے امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہل و عیال پر رونا آتا ہے جو میرا خط پڑھ کر مکہ مشرفہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو چکے ہوں گے پھر ابن اشعث سے فرمایا۔

”تم اس سے پہلے تو اپنے وعدوں پر پورے نہیں اُترے مگر اب ایک آخری وعدہ کرو کہ راستہ ہی میں امام حسین علیہ السلام کو یہاں کے حالات سے آگاہ کر دو گے اور یہ وعدہ تمہاری طاقت پر مشروط ہے اگر تم میں یہ قوت ہو تو وعدہ کرنا۔ ابن اشعث نے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ امام عالی مقام کو پیغام پہنچا دوں گا کہ آپ واپس تشریف لے جائیں۔ اور یہ وعدہ اس نے پورا بھی کر دیا۔

پھر آپ نے وہیں پر ہی قاضی شریح کو بلوایا اور وصیت فرمائی کہ میرے بچوں کو یا تو مدینہ منورہ بھیج دینا یا جس جگہ امام حسین علیہ السلام کا قافلہ آچکا ہو وہاں پہنچا دینا۔

ابن زیاد کے سامنے

تھوڑی دیر کے بعد آپ کو اسی زخمی حالت میں ابن زیاد کے پاس

لایا گیا آپ نے ابن زیاد کو سلام نہیں کیا حری ازوی نام کے ایک درباری
سگ نے اعتراض کیا کہ امیر کو سلام کیوں نہیں کیا۔

امام مسلم نے فرمایا! تم کون ہو یہ مشورہ دینے والے جو شخص مجھے قتل
کرنے کے منصوبے بنا رہا ہوا سے سلام کیا۔

ابن زیاد نے کہا! میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔
امام مسلم نے فرمایا! مجھے اس کا یقین ہے لیکن میں موت سے
نہیں ڈرتا۔

ابن زیاد! مگر میں چاہوں تو تم ایک شرط پر زندہ رہ سکتے ہو!
امام مسلم! تم غلط کہتے ہو مگر وہ شرط کیا ہے؟
ابن زیاد! امام حسین علیہ السلام کا ساتھ چھوڑ دوں اور امیر
یزید کی بیعت کر لو۔

امام مسلم! مرجانہ کے بیٹے ہوش کی دوا کرو عقل کا علاج کرو او
حسین علیہ السلام کا غلام یزید جیسے دشمن اسلام کی بیعت نہیں کر سکتا۔
ابن زیاد! تو پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ میں تمہیں ایسی بے
دردی سے قتل کراؤں گا کہ کوئے کی گلیاں چیخ اٹھیں گی۔

امام مسلم! تم تھوڑی دیر پہلے ہاشمی خون کی غیرت کا مشاہدہ کر
چکے ہو مجھے موت کی دھمکی مت دو میری رگوں میں شیخ بطحا طالب کا خون
ہے میری تربیت اللہ کے شیر کے شیر حسین علیہ السلام ابن علی کے ہاتھوں میں

ہوئی ہے میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا سکتا ہوں۔

ابن زیاد! خاموش! حکومت وقت کے باغی حسین علیہ السلام کا نام بار بار مت لو۔

امام مسلم کا زخمی چہرہ غصہ سے سرخ ہو جاتا ہے آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا۔ اور مرجانا کے ناہنجار بیٹے زبان سنبھال! تجھے حسین علیہ السلام کو باغی کہتے ہوئے شرم آنا چاہیے باغی حسین نہیں تم ہو۔

تم نے قرآن سے بغاوت کی ہے اسلام سے بغاوت کی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغاوت کی ہے۔ آئین مصطفائی سے بغاوت کی ہے۔ تم نے شریعت کے قوانین کو توڑا ہے۔ تم نے اسلام کا مذاق اڑایا ہے۔ تمہارے صرف نام اسلامی ہیں لیکن تم اسلام کے دشمن ہو، خدا کے دشمن ہو، مصطفیٰ کے دشمن ہو اور حسین علیہ السلام سے دشمنی کا مطلب بھی یہی ہے کہ تم خدا کے دشمن ہو تم حسینؑ کے نانا کے دین کو تبدیل کر دینا چاہتے ہو لیکن حسینؑ ابھی زندہ ہے۔ میرے آقا حسین تمہیں کبھی ایسا نہیں کرنے دے گا۔ وہ تمہیں کبھی من مانی نہیں کرنے دے گا۔

وہ اپنے نانا کے دین کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ شیر خدا کا شیر زندہ ہے۔ فاطمہ کا لال زندہ ہے۔ محمد کا نواسہ زندہ ہے۔ وہ تمہارے ارادوں کو ملیا میٹ کر دے گا۔ وہ اب اٹھا ہے تو تم اسے نہیں روک سکو گے۔ وہ باطل کی قوتوں کو فنا کر دے گا۔ نا مراد! تو اسے باغی کہتا ہے۔ جس کے نانا سے تم نے

بغاوت کی ہے۔ امام مسلم کی یہ شعلہ بار تقریر سن کر کو فیوں کی گردنیں جھک گئیں۔ ابن زیاد کا چہرہ شعلہ جوالہ بن گیا۔ غصے سے پکارا، لے جاؤ اس باغی کو اور ابھی قتل کر دو۔

ابن زیاد کے سپاہیوں نے امام مسلم کا ہاتھ پکڑا اور قصر امارت کی چھت پر لے آئے۔ آپ خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء میں مصروف ہو گئے۔ پھر مدینہ کی طرف منہ کر کے امام الانبیاء کے حضور میں ہدیہ صلوٰۃ سلام پیش کیا۔ مکہ معظمہ کی طرف جانے والے راستے کی طرف دیکھا کی شاید امام عالی مقام کے قافلہ کی گردوغبار کی زیارت ہو جائے۔ پھر دل ہی دل میں امام حسین کو مخاطب کر کے عرض کیا۔ یا ابن رسول اللہ! غلام آپ کے نام پر جان دے رہا ہے۔ میرا یہ حقیر نذرانہ قبول فرمالینا۔ آپ انہی تصورات میں تھے، قصر امارت کے اوپر مقام حدائن کے سامنے ابن بکیر یا بکر بن حمدان نے تلوار کا وار کیا اور سرتن سے جدا کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے سر اور لاش کو ابن زیاد کے حکم سے بے گور و کفن پہلے چھت سے سڑک پر پھینک دیا گیا۔ ﴿بعض روایات میں ہے کہ یزید پلید کے حکم پر آپ کا سر مبارک یزید پلید کو بھیجا گیا﴾ اور یوں کر بلا کے خونین معرکہ کا پہلا شہید شمع حق و انصاف کی حفاظت کرتا ہوا منصب شہادت پر سرفراز ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گیا۔

ع خدا رحمت کنند ایں عاشقان پاک طینت را

دو ننھے مسافر

ابن زیاد میں کوفہ میں ہونے والی تمام کاروائی یزید پلید تک پہنچادی جس میں امام مسلم کے بچوں کا بھی ذکر تھا یزید کی طرف سے حکم ملا کہ ان بچوں کو میرے پاس پہنچا دو مظلوم بچے ابھی تک قاضی شریح کے گھر میں تھے ابن زیاد نے اعلان کر دیا کہ جس کے پاس مسلم کے بچے ہوں وہ دارالامارت میں پہنچا دے قاضی شریح کو حضرت مسلم سے کیا ہوا وعدہ یاد آ گیا اور بیقرار ہو گیا بچوں کو مدینہ منورہ بھیجنے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔ پتہ چلا کہ رات کو ایک قافلہ مدینہ کی طرف جانے والا ہے۔

رات کے وقت اپنے لڑکے کو بلا کر سمجھایا کہ تم مسلم کے بچوں کو لیکر احتیات سے چھپتے چھپاتے شہر سے باہر چلے جانا وہاں تمہیں مدینہ منورہ کو جانے والا قافلہ تیار ملے گا۔ میں نے ان سے بات کر رکھی ہے بچوں کو ان کے سپرد کر دینا کہ ان کا خیال رکھیں اور مدینہ پہنچا دیں۔

میں اس لئے نہیں جاتا کہ کہیں پہچان نہ لیا جاؤں۔ تم اگر سپاہیوں کی نظر میں آ بھی گئے تو میں تمہیں بچالوں گا۔ اپنے بیٹے کو اچھی طرح سب کچھ سمجھالینے کے بعد شریح نے ہوئے ہوئے بچوں کو چکایا ہاتھ منہ دھلایا تاکہ نیند کا غلبہ کم ہو جائے۔ پھر دونوں شہزادوں کو گلے لگا کر پیار کیا پیا کرتے کرتے حضرت مسلم کی شہادت کی طرف خیال چلا گیا قاضی شریح کی چیخ نکل گئی

اور زار و قطار روز لگا۔ ننھے شہزادے پریشان ہو گئے شہزادوں نے بیقرار ہو کر پوچھا بابا! آپ روتے کیوں ہیں؟ ہمارے ابا کہاں ہیں آپ کہتے تھے کہ وہ کسی دوسرے شہر میں گئے ہوئے ہیں کیا ابھی تک وہ واپس نہیں آئے؟ بابا! ہم نے ابا سے وعدہ کیا تھا کہ ہم کبھی ضد نہیں کریں گے۔ اور نہ ہی کوئی چیز مانگیں گے اسی وجہ سے ہم ضد نہیں کرتے بابا! مگر اب تو ابا جان کو ملے ہوئے کئی روز ہو گئے ہیں اب تو ہم سارا سارا دن پریشان رہتے ہیں بابا ہم کسی کے سامنے اپنے غم کا اظہار تو نہیں کرتے لیکن علیحدہ کمرے میں جا کر ابو جان کی یاد میں ہم پہرے روتے رہتے ہیں بابا گھر والے سمجھتے ہیں کہ ہم سوئے ہوئے ہیں لیکن ہمیں نیند کب آتی ہے بابا! ہم راتیں ابا کی یاد میں رو رو کر گزارتے ہیں۔

ابا جان نے ہمیں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہاں جا کر ہم ایک جگہ نہیں رہیں گے ورنہ ہم کبھی نہ آتے ہم نے سفر کی مصیبت اسی لئے تو برداشت کی تھی کہ ابو کے ساتھ رہیں گے ہم نے صرف اس لئے چھوڑا تھا کہ ابا سے جدائی نہ ہو۔ وہ تو کئی روز ہوئے ہمارا پتہ لینے بھی نہیں آئے۔ شہزادوں کی دردناک اور رقت انگیز گفتگو سن کر بابا شریع دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ بابا کو روتے دیکھ بچے بھی بے قرار ہو گئے۔ ان کے ننھے دل سینوں کے اندر دھڑکنے لگے۔ اب ان کے سامنے کچھ اور ہی نقشہ تھا۔ بڑے صاحبزادے نے بیتاب ہو کر پوچھا،

بابا! ہمارے ابا کہاں ہیں؟ آپ روتے کیوں ہیں۔ ہمیں کچھ تو بتائیں بابا، ہمیں جلدی بتادو کہ کیا بات ہے ہمارے سینوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھو بابا! ہمارے سینے پھٹ رہے ہیں۔ بچوں کی فریاد آہ وزاری اور قاضی شریح کا دھاڑیں مار مار کر رونافضائے عالم کو غمزہ کر دیتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے قاضی شریح کا گھر ماتم کدہ بن گیا ہے۔

چند لمحوں بعد چھوٹا شہزادہ سوال کر دیتا ہے کہ بابا بتاتے کیوں نہیں ہیں کہ ہمارے ابو جان کہاں ہیں؟ وہ ہمارا پتہ لینے کیوں نہیں آتے؟ قاضی شریح نے دل پر جبر کرتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں بتایا، عرب کے شہزادو! تمہارا باپ اس دنیا میں نہیں ہے تمہارے باپ کو کوٹا لموں نے شہید کر دیا ہے۔ تم یتیم ہو چکے ہو، تمہارے بابا حسین بھی ابھی تک یہاں نہیں آئے ابھی تھوڑی دیر تک ایک قافلہ مدینے جانے والا ہے تمہیں ان کے ساتھ مدینہ بھیج رہا ہوں۔

میں نے اسی لئے تمہیں اس وقت جگایا ہے۔ اب جلدی کرو اور میرے لڑکے کے ساتھ چھپتے چھپاتے چلے جاؤ۔ یہاں کا حاکم تمہیں ڈھونڈ رہا ہے تاکہ وہ تمہیں بھی شہید کر دے، اب دیر نہ کرو۔ کہیں قافلہ چلا نہ جائے اب کس طرح بتایا جائے کہ امام مسلم کے یتیموں پر یہ خبر سن کر کیا بتی تھی یہ اندازہ تو صاحب اولاد ہی لگا سکتے ہیں۔ بچوں کے تو دل پھٹ گئے، کیلجے چر گئے۔ حسرتوں کے طوفان آنکھوں سے آنسو بن بن کر ٹپکنے لگے ایک

ہی لمے میں گلاب کے غنچے سرسوں کے پھول بن گئے، سینے سے اٹھنے والے
طوفان حلقوں میں گولے بن کر پھنس گئے۔ پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے قاضی
شرح کی طرف دیکھا اور نگاہوں میں ہزاروں سوال لئے اس کے لڑکے کے
پیچھے پیچھے ہوئے۔

جاتے ہیں چاک دامن راحت کئے ہوئے
نہے سے پھول داغِ تیشی لئے ہوئے

﴿صائمِ چشتی﴾

ٹھوکر تو لگ ہی چکی تھی، اب گرنے میں کیا دیر ہے، گرتے ہیں، اٹھتے
ہیں۔ اٹھتے ہیں اور گرتے ہیں۔ رات کا اندھیرا، کوفیوں کے ناہموار دلوں کی
طرح راستہ، گلیوں کے موڑ، کبھی کسی دیوار سے ٹکر لگ جاتی ہے کبھی پاؤں مڑ
جاتا ہے، شرح کے لڑکے کی رفتار تیز ہے۔

دوڑ دوڑ کر اس تک پہنچتے ہیں کبھی چھوٹا گرتا ہے تو بڑا تھام لیتا ہے بڑا
گرنے لگتا ہے تو چھوٹا سہارا دے دیتا ہے۔

اب آنسو تھمے ہوئے ہیں۔ آنسو کہاں سے آتے آنکھوں کو تو غم نے
پتھر بنا دیا تھا اسی طرح شہر سے باہر آ جاتے ہیں۔ لیکن اس غم کو الفاظ میں کیسے
سمجھ دوں کہ چاند کی چاندنی میں بہت دور جاتے ہوئے قافلے کا اڑتا ہوا غبار
نظر آتا ہے۔ قافلہ جا چکا ہے۔ مدینہ منورہ جانے والا قافلہ، ارامنوں کی بستی کو
جانے والا قافلہ، آرزوؤں کو جانے والا قافلہ!

وے خنک شہرے آنجا دلبر است

اب کدھر جائیں

قاضی شریح کے لڑکے نے کہا، قافلے والے آہستہ چلتے ہیں تم تیز تیز دوڑو رات چاندنی ہے تم جلد ہی قافلہ تک پہنچ جاؤ گے۔ اور پھر وہ تمہیں سواری پر بٹھالیں گے دیر نہ کرو جلدی دوڑو، زور زور سے بھاگتے رہو، قافلہ زیادہ دور نہیں!

شریح کا لڑکا تو دلی کاراستہ بتا کر گھر آ گیا اور معصوموں نے دوڑنا شروع کر دیا اب دلوں پر ہاتھ رکھ کر تصور کریں کہ اونٹنوں اور گھوڑوں کی سواریوں تک معصوم بچے کس طرح پہنچ سکتے تھے۔

بس! تقدیر جدھر دوڑا رہی تھی دوڑ رہے تھے۔ قافلہ تک کیا پہنچنا تھا قافلہ کا تو اڑتا ہوا غبار بھی اب نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ شہزادے دوڑ دوڑ کر تھک گئے سانس پھول گئے اور بے بس ہو کر گر گئے۔

رات کا وقت ہے، ریت کے ٹیلے ہیں، خوفناک جنگل، ننھے سے پھول، یتیمی کا داغ، غم کی تصویریں، سینے فگار، پھٹے ہوئے دل، سہمی ہوئی نگاہیں، نہ کوئی منزل اور نہ کوئی رہبر، بے یار و مددگار ریت پر بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کی طرف حسرت زدہ نگاہوں سے دیکھتے جا رہے ہیں۔

اٹھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اٹھا نہیں جاتا۔ بیٹھے رہتے ہیں جنگل کی

دشت خوفزدہ کرتی ہے۔ کہیں ہلکی سی کوئی سرسراہٹ ہوتی تو اس خیال سے دل ڈوبنے لگتے کہ کوئی ہمیں پکڑنے کے لئے آرہا ہے۔

لوگوں کے بچے اس وقت بستروں پر خواب راحت کے مزے لوٹ رہے ہیں لیکن نائب حسین کے یتیم شہزادے تھکاوٹ سے چکنا چور ہو کر ریت پر گرے پڑے ہیں۔

اس طرح کچھ وقت گزر جاتا ہے تو چھوٹے شہزادے نے کہا بھیا اٹھیے ورنہ سپاہی ہمیں پکڑ کر لے جائیں گے۔

بڑے نے فرمایا! بات تو ٹھیک ہے لیکن تم بہت تھک چکے ہو، میں تو کسی نہ کسی طرح دوڑ ہی لوں گا لیکن تم سے تو چلا بھی نہیں جاتا۔

نہیں بھائی جان آپ میری فکر نہ کریں۔ اب میری ٹانگوں کو کچھ سکون ہے میں آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہوں گا۔ آپس میں مشورہ کر کے شہزادے اٹھتے ہیں اور آہستہ آہستہ دوڑنا شروع کر دیتے ہیں راستے کا تو کچھ پتہ ہی نہ تھا۔

مدینہ پہنچ جانے کے تصور ہی میں دوڑتے رہے۔ زیادہ تھک جاتے تو تھوڑی دیر آرام کر لیتے اور پھر چلنا شروع کر دیتے۔

اس طرح چلتے چلتے صبح کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں سامنے دیکھتے ہیں تو ایک شہر ہے۔ دل کو ڈھارس بندھی کہ وہاں چل کر سواری کا بندوبست ہو جائے گا لیکن تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

چند قدم پر ہی شہر سے آنے والا ایک آدمی نظر آ گیا وہ شخص صبح ہی صبح
دو بچوں کو شہر کی طرف آتا دیکھ کر بڑا حیران ہوا، اتنے عرصے میں بچے قریب
پہنچ گئے۔ بڑے شہزادے نے پوچھا بابا اس شہر کا نام کیا ہے؟

اس نے بتایا کوئٹہ!

کوئٹہ کا نام سن کر بچوں کی جو حالت ہوئی وہ احاطہ تحریر سے باہر
ہے۔ اس شخص نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ بچوں کی اولاد تھے سچی بات ہی کہنا
تھی۔ فرمایا! مسلم کے یتیم۔

لالچیوں کا شہر تھا وہ ان دونوں کو لے کر ابن زیاد کے پاس آ گیا اس
نے کہا کہ جا کر دروغہ جیل کے سپرد کر دو۔

حق بیان کرنے والوں کے لئے جیل پرانی بات ہے تھے یتیموں
نے سچی بات کہی تھی اس لئے انہیں جیل بھیج دیا۔

ورنہ ان کی عمر ہی کیا تھی نہ انہوں نے ڈاکہ ڈالا نہ چوری کی اور نہ ہی کی
ہی کوئی دوسرا جرم کیا جرائم پیشہ کب جیل جاتے ہیں وہ تو حکومتوں کی پناہ میں
ہوتے ہیں ڈاکوؤں اور چوروں کو جیل سے کیا سروکار دارو رسن تو حق کہنے
والوں کے لئے ہی مخصوص ہے۔

جیل کے داروغہ کا نام مشکور تھا تھا تو حکومت کا ملازم مگر اہل بیت
سے بے پناہ محبت رکھتا تھا اس نے شہزادوں کے ساتھ بڑا پیار کیا سارا دن ان
کو تسلیاں دیتا رہا اس عالم میں کسی کا پیار سے پوچھ لینا ہی بڑی بات ہوتی ہے

داروغہ جیل کی شفقت سے شہزادوں کو کچھ تسلی ہوئی داروغہ نے کھانے پینے کی چیزیں بھی پیش کیں۔

جن سے بادل نا خواستہ تھوڑا بہت کھالیا لیکن کھانا کیا تھا باپ کی یاد تو سینے پر چھریاں چلا رہی تھی اسی طرح دن گزر گیا شام ہو گئی رات کا اندھیرا بڑھنے لگا مشکور نے بچوں کو ساتھ لیا اور شہر کے باہر آ گیا بچوں کے سر پر دست شفقت پھیرا بڑے شہزادے کو ایک انگوٹھی دے کر کہنے لگا کہ یہ راستہ شہر قادسیہ کا ہے۔

دل تو نہیں مانتا کہ رات کے وقت آپ کو کو سفر کی تکلیف دوں لیکن مجبوری ہے یہاں کا حاکم بڑا سخت اور بد بخت ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہیں وہ شہید نہ کر دے یہ نہایت پر امن راستہ ہے آپ بالکل بغیر ڈر کے اپنا سفر جاری رکھیں۔

جب قادسیہ پہنچ جائیں تو میرے بھائی کا پتہ پوچھ لینا اسے مل کر میری انگوٹھی دینا وہ آپ کو سواری کے ذریعے مدینہ منورہ پہنچا دے گا شہزادے مشکور کے جذبہ رحم سے بے حد متاثر ہوئے لیکن سر پر وہی سفر کی مصیبت دیکھ کر پریشان ہو گئے تقدیر کب کسی کی پریشانیاں دیکھتی ہے مشکور چند قدم ساتھ چلتا رہا اور پھر دونوں کو پیار کر کے واپس ہو گیا۔

سات آٹھ سال کے ننھے مسافر رات کے اندھیرے میں چلے جا رہے ہیں پھر چاند طلوع ہو جاتا ہے شہزادے تھوڑا سا تیز چلنا شروع کر دیتے

ہیں جب بہت زیادہ تھک جاتے تو بیٹھ جاتے ہیں۔

مسلستیں گھنٹوں سے جاگ رہے ہیں کسی جگہ آرام کرتے ہیں تو نیند کا غلبہ بھی محسوس ہوتا ہے لیکن سونے کی خواہش خود بخود دم توڑ دیتی ہے جلد از جلد مدینہ پہنچ جانے کا خیال نیند کو دور بھگا دیتا ہے۔

آ نکھیں ملتے ہوئے اُٹھتے ہیں اور پھر چلنا شروع کر دیتے ہیں پورنی رات یہ مصیبت کا سفر کرتے کرتے آثارِ صبح نمودار ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی سامنے ایک شہر بھی نظر آتا ہے۔

گویا تھکے ماندے ننھے مسافروں کو غم و آلام کے گہرے اندھیرے میں اُمید کی کرن نظر آ گئی چلتے چلتے پاؤں میں ورم آ چکے تھے ایڑیوں پر ہاتھ نہیں رکھا جاتا تھا پنڈلیوں کا گوشت پھوڑا بن گیا تھا۔

مگر مدینہ کے معصوم مسافروں میں شہر دیکھ کر ایک نیا ولولہ پیدا ہو گیا ارمانوں کی دنیا میں انقلاب آ گیا حالت یہ تھی کہ ایک قدم بھی اٹھانا دشوار ہے سارا جسم تھکن سے چور چور ہے لیکن اب قدم خود بخود تیزی سے اٹھ رہے ہیں۔

بڑے شہزادے نے کپڑے میں بندھی ہوئی انگوٹھی کو کھول کر دیکھا مشکور کے بھائی کا نام یاد کیا اور چھوٹے شہزادے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مشکور بہت نیک آدمی تھے دعا کرو ان کا بھائی بھی ویسا ہی ہو تھکاوٹ تو بہت

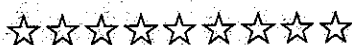
لیکن اُسے یہی کہتے رہنا کہ بابا ہمیں آج ہی مدینہ پہنچا دو چھوٹے
 نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا بھائی جان آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں ہمیں
 آج ہی مدینہ کو روانہ ہو جانا چاہیے شہزادے اس قسم کی معصوم گفتگو کرتے
 کرتے شہر کے بالکل قریب پہنچ گئے مدینہ پہنچ جانے کی خوشی میں دل تیزی
 سے دھڑکنے لگے۔

جب ذرا شہر کے اور قریب ہوئے تو یوں ہوا کہ جیسے کسی نے بجلی کا
 شاک لگا دیا ہو دونوں ہی تصویر حیرت بنے ہوئے ایک دوسرے کی طرف
 دیکھ رہے دونوں نے ہی پہچان لیا کہ یہ تو وہی شہر کوفہ ہے جہاں سے ہم نے
 آغاز سفر کیا تھا۔

نئے مسافروں کے دل ٹوٹ گئے پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھا
 نزدیک ہی چشمہ تھا اُس کی طرف چلے گئے چشمے کا ٹھنڈا پانی پیامنہ ہاتھ
 دھویا دونوں کے جسم بھرے پڑے تھے کسی بھی حصے پر ہاتھ نہیں رکھا جاتا تھا۔

دل میں اگر ہو درد تو دوا کیجئے

بن جائے دل ہی درد تو کیا کیجئے



مشکور کی شہادت

اُدھر صبح ہوتے ہی ابن زیاد کو خبر مل جاتی ہے کہ حضرت مسلم کے بچے جیل میں نہیں ہیں ابن زیاد نے داروغہ جیل مشکور کو حاضر ہونے کا حکم دے دیا تھوڑی دیر کے بعد مشکور ابن زیاد کے فرعونی دربار میں پہنچ جاتے ہیں۔

ابن زیاد: مسلم کے بچوں کے متعلق مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ جیل میں نہیں ہیں کیا یہ درست ہے؟

مشکور: ہاں، یہ اطلاع درست ہے۔

ابن زیاد: کیا تم نے اُن کو کسی اور جگہ ٹھہرایا ہوا ہے؟

مشکور: نہیں؛ بلکہ میں نے انہیں خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے رات کو ہی آزاد کر دیا تھا۔

ابن زیاد: کیا تمہیں میرا ڈر نہیں تھا؟

مشکور:۔ جسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو وہ کسی دوسرے سے نہیں ڈرتا۔ ابن

زیاد تو بھی خدا سے ڈرتو معصوم بچوں کے باپ کو بیگناہ شہید کر دیا ہے اور اب بیگناہ یتیم معصوموں اور پردیسی شہزادوں کو قید و زندان میں ڈال کر تم قہر الہی کو آواز دینا چاہتے ہو میں نے سید الکونین امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کو رہا کر دیا ہے۔

ابن زیاد! مشکور جانتے ہو تم کس کے ساتھ گفتگو کر رہے ہو؟

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اس انداز سے گفتگو کر نیوالوں کی زبانیں کھینچ لیتا ہوں۔

مشکور ! میں جانتا ہوں لیکن یاد رکھ ! ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ تم موت کو آواز دیتے پھر وگے لیکن موت تم سے دور بھاگے گی تم جس قصر امارت میں اپنی فرعونیت کا مظاہرہ کر رہے ہو یہیں تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر فنا ہو جاؤ گے میں حیران ہوں کہ جس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیامت کے دن شفاعت کی امید رکھے ہوئے ہو اس کے بے گناہ بچوں کو اس بے دردی کے ساتھ شہید کر رہے ہو کہ نمرود و شداد کی روحیں بھی کانپ جاتی ہیں۔

ابن زیاد ! آگ بگولا ہو کر مشکور خاموش ہو جاؤ ورنہ میں تمہاری زبان کاٹ دوں گا۔

مشکور ! مجھے زبان کے کٹ جانے کا کچھ افسوس نہیں ہو گا۔ حق بیان کرتے ہوئے اگر زبان کٹتی ہے تو کٹ جائے۔

مشکور کی حق گوئی نے ابن زیاد کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ جلاؤ کو بلا کر کہنے لگا کہ اس کا سر قلم کر دو۔

جلاؤ تلوار اٹھا کر چلانے لگا تو ابن زیاد نے کہا ٹھہر جاؤ پہلے اس کے جسم پر پانچ سو درّے لگاؤ اور پھر اس کا سر قلم کر دینا۔

روح انسانیت تڑپ اٹھی۔ وحشت و بربریت کی انتہا ہو گئی شیطان

اپنے مکروہ دانت نکال کر کھل کھلا اٹھا درندگی کو سکون حاصل ہو گیا۔

جلاد نے پہلا چابک چلایا،

مشکور نے کہا! بسم الله الرحمن الرحيم

شائیں کی آواز سے دوسرا چابک پڑا۔

مشکور نے کہا! اللہ مجھے صبر عطا فرما۔

تیسرا وار ہوا۔

مشکور نے کہا! یا اللہ میری دشگیری فرما۔

چوتھا چابک آیا۔

آواز آئی! مجھے فرزدان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت

عطا کر۔

پانچواں چابک پڑتا ہے۔

مشکور نے کہا! یا اللہ مجھے اہل بے مصطفیٰ کے دامن میں جگہ دینا

پھر چابک پر چابک پڑتا ہے لیکن مشکور خاموش رہتے ہیں اسی

طرح پانچ سو درہ پورا ہو جاتا ہے۔ مشکور نے کراہتے ہوئے پانی طلب کیا

ابن زیاد نے کہا اسے پانی مت دینا۔

پانچ سو درہ لگ جانے کے بعد زندگی اور موت میں کیا فاصلہ باقی رہ

جاتا ہے۔ لیکن عمر بن الحارث نے سفارش کی کہ اب اسے قتل نہ کیا جائے اور

مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسے اپنے گھر لے جاؤں۔

ابن زیاد نے کسی مصلحت کی بنا پر اس کی بات مان لی! ابن حارس
مشکور کو اپنے گھر لے آیا۔ پانی پیش کیا۔ آپ نے کہا! یہ پانی میں نہیں پیوں
گا میرے لئے حسین علیہ السلام کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوثر کا جام لئے
کھڑے ہیں۔ یہ کہتے ہی کلمہ شہادت کی گواہی دی اور راہی ملک بچا ہو گئے

ان لله وانا اليه راجعون

ہزار ہزار سلام ہوں اہل بیت کے اس سچے خادم اور وفادار پر جس
نے جان تو دیدی مگر ابن زیاد جیسے جابر و ظالم کے سامنے کلمہ حق کہنے سے باز
نہ رہا۔

یہی حسنینت ہے اور یہی پیغام حسین علیہ السلام ہے کہ داروسن کی
پرواہ کئے بغیر کلمہ حق کہتے رہو۔

دل میں حق و حریت کا نور ہونا چاہیے
جذبہ مشکور کا مشکور ہونا چاہیے
﴿صائم چشتی﴾

ادھر مشکور جن معصوم یتیموں کو بچانے کے لئے جام شہادت نوش فرماتے ہیں
وہ چشمے کے کنارے بیٹھے ہوئے چھپنے کی جگہ تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اوپر
دیکھتے ہیں تو چشمے کے کنارے والے درخت کے موٹے تنے میں کافی خلا
ہے۔

یہ معصومانہ سوچ تھی جو بھی سمجھ میں آیا کر دیا دونوں ہی درخت کی اس

کھوہ میں دیک کر بیٹھ گئے۔

حبشیہ کنیز کا آنا

تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ ایک عورت ہاتھ میں برتن لئے چشمے پر آئی
جب اس نے چشمہ سے پانی لینا چاہا تو درخت کے عکس کے ساتھ اسے
شہزادوں کا عکس بھی نظر آ گیا۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دو چاند بیک وقت پانی کی تہ سے طلوع ہو
رہے ہوں دو نور کی تصویریں ہیں جن کے گلاب کے پھولوں جیسے چہرے
خون کے آنسوؤں میں بھیگ کر گل لالہ بن چکے ہوں۔

دو گل از گلشن دولت و میدہ
دو سرو از باغ خوبے قد کشیدہ

دو ماہ از برج آبے رخ نمودہ
زدیدہ چشمہ باران کشودہ

یکے تابندہ مہر از درباے
یکے چوں ! آپ خضر از جاں فرماتے

گل رخسار ! شاں زیر کلالہ
شدہ از گریہ خونیں! چوں لالہ

لب آں گشتہ خشک از آتش غم
رخ ماندہ تر از اشک ماتم

﴿کاشفی﴾

وہ عورت ایک حادثہ نامی شخص کی کنیز تھی۔ اُس نے اوپر نظر اٹھائی
مسلم کے دونوں یتیم سراپہ درد کی تصویریں کو اس کی جانب ہی دیکھ رہے تھے
کنیز نے شہزادوں کی حالت دیکھی تو تڑپ گئی۔ وہ سوچنے لگی اتنے خوبصورت
بچے اس قدر آلام و غم کی تصویر کیوں بنے ہوئے ہیں ان پر کیا مصیبت نازل
ہوئی ہے جو اس طرح چہرے سے ہوئے ہیں۔ آنکھیں سو جی ہوئی ہیں بال
بکھرے ہوئے ہیں اور اتنی حسرت بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے
ہیں۔ دل کو سنبھال کر عرض کرتی ہے اچھے بچو تم کون ہو تمہیں کس کا ڈر ہے جو
اس طرح چھپے بیٹھے ہو تمہارے باپ کا کیا نام ہے۔

جواب آیا ! بی بی ! ہم سے یہ نہ پوچھو کہ ہم کس کے بیٹے ہیں
باپ کا نام بتاتے وقت ہمارے سینے پھٹ جاتے ہیں بس یہ سمجھ لو دو یتیم ہیں

خدا اے رفیق از منزل جا ناں مدہ یا دم
کہ من در دادی ہجراں ز حال خود بفر مادم

کنیز کے دل میں اچانک خیال آ گیا کہ یہ بچے کو فیوں کے معلوم نہیں ہوتے۔ یہ یقناً حضرت مسلم کے صاحبزادے ہیں۔

پھر ٹھنڈی آہ بھر کو بچوں سے مخاطب ہوتی ہے۔ اگر میرا خیال غلط نہیں تو آپ حضرت مسلم کے دلہند ہیں۔ بڑے شہزادے نے تڑپ کر کہا۔
بی بی! تم ٹھیک کہتی ہو مگر اب ہمیں مسلم کے دلہند نہ کہو ہمیں مسلم کے یتیم کہو۔ غریب الوطن پر دیسی کہہ کر پکارو۔

ہو وطن جن کا چپ گیا، ہم وہ کلیم ہیں
دلہند کس کے رہ گئے! اب تو یتیم ہیں

بی بی! ہمیں اب یاد کے تحفے نہ دیجئے
ہم بے وطن مسافروں پہ رحم کیجئے
﴿علامہ صائم چشتی﴾

کنیز یہ درد بھری گفتگو سب کو تڑپ ہی تو گئی پھر عرض کرتی ہے۔
اچھے شہزادو اللہ تمہیں صبر دے۔ مسلم کے یتیمو! اللہ تم پر رحم فرمائے میں ایک بی بی کی کنیز ہوں۔

میں بھی خاندان مصطفیٰ کی غلام ہوں اور میری مالکہ کو بھی اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق ہے۔ میں ابھی جا کر اسے تمہارے متعلق بتاتی ہوں۔ تم کسی قسم کا فکر نہ کرنا۔ میں ابھی آتی ہوں شہزادو!

کنیز چلی گئی تو بڑے شہزادے محمد نے چھوٹے شہزادے کو مخاطب کر کے فرمایا !

بھائی ابراہیم ! کہیں ہم پھر کسی جال میں نہ پھنس جائیں۔

ابراہیم ! بھائی جان اب تو جو بھی تقدیر دکھائے گی دیکھنا پڑے گا۔

محمد ! مجھے تو اسی حبشی کنیز کی باتوں میں سچائی معلوم ہوتی ہے۔

ابراہیم ! ہاں بھائی جان ! سیاہ فام حبشیہ کے چہرے ہر عقیدت اور سچائی کا نور صاف ظاہر ہے۔

محمد ! خدا کرے کہ اس کا دل بھی سچائی کا نور ہو۔

کنیز آزاد کر دی

ادھر شہزادے اس طرح کی سوچ اور فکر میں محو ہیں ادھر اس کنیز نے جا کر اپنی مالکہ کو سب حالات سے آگاہ کر دیا مالکہ نے جب حضرت مسلم کے یتیم شہزادوں کا حال سنا تو تڑپ کر رہ گئی اور پھر والہانہ انداز میں باہر کو دوڑی کنیز بھی ساتھ تھی دروازے کے پاس پہنچ کر رک گئی کنیز بھی رک گئی مالکہ نے اپنے سر کا دوپٹہ اتارا اور کنیز کے سر پر دیکر کہنے لگی آج سے تم میری لونڈی نہیں بلکہ میری بہن ہو تو مجھے بہت بڑی خوشخبری سنائی ہے میں اس کے صلہ میں تمہیں اپنے مال کے حصے سے آزاد کرتی ہوں۔

اور پھر ننگے سر ہی والہانہ دوڑتی ہوئی چشمے پر آ گئی شہزادے انہی

طرح درخت کی کھوہ میں دیکے پڑے تھے یہ عالم دیکھ کر بی بی کی چیخ نکل گئی۔
 قریب پہنچ کر نہایت شفقت سے بولی۔

گلستان محمد کے نو نہالو! نیچے تشریف لے آؤ۔ ڈرو نہیں پیارے
 شہزادو! میں آپ کی خادمہ ہوں میں اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
 غلام ہوں، میں خاندان نبوت کی لونڈی ہوں میرے چاند! مجھے اپنی کنیز
 سمجھو۔ دونوں بھائی ڈرے ڈرے سہے سہے اتر آئے۔ اترنا تو تھا ہی خواہ
 کچھ بھی سلوک ہوتا۔

مگر وہ بی بی تو جو کچھ کہہ رہی تھی دل کی گہرائیوں سے کہہ رہی تھی
 شہزادوں کو گود میں لے کر بے اختیار روتی رہی کبھی ایک کا منہ چومتی کبھی
 دوسرے کو گلے لگاتی کبھی دونوں کو گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر روتی اور پھر
 ایک بھائی کو اپنی گود میں اٹھایا اور دوسرے کو آزاد شدہ کنیز نے اٹھایا اور گھر
 کے اندر لے آئی۔

جلدی جلدی پانی گرم کیا ایک نے بچوں کے کپڑے دھو کر سکھانے
 شروع کر دئے دوسری نے نہلایا دھلایا کپڑے پہنائے اوپر بٹھایا اور کھانا
 آگے رکھ دیا معصوموں کو کچھ تسلی ہوئی تھوڑا بہت کھانا تناول فرمایا۔ پھر وہ
 دودھ لائی۔

بچوں نے انکار کیا زمین پر بیٹھ کر خوشامد کرنے لگی پیارے شہزادو
 تھوڑا سا پی لو آپ بہت تھکے ہوئے ہیں گرم گرم دودھ پینے سے راحت ملے

گی۔

شہزادوں نے اس نیک بی بی کا پیار دیکھا تو ماں کی یاد آ گئی اس کا
دل رکھنے کے لئے دو دو گھونٹ دودھ تو پی لیا اب ماں کی یاد دل پر ہتھوڑے
برسانے لگی۔

آنسو بھی عجیب چیز ہیں، انسان دکھی ہو تو جب بھی آ جاتے ہیں، دکھ
کے بعد راحت ملے تو دکھوں کو یاد کر کے مچل جاتے ہیں۔ یہی حال شہزادوں
کا تھا ماں جیسا پیار نصیب ہوا تو ماں کی مامتا یاد آ گئی لیکن دل پر جبر کر کے
آنسوؤں کو روکے رکھا کہ کہیں اس محسنہ کا دل نہ ٹوٹ جائے۔ پھر بی بی نے
پچھلے کمرے میں بستر لگا دیا۔

اور ہاتھ باندھ کر عرض کیا مینہ کے شہزادو تم بہت تھکے ہوئے ہو دو
راتوں سے جاگ رہے ہیں تھوڑی دیر آرام کر لو شہزادے اٹھتے ہیں بی بی گود
میں لینے کے لئے باہیں پھیلا دیتی ہے۔

بڑے نے کہا ہم خود چل کر جائیں گے بی بی؛ اب ہماری تھکن دور
ہو گئی ہے لیکن بی بی آگے بڑھی اور ایک کو گودی میں اٹھالیا کینئر نے دوسرے کو
آغوش میں لیا اور بستر پر بٹھا دیا۔

شہزادے تھکے ہوئے تھے فوراً ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے
شہزادے سو رہے ہیں اور بی بی سرہانے بیٹھی ہوئی زیارت کے مزے لے رہی
ہے کبھی پیار میں جوش آ جاتا ہے تو آہستہ آہستہ انگلیوں سے کبھی ایک کی

زلفوں کو سنوارتی ہے، اور کبھی دوسرے کے چہرے پر آئی ہوئی لٹ کو اوپر اٹھا دیتی ہے۔

کچھ یاد آتا ہے تو باہر جاتی ہے اور پھر فوراً ہی واپس آ کر سوائے ہوئے شہزادوں کو دیکھنا شروع کر دیتی ہے کتنا منور تھا اُس بی بی کا دل کس قدر روشن تھا اس کا سینہ۔ جس میں سچا خلوص اور سچا پیار تھا وفا کی دمک تھی، ہدایت کی چمک تھی۔

رحم کا جذبہ تھا، اسلام کی چاشنی تھی، اخلاص کا نور تھا، انسانیت کی عظمت تھی، مودت کی سر بلندیاں تھیں، ایمان کی حرارت تھی، صداقت کی روشنی تھی، شرافت کی ضیاء تھی، اہل بیت رسول کی عقیدت تھی، خاندان نبوت کی محبت تھی، بہنوں کا پیار تھا اور ماں کی مامتا تھی۔

اس کے سینے میں خلوص و پیار کی تصویر تھی
اس کے دل پر اُلفت آل نبی تحریر تھی

پیکر مہر و وفا، آل محمد کی غلام
چلتی پھرتی مامتا کے پیار کی تصویر تھی
﴿صائمِ چشتی﴾

شہزادے سوتے رہے اور وہ والہانہ چکر پر چکر لگاتی رہی ان کے
صدقے واری جاتی رہی ان کی بلائیں لیتی رہی آج وہ اتنی خوش تھی جیسے

اسے دونوں جہان کی دولت مل گئی ہو۔

کبھی سوچتی ہے کہ کافی سولیا ہے اب شہزادوں کو جگا کر ان سے باتیں کروں ان کو کھانا کھاؤں اور پھر اس خیال سے اس ارادہ کو توڑ دیتی ہے کہ ان کے لئے سونا ہی بہتر ہے۔ انہیں آرام کی سخت ضرورت ہے یہ پوری دوراتیں جاگتے رہے ہیں۔

ہائے یہ ننھے سے پھول کس مصیبت میں پڑ گئے رات بھر دوڑتے دوڑتے ان کی کیا حالت ہوتی ہوگی اور پھر سرد آہ کھینچتی اور بے ساختہ رونے لگتی رات ہو جاتی ہے آزاد کی گئی کنیز کو بلایا پیار سے سینے سے لگا کر کہا اچھی بہن میں تجھے مبارک باد کہنا بھول ہی گئی تھی شہزادوں کی آمد کی خوشی مجھے یاد ہی نہ رہا۔

کہ تمہیں آزادی کی مبارک بھی دینا ہے اور تم کنیز نہیں میری بہن ہو میری ماں جانی بہن تمہارے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت بڑی دولت عطا فرمائی ہے مجھے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کا موقع ملا ہے۔

مجھے رسول پاک کی خوشنودی حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے اللہ تمہیں جزائے خیر دے میری اچھی بہن، کنیز نے مالکہ کی یہ باتیں سنیں تو دل بھرا آیا گلے لگ کر رونے لگی۔ پھر کہا یہ آپ کی شفقت ہے بی بی جو مجھے یہ اعزاز بخشا۔

میں اب بھی آپ کی لونڈی بن کر رہو گی اب تو آپ میری بہن بھی ہیں میں آزاد ہو کر بھی بہن کی غلامی میں رہنا کہیں اور جانے سے بہتر سمجھتی ہوں۔ بی بی دعا کرو اللہ تعالیٰ ایسا بندہ بست فرما دے۔ کہ شہزادے خیریت کے ساتھ اپنے گھر والوں تک پہنچ جائیں۔

بی بی: اسی لئے تمہیں بلایا ہے میری بہن۔ تمہیں بھی ایک کام کرنا ہے۔

کنیز: حکم فرمائیے میں آپ کے ہر ارشاد کی تعمیل کروں گی۔

بی بی: کام یہ ہے کہ تم میرے شوہر حارث کی عادت کو جانتی ہو۔

کنیز: ہاں بی بی، میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ وہ حکومت کے ملازم

ہیں۔

بی بی: صرف حکومت کا ملازم ہی نہیں بلکہ وہ لالچی بھی ہے میں نے سنا ہے کہ حکومت نے شہزادوں کو پیش کرنے والے کے لئے کافی انعام مکرر کر رکھا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میرا شوہر حارث انعام کے لالچ میں مجھ سے یہ دولت نہ چھین لے۔

کنیز:- تو پھر کیا کریں بی بی! یہ تو بڑی مصیبت بن جائے گی۔

بی بی:- اب یہی کرنا ہے کہ انتہائی رازداری سے کام لیا جائے اس

کو بالکل پتہ نہ لگ سکے کہ شہزادے یہاں آئے ہوئے ہیں سوائے تمہارے اور میرے کوئی اس راز سے واقف نہیں جب حارث آئے تو اسے جلد ہی کھانا

پیش کر دیا جائے کھانا کھانے کے بعد وہ جلد سونے کا عادی ہے۔

کنیز:- بہت بہتر بی بی میں پوری رازداری سے کام لوں گی آپ بالکل فکر نہ کریں اور آپ بھی یہ احتیاط کریں کہ جب مالک گھر آجائیں تو شہزادوں کے کمرے کی طرف جانا ترک کر دیں۔

بی بی:- ایسا ہی کروں گی حارث کو اب مالک نہ کہا کرو بلکہ اپنا بھائی ہی سمجھو کیونکہ تم میری کنیز تھیں میں نے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔

کافی رات گزر جانے کے بعد جب حارث گھر آتا ہے اور کھانا کھا کر لیٹ جاتا ہے اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہے۔ بی بی اس کی آواز پر کان لگا دیتی ہے۔ وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔

ہماری ایسی قسمت کہاں ہے صبح سے بچوں کو تلاش کرتے کرتے جسم چکنا چور ہو گیا ہے۔ اچھا صبح کو پھر قسمت آزمائی کروں گا۔

شوہر کی لرزہ خیز گفتگوں کو بی بی کا دل دہل جاتا ہے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتی ہے اے میرے خدا مجھ پر رحم فرما۔ کہیں میری سب محنت اکارت نہ ہی جائے کہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرتے کرتے ان کی طرف سے شرمندگی نہ اٹھانا پڑے میرے خدا تو میرے حالات زار کو جانتا ہے۔

یا اللہ! حضرت مسلم کے شہزادوں کی حفاظت فرما۔ یا اللہ! بچوں نے مجھ پر بھروسہ کیا ہوا ہے ان کے سامنے مجھے ذلیل نہ کرنا۔

میرے اللہ حارث کو ہدایت دے دے۔ یا اللہ یہ صبح ہی صبح کہیں چلا جائے تو میں بچوں کو بھیجے گا بندوبست کر لوں گی۔

خداوند! حارث بڑا خود غرض ہے تو اس کے دل کو پھیر دے
یا اللہ! تو ہی غریبوں کا فریاد رس ہے۔

الہی لاج رکھ لینا میری ان التجاؤں کی
حفاظت آپ فرمانا یتیموں بے نواؤں کی
﴿صائمِ چشتی﴾

یتیم بچے زبح ہوتے ہیں

حارث کو بھی نیند نہیں آتی اور بی بی بھی جاگ رہی ہے۔ حارث سوچ رہا ہے صبح منہ اندھیرے ہی گھر سے چلا جاؤں گا قسمت آزمائی کرنے میں کیا حرج ہے ممکن ہے کل قسمت ساتھ دے ہی جائے اور مسلم کے بچے کہیں چھپتے چھپاتے مل ہی جائیں اور پھر شاہی انعام میری جھولی میں ہوگا۔ عیش ہی عیش ہو جائیں گے۔

نیک بی بی سوچ رہی ہے۔ یا اللہ اہل بیت کے ساتھ میری محبت داغدار نہ ہو جائے۔ بچے سمجھیں گے میں نے ان کے ساتھ دھوکہ کیا ہے معصوم شہزادوں کے دل ٹوٹ جائیں گے یتیموں کی آہ نکل جائے گی۔

یا اللہ! مظلوموں کی آہ سے عرش بھی کانپ اٹھتا ہے مجھے اس

امتحان میں نہ ڈالنا شہزادوں کی حفاظت فرمانا۔ اپنی اپنی سوچ ہے اور اپنا اپنا راستہ، یہ فطرت کی نیرنگیاں ہیں۔ ایک ہی گھر میں نور بھی ہے اور نار بھی، پھول بھی ہے خار بھی، پیار بھی ہے اور ظلم بھی، شرافت بھی ہے اور شرارت بھی، ہدایت بھی ہے اور گمراہی بھی روشنی بھی ہے اور تاریکی بھی، محبت بھی ہے اور عداوت بھی۔ بیوی بچانا چاہتی ہے اور شوہر مارنا چاہتا ہے، بیوی اہل بیت کی خادمہ ہے شوہر اہل بیت کا دشمن۔ بیوی جن کے ملنے کی خوشی میں کنیز کو آزاد کر دیتی ہے۔

شوہران کو ضائع کر کے انعام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایک طرف تریاق ہے دوسری طرف زہر۔ ایک طرف حیات ہے اور دوسری طرف موت ایک طرف پیکر انسانیت ہے دوسری طرف شیطیت۔

ایک ہی گھر کے ایک ہی کمرے میں عقیدت کو بھی مینڈ نہیں آ رہی اور بغض بھی جاگ رہا ہے۔ یہی تو خدا کی شان ہے یہی تو اسرار الہیہ ہیں یہی تو قدرت کے راز ہیں یہی تو قدرت کے بھید ہیں جن کی کنہ تک عقل خرد کی رسائی ناممکن و محال ہے

ایک واقعہ

ایک قصاب نے اپنا پیشہ ترک کرنے کی وجہ بتائی کہ مجھے علی الصبح کسی گاہک کو گوشت دینا تھا۔ تڑکے کا وقت ہے۔ سات آٹھ ماہ کا بکری کا بچہ

جسے ذبح کرنا تھا وہ ٹانگیں پھیلاتے پوری مستی میں سو رہا ہے۔ میرے ہاتھ سے چھری گر گئی۔ اس کے سونے کے انداز نے میرا دل تڑپا دیا اس کے بعد میں کسی جانور کو ذبح کرنے کے تصور سے بھی کانپ جاتا ہوں۔ یہ دل بدل جانے کی بات ہے ورنہ حلال جانوروں کو ذبح کرنا منع نہیں۔

جنت کا خواب

دونوں شہزادے سو رہے ہیں تھکن کے بعد آرام کی نیند معصومیت کی نیند، غمزوں کی نیند، غم آنے پر بھی زیادہ نیند آتی ہے، بڑی ہی میٹھی نیند، پیاری پیاری خوابوں کی نیند، اما سے ملاقات کی نیند، بڑی ہی بھولی بھالی اور راحت کی نیند کہ تقدیر دونوں کو جھنجھوڑ کر جگا دیتی ہے۔

دونوں بیکس و تیسیم دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں بچوں کی آواز سن کر بی بی کی دبی دبی چیخ نکل گئی۔ بیاختیار اس کے منہ سے نکلا یا اللہ خیر ہو۔ حارث نیت بھی رونے کی آواز سن لی تھی لیکن خاموش رہا۔

ادھر بڑے شہزادے نے چھوٹے شہزادے کو زور سے سینے کے ساتھ چمٹا لیا اور فرمایا۔ ابراہیم اب چلنے کی تیاری کرو۔

ابراہیم:- کہاں چلنا ہے اس وقت بھائی کیا پھر دوڑنا پڑے گا

یہاں بھی صارا کوئی دشمن آگیا ہے۔ باہر تو ابھی رات ہے بھائی جان۔ اندھیرا

ہی اندھیرا ہے۔ اسے اس اندھیرے میں پھر بھاگنا پڑے گا

محمد :- نہیں پیارے بھائی اب ہمیں دوڑنا نہیں پڑے گا اب ہماری بھاگ دوڑ ختم ہو چکی ہے۔ اب ہماری مصیبتیں کٹنے والی ہیں۔ اب داغ تیشی دھلنے والا ہے۔ اب جدائی کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں۔

میں نے بڑا ہی پیارا خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ایک بہت ہی خوبصورت باغ ہے اس میں بڑا ہی پیارا تخت بچھا ہوا ہے۔ اس پر رسول پاک بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے ابانے بتایا تھا کہ یہ رسول پاک ہیں۔ یہ تمہاری دادی ہیں حضرت فاطمہ الزہرا اور بھی بہت سارے لوگ تھے سب کی صورتیں بڑی ہی پیاری تھیں۔

مجھے رسول پاک نے اپنی گود میں لے کر بہت پیار کیا پھر ہمارے ابا جان کو مخاطب کر کے فرمایا! مسلم تم نے یہ کیا کیا کہ خود آگئے اور ان معصوم یتیموں کو دکھوں کی دنیا میں چھوڑ آئے۔

ابا جان نے رسول پاک کے قدموں کو بوسہ دے کر وعدہ کیا۔ حضور یہ صبح ہوتے ہی آپ کے حضور میں پہنچ جائیں گے۔

پھر وہ پیارا تخت اور خوبصورت باغ غائب ہو گیا مجھے یقین ہے کہ ہم صبح ہوتے ہی شہید کر دیئے جائیں گے۔ اور پھر ابا جان سے ملاقات کریں گے پیارے بھائی جب ابا جان ہی پاس نہیں تو اس جینے میں کیا رکھا ہے ہمیں اس دکھوں اور مصیبتوں کی دھنیا سے کیا لینا ہے چھوٹے بھائی نے سنا تو چیخ نکل گئی بڑے نے چھوٹے کی یہ حالت دیکھی تو وہ بھی زار و قطار رونے لگا۔

حادث انکی درد میں ڈوبی ہوئی آوازوں کو بغور سنتا رہا۔ اسے اس کی بیوی کی طرف سے آنے والی سسکیوں اور آہوں کی آواز بھی مسلسل سنائی دیتی رہی۔ بی بی اٹھنا چاہتی تھی لیکن اس ڈر سے نہ اٹھتی تھی کہ کہیں حادث کو شک نہ ہو جائے عجیب کرب کی کیفیت میں کروٹ پر کروٹ بدل رہی ہے۔ انسان کی کی سوچ اپنی جگہ ہے اور تقدیر کا دارا اپنی جگہ۔

حادث پوچھ لیتا ہے کہ یہ رونے کی آواز کہاں سے آرہی ہے، بی بی تقریباً روتے ہوئے جواب دیتی ہے،، معلوم نہیں،، یہاں تو کوئی پڑوس بھی نہیں ہے شاید دور کہیں کسی کے بچے رورہے ہیں۔

حادث :- مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ آواز ہمارے ہی گھر سے آرہی ہے اور یہ تو بتاؤ کہ تمہیں نیند کیوں نہیں آرہی اور تم سسکیاں کیوں بھرتی ہو۔

حادث کی بیوی :- خدا جانے بس نیند نہیں آرہی۔ جسم ٹوٹتا ہے شاید بخار ہو گیا ہے۔ حادث خاموشی سے اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر اس کمرے کی جانب جاتا ہے جہاں سے شہزادوں کے رونے کی آواز آرہی تھی، اس کی بیوی بھی بیقرار ہو کر اس کے پیچھے دوڑتی ہے حادث کو دیکھ کر بچے سہم کر چپ ہو گئے۔

بچو تم کون ہو؟ حادث نے پوچھا! بچوں کی بجائے اس کی بیوی نے جواب دیا کہ یہ تو حضرت مسلم کے شہزادے ہیں میں نے کہا سورہے ہوں

گے تمہیں صبح ملاؤں گی۔ حارث ہم پر یہ خدا نے فضل کیا ہے۔ کہ اہل بیت مصطفیٰ کے شہزادے ہمارے مہمان ہیں۔ ایک دو روز ہم ان کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کریں گے پھر ان کو کسی طرح مدینہ منورہ پہنچا دیں گے۔

پیارے حارث! ان کا آنا ہمارے لیے باعث رحمت خداوندی ہے ہمارے سب دکھ دور ہو جائیں گے پتہ نہیں یہ کیوں رورہے تھے دیکھو تو سہی پھول سے چہرے رورور کر مرجھائے ہوئے ہیں، آگے بڑھو ان کو پیار کرو اور تسلی دو کہ ہم تمہیں جلد ہی مدینہ پہنچا دیں گے۔ یہ شائد اسی لئے رو رہے ہیں یتیمی کا داغ تازہ تازہ لگا ہے۔ زخم ابھی ہرے ہیں تازہ زخم جلدی دکھ جاتے ہیں آگے تو بڑھو پیارے حارث تم چپ کیوں ہو آگے بڑھ کر ان سے پیار کرو تمہیں اللہ تعالیٰ اس کا بہت بڑا اجر دے گا۔

وہیں کھڑے کھڑے حارث نے کہا کہ سو جاؤ بچو رورو کر ہماری نیند کیوں حرام کرتے ہو۔ اس کی بیوی تسلی دینے کے لئے آگے بڑھتی ہے تو اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے کمرے میں آ جاتا ہے۔ کمرے میں آ کر حارث نے بیوی کو مخاطب کیا کہ تم نے جان بوجھ کر مجھ سے پردہ رکھنے کی کوشش کی ہے جو اچھی بیوی کے لئے جائز نہیں پھر بھی میں تمہیں معاف کرتا ہوں تم نے اپنی سب باتوں میں کام کی صرف ایک بات کی ہے کہ ان بچوں کے آنے سے ہمارے گھر میں رحمت خداوندی آجائے گی۔

میں تمہاری اس بات سے اتفاق کرتا ہوں تم نے واقعی سچ کہا صبح کو میں ان بچوں کے سر کاٹ کر ابن زیاد کے دربار میں پیش کروں گا اور وہاں سے اس قدر مال و دولت حاصل کروں گا کہ ہمارے عیش ہو جائیں گے اور مزے سے ساری زندگی بسر کریں گے بس یہی رحمت خداوندی ہے۔ جو ان کی آمد سے ہمارے گھر میں آئے گی اور یہ بھی ہماری خوش قسمتی کی انتہا سمجھو کہ میں کل سارا دن ان بچوں کو تلاش کرتا رہا بلکہ رات کا کافی حصہ انہی ہی کہ جستجو میں بھاگ دوڑ کرتا رہا خدا کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا اس نے میری محنت کا یہ صلہ دیا کہ ان کو میرے گھر میں بھیج دیا گویا شکار خود شکاری کے پاس پہنچ گیا ہے۔

شوہر کی دشمنیاں اور ہولناک گفتگوں کر بی بی کا کلیجہ پل جاتا ہے رات کا باقی حصہ ہر طرح سے اس کی منت خوشامد کر کے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کرتی رہی لیکن ادھر تو دولت کا بھوت سوار تھا اس دولت کا جو کوفیوں کی بہت بڑی کمزوری ہے۔

خدا ہی جانتا ہے کہ دوسری طرف مسلم کے بیکس و معصوم بچوں نے کس طرح رات کا باقی حصہ بسر کیا۔

صبح ہوتے ہی حارث نے بچوں کو بازوؤں سے پکڑا اور باہر کی طرف جانے لگا اس کا شہزادوں کو پکڑنے کا انداز ایسا تھا جیسے قصاب دو بکروں کو کانوں سے پکڑ کر ذبح خانے کی طرف لے جاتا ہے۔

کانوں کو زور سے پکڑے رکھتا ہے کہ ذبیحہ بھاگ نہ جائیں حارث کی عورت بچوں کو بچانے کے لئے جو کچھ بھی کر سکتی تھی کر گزری اس نے ہر طریقہ سے اس خونی درندے سے بچوں کو چھڑانا چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ بچوں کو بچانے کے لئے جان کی بازی لگا دوں یہ سوچ کر آگے بڑھی اور حارث کو رک کر کہنے لگی

ظالم! اگر تو ان بچوں کو قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو پہلے مجھے قتل کر میں دنیا سے اپنے ساتھ اہل بیت مصطفیٰ کے ساتھ غداری کے ملک کا ٹیکہ نہیں لے جانا چاہتی حارث پر لالچ کا بھوت سوار تھا۔ اس پر کوئی حربہ بھی کارگر ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

لالچ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ پاگل بنا دیتا ہے۔ اس کی سوچنے کی سمجھنے کی صلاحیتوں کو بے کار کر دیتا ہے، اس کا دماغ ماؤف کر دیتا ہے وہ اپنے پرائے میں تمیز کرنے سے بے بہرا ہو جاتا ہے، وہ اندھا ہو جاتا ہے، پاگل ہو جاتا ہے حارث بھی اندھا اور پاگل ہو گیا تھا اس نے شدت غیض سے تلوار کھینچی اور اس دنیا کی پاک باز حور اور نیک بی بی پر وار کر دیا۔

تلوار سر پر چلائی گئی تھی بی بی کا سر چر گیا ماتھے سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا چکر اگر گری دونوں ہاتھوں سے پھٹے ہوئے سر کو تھام کر بچوں سے کہا! شہزادو مجھے معاف کر دینا میں بے قصور ہوں، میں تم سے شرمندہ ہوں یتیمو تم میرے گھر سے مقتل کی طرف جا رہے ہو کاش میں آپ کو گھر میں ہی نہ

لائی سر سے خون کے دھارے بہتے رہے حارث نے اسے پاؤں کی ٹھوکری ماری اور بے کس یتیموں کو زلفوں سے پکڑ کر کھینچتا ہوا آگے بڑھ گیا اس پاک باز کی درد میں ڈوبی ہوئی آواز آتی رہی محمد عربی کے شہزاد مجھے معاف کر دینا قیامت کے دن میری شکایت نہ کرنا میں بے قصور ہوں مگر نادم ہوں یا اللہ مجھے معاف کر دے یہ کہا اور بے ہوش ہو گئی۔

معصوم بچوں کے سامنے حارث کی بیوی پر وار ہوا تھا اس وار نے ان کے دل ہی چیر دیئے ان کے دلوں سے ہوک اٹھی اور اس ہوک کہ ساتھ یہ خیال بھی آیا کہ کاش یہ ظالم ہمیں قتل کر دیتا اور اس پاک باز بی بی کو کچھ نہ ہوتا ہمیں تو قتل ہونا ہی تھا وہ بیچاری بھی ہماری تقدیر کی پلیٹ میں آ گئی۔

ابھی ان خیالوں میں ہی تھے کہ نہر کا کنارہ آ گیا حارث نے بڑے شہزادے کو کہا کہ لیٹ جاؤ۔ بڑا بھی لیٹنے ہی والا تھا کہ پہلے چھوٹا لیٹ گیا اور کہا پہلے مجھے قتل کر دو میں بھائی کو قتل ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ بڑے نے کہا رک جاؤ پہلے مجھے قتل کرو۔

معصوم محبت کا یہ انداز دیکھ کر خوروں کی چیخیں نکل گئیں، آسمان کا کلیجہ پھٹ گیا، عرش خداوندی کو لرزا آ گیا، فرشتے تمللا کر رہ گئے، زمین کو زلزلہ آ گیا، کائنات عالم کانپ اٹھی لیکن بے رحم حارث کو رحم نہ آیا۔ ظالم نے کہا باز یادہ باتیں نہ بناؤ اور دونوں ایک ساتھ لیٹ جاؤ۔

نبی کے تارے، علی کے دلارے، حسین کے پیارے، مسلم کے یتیم

عقیل کے پوتے، محبت کے شہکار اہل بیت مصطفیٰ کی بہار ایک دوسرے کو سینے سے لگا کر ایسے لیٹ گئے جیسے بستر پر آرام کرنے کے لئے لیٹے ہوں۔ ابا جان سے ملاقات کا شوق، شہادت کا ذوق ہر غم سے بے نیاز کر دیتا ہے سینے ملے ہوئے ہیں ایک دوسرے کے بازو گردنوں میں جمائل ہیں۔ سونے کے انداز میں آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ حارث کی تلوار اٹھتی ہے، چمکتی ہے اور دونوں یتیمان مسلم کے سر تن سے جدا کر دیتی ہے۔

انا لله وانا اليه راجعون

اہل بیت کے معصوم، محمد کے مظلوم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چین کی میٹھی نیند سو جاتے ہیں۔ دنیا کے دکھوں سے نجات ہو جاتی ہے۔ ابا جان سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

ظالم نے جبر ظلم کی انتہا کر دی صابروں نے صبر کی انتہا کر دی فرشتوں کی معصومیت کا نپتی رہی شیطان کی نقاوت مسکراتی رہی جنت میں جاتے جاتے ننھے شہیدوں کی روحوں نے دنیا کے بڑے بڑے فلاسفروں اور دانشوروں کو ایک پیغام دیا کہ موت کو سر پر دیکھ کر بھی بھائی کو بھائی سے محبت کا رشتہ نہیں توڑنا چاہیے۔

ایثار کرنا سیکھو اے دنیا والو۔ ایثار ہی مقصود انسانیت ہے، جان تو دینا ہی پڑے گی۔ ایک دوسرے پر قربان ہونا سیکھو۔

ظلم کی سزا

شیطان حارث نے یتیموں کے دھڑوں کو نہر میں پھینک دیا یہ وہی نہر فرات ہے جس کا پانی شہیدوں کے لئے بند کر دیا گیا تھا۔

اہل بیت مصطفیٰ اس نہر کا پانی کیسے پی سکتے تھے جس میں مسلم کے یتیموں کا خون ملا ہوا تھا۔ حارث نے سر اٹھائے اور طشت میں سجا کر ابن زیاد کے پاس لے گیا۔

طشت اس کے سامنے رکھ کر اوپر سے رومال اٹھا کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ دل میں انعام ملنے کی خوشی سے لڈو پھوٹ رہے ہیں۔

ابن زیاد نے شہزادوں کے سر دیکھ کر پوچھا یہ کیا ہے؟

حضور! یہ مسلم کے بچوں کے سر ہیں، بڑی مشکل سے پکڑے گئے ہیں۔ حارث نے خوش ہو کر کہا۔ ابن زیاد نے غصے میں کانپتے ہوئے کہا، تمہیں کس نے کہا تھا کہ بچوں کے سر کاٹ کر لاؤ، احمق کے بیٹے، مجھ سے یزید نے زندہ بچے مانگے ہیں سر نہیں مانگے، حرام زادے تم نے انہیں قتل کیوں کیا ہے۔

حارث کانپنے لگتا ہے۔ کانپتے کانپتے کہا کہ غلطی ہو گئی جناب معاف کر دیجیے۔ ابن زیاد نے اور غصے میں آ کر کہا۔ یہ غلطی معاف نہیں ہو سکتی، جلاد لے جاؤ اسے چوراہے میں گاڑ کر اس پر خونخوار کتے چھوڑ دو اس کی یہی

سزاہیا بن زیاد کو بچوں کی شہادت کا غم نہیں تھا اسے یزید کی طلبی کا ڈر تھا۔

جو کچھ بھی تھا یہ قدرت کا انتقام تھا فطرت خاموش کا انتقام معصوم بچوں کی معصوم روحوں کا انتقام قاتل کو قتل ہونا ہی پڑتا ہے ظالم کو اپنے ظلم کا بدلہ وصول کرنا ہی پڑتا ہے یہ نظام قدرت ہے اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا ظالم کو ظلم کرنے کے لئے وقت دیا جاسکتا ہے لیکن اس پر گرفت قائم رہتی ہے اس کے لئے قدرت کا شکنجہ تیار رہتا ہے سر لینے کے بدلے میں سر دینا ہی پڑتا ہے۔ کسی کے ارمانوں کا خون کر کے اپنے ارمانوں کا لاشہ اٹھانا ہی پڑتا ہے یہ قانون فطرت ہے یہ قضا و قدر کا اصول ہے

یہ قدرت کا اٹل دستور ہے اس کی گرفت سے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا قانون قدرت کو توڑا نہیں جاسکتا یہ ازل ہے اور ابد تک رہے گا۔

دنیا کے بعد ابھی آخرت باقی ہے جہاں ذرے ذرے کا حساب ہوگا۔

من يعمل مثقال ذرۃ خیر یرہ ومن یعمل

مثقال ذرۃ شرأ یرہ۔

حارث کو کوفہ کے چور ہے میں سینے تک گاڑ دیا گیا اور اس پر دہی پھینک کر خونخوار کتوں کو چھوڑ دیا گیا۔ خونخوار کتوں نے انسان نما کتے کے جسم کی تکا بوٹی کر دی۔ ظالم کی سزا مل گئی۔ فطرت خاموش کو سکون حاصل ہو گیا۔ قضا و قدر نے اپنا انتقام لے لیا۔ یوم حساب باقی ہے۔

عبرت ہے اہل نظر کے لئے

مکہ مکرمہ سے روانگی

حضرت مسلم نے یکم ذوالحجہ سن ۲۰ھ کو کوفہ سے خط لکھا تھا۔ تیز روتا صد دن رات ایک کر کے آٹھ ذوالحجہ کو دربار امام میں پہنچ گیا۔ آپ نے بھائی کا خط پڑھا۔ کوفہ کے حالات سے آگاہ ہی حاصل کرنے کے بعد اہل بیت کو نئے سفر پر تیاری کا حکم دے دیا۔

آٹھ ذوالحجہ کی صبح درخشاں طلوع ہوتی ہے۔ کائنات ارضی کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے فرزند ان توحید منیٰ کو جانے سے پہلے شہزادہ مصطفیٰ کی زیارت کو جوق در جوق آرہے ہیں لیکن آپ کی کوفہ کو تیاری دیکھ کر حیران ہو کر زبان حال سے کہتے ہیں!

اے تماشہ گاہ عالم روئے تو

تو کجا بہر تماشا ! می ری

آٹھ ذوالحجہ کو مکہ معظمہ (نار اللہ شد فھا) میں کیا ہوتا ہے۔ یہ وہی لوگ بتا سکتے ہیں جو حج کی سعادت سے مشر ہو چکے ہوں۔ ملک ملک سے آئے ہوئے لوگ سفید احراموں کے ایک ہی جیسے لباس میں مساوات اسلامی کا کامل نمونہ بن کر حرم کے اندر اور باہر شانہ بشانہ کھڑے ہوتے ہیں اور یوں معلوم ہوتا

ہے۔

ایک ہیں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
 نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کا شجر
 لبیک الہم لبیک کی صدائیں ہیں۔ بارگاہ خداوندی جل و علا میں
 دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں۔ غلاف کعبہ کو تھام کو فریاد پر فریاد ہو
 رہی ہے۔ لوگ اپنے اپنے گناہوں کی گٹھڑیاں ہاتھوں پر رکھے ہوئے رب
 کائنات کے حضور میں سر جھکائے کھڑے ہیں۔ عجیب میلہ لگا ہوا ہے۔

یہ وہ واحد مقام ہے جہاں عورتوں اور مردوں کے اختلاط کی اسلام
 نے اجازت دے رکھی ہے لیکن کیا مجال کسی کی آنکھ میں کچی آجائے۔ لوگ تو
 پہلے ہی اپنے اپنے گناہوں پر بچے دل سے شرمندہ ہوتے ہیں پھر گناہ کا
 تصور کہاں۔

حرم کے اندر اور باہر ایک ملکوتی حسن چھا جاتا ہے۔ کوئی طواف کر
 رہا ہے، کوئی حجر اسود کو چوم رہا ہے، کوئی میزاب رحمت کو حسرت بھری نگاہوں
 سے دیکھ رہا ہے۔ کوئی زمزم سے پیاس بجھا کر دعا مانگ رہا ہے۔ تعظیم میں
 نوافل ادا کئے جا رہے ہیں۔ مقام ابراہیم پر نمازیں پڑھی جا رہی ہیں۔ صفا
 مروہ کی دوڑیں لگ رہی ہیں۔ ہر طرف نور کی چادر تنی ہوئی ہے۔ رحمت الہی
 جوش میں ہے۔

ایسا رقت انگیز سماں ہے کہ آنسو خود بخود جاری ہو جاتے ہیں۔ مجھے
 بھی یہ بہاریں دیکھنے کا شرف حاصل ہے۔

اور پھر دوبارہ حاضر ہونے کے لئے تڑپ رہا ہوں۔ خداوند تعالیٰ ہر مسلمان کو حج بیت اللہ شریف کی سعادت نصیب فرمائے۔

آمین

حج کا میلہ لگا ہوا ہے۔ لوگ دور دور سے مکہ معظمہ میں آرہے ہیں۔ لیکن پایادہ پچیس حج کرنے والے امام حسین علیہ السلام آج نفلی حج کو چھوڑ کر مکہ معظمہ سے باہر جا رہے ہیں۔ عظیم ترین مقصد کیلئے حج سے بھی بڑا مقصد جہی تو اس مقصد پر حج کو قربان کیا جا رہا ہے ظاہر کے حالات سے بھی آپ پوری طرح واقف تھے۔ اور باطن کے پردے بھی آپ کے سامنے اٹھے ہوئے تھے۔

آپ کے سامنے یزیدیت کا سیلاب تھا جسے روکنا بے حد ضروری تھا اور اس سیلاب کو صرف جو انسان اہل بیت کی لاشوں کے ٹکڑوں کا بند باندھ کر ہی روکا جاسکتا تھا۔ حرم میں خون گرانا حرام ہے امام چاہتے تھے کہ حرم محترم کا احترام قائم رہے اور میرے ہوتے ہوئے یہاں خون ریزی نہ ہونے پائے شہزادہ کونین کا مقصد تھا حرم کا تحفظ حرم سے دور جا کر کیا جائے۔ آپ کو معلوم تھا کہ حرم میں ایک شخص کو مینڈھے کی طرح ذبح کیا جائے گا آپ حرم کی حرمت کو بچانا چاہتے تھے آپ حرم کی زمین چھوڑ دینا چاہتے تھے آپ دادا اسماعیل نے حرم کی بنیادوں کو استوار کیا آپ ان بنیادوں کو مضبوط کرنا چاہتے تھے۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتدا تھے اسمعیل

﴿اقبال﴾

کوفیوں نے کہا تھا ہمارا کوئی امام نہیں ہم بے امام ہیں ہماری
دستگیری کیجئے۔ ہم یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے ہمیں سہارا دیجئے جگر گوشہ
رسول تھا علی کا جگر پارہا تھا، فاطمہ کا دلارا تھا کیسے سہارا نہ دیتا اور کیوں فریاد
رہی نہ کرتا۔

زندہ حق از قوت شبیری است
باطل آخر داغِ حسرت میری است

﴿اقبال﴾

آیا تھا ایہ خیال بھی دل میں آیا تھا کہ دو دن اور رک کر نفلی حج ادا کر لو
ن! لیکن نانا کی آواز کانوں میں رس گھول رہی تھی، حسین علیہ السلام! اٹھ نفلی
فکر نہ کرو۔

تمہیں حج اکبری ادا کرنا ہے۔ لوگ دس زولجہ کو منی میں بکروں اور
مینڈھوں کو قربان کر کے تمہارے دادا اسمعیل کی یاد کو تازہ کریں گے۔ لیکن تم
دس محرم کو اپنے بیٹوں کی قربانیاں پیش کرو گے۔

اپنے بھائیوں کی قربانیاں دو گے۔ اپنے بھتیجوں کی قربانیاں دو گیا اور
پھر تم قربان ہو کر تکمیلِ زحِ عظیم کر دو گے۔

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

حسین علیہ السلام! تمہارے دادا اسماعیل کی قربانی کا اثر ہے کہ اب
تک لوگ کروڑوں جانوروں کو قربان کر چکے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیام قیامت
جاری رہے گا۔

تمہارے دادا اسماعیل کی جگہ جانور قربان ہوا تھا۔ لوگ جانوروں کو
ذبح کر کے اُنکی یاد مناتے ہیں۔

لیکن میرے پیارے حسین علیہ السلام! تمہاری جگہ مینڈھا
قربان نہیں ہو گا تم تو اُن مقدس انسانوں کی قربانیاں پیش کرو گے جن میں
قدسی صفات ہوں گی جن کے چہروں پر ملکوتی حُسن ہو گا جن کے خون کے ہر
قطرے سے صدائے اللہ اکبر بلند ہوتی ہو گی جن کے دلوں میں ایمان کی
حرارت ہو اور جن کے سینوں میں شمع صداقت فروزاں ہو گی۔

پھر تمہاری ان قربانیوں کا اثر لا متناہی ہو جائے گا۔ سرمدی اور ابدی
ہو جائے گا اور لوگ تمہاری ان قربانیوں کی یاد بکروں اور مینڈھوں کو قربان
کرنے کے بجائے اپنی جانیں پیش کر کے منائے گے مائیں اپنے بیٹوں کی
شہادت پر فخر کریں گی۔

باپ اپنا سرمایہء حیات لٹتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوں گے۔ اہل وفا
شہید ہو کر تمہارے پرچم تلے جمع ہونے کے لئے بیقرار ہو جائیں گے۔

قیامت تک ہر دور میں نعرہ حسینیت بلند ہوتا رہے گا اور اہل حق لوگ اپنی جانیں قربان کر کے تمہیں خراج عقیدت پیش کرتے رہیں گے ان کا خون تمہارے خون کی سلامی کے لیے مچل جائے گا۔

اور تمہارا لہو اُن کے لہو میں حرارت ایمانی بھر دے گا اُن کے خون کے ہر میں بھی بوئے وفارچ بس جائے گی۔ اُنہیں حق و صداقت کی سر بلند یوں سے آگاہی حاصل ہو جائیگی اور سب تیرے طیب و طاہر اور مقدس خون کا اثر ہوگا۔

اُٹھو میرے حسین! بکروں اور مینڈھوں کی قربانیوں کی بجائے اپنے جگر کے ٹکروں کی قربانیاں پیش کرو اکبر و اصغر کی قربانی پیش کرو۔ قاسم و عباس کی قربانی پیش کرو۔ عون و محمد کی قربانی پیش کرو۔ اپنے وفادار و ساتھیوں کی قربانیاں پیش کرو۔

اور خدا تعالیٰ کے قانون کے تحفظ کے لئے، میرے دین کو بچانے کے لئے میری شریعت کی حفاظت کے لئے، حق کی سر بلندی کے لئے، اسلام بقا کے لئے، عظمت انسانیت کے لئے خود بھی قربان ہو جاؤ

پرستاران توحید آج یہاں سفید احراموں کے کفن باندھ کر بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو کر ندامت کے آنسو پیش کر رہے ہیں۔

لیکن میرے مظلوم شہید! تم دس محرم کو سُرخ احرام باندھ کر

خدا تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا اعلان کرو گے اور بجائے آنسوؤں کی برسات کرنے کے اپنے خون مقدس کا ہر قطرہ پیش کر دو گے۔

لوگ یہاں زمزم سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ کربلا میں تین دن کی پیاس برداشت کر کے نانا کے ہاتھوں کوثر و سلسبیل کے جام نوش کرو گے میرے حسین اٹھو! لوگ میرا دین تبدیل کر دینا چاہتے ہیں اگر آج تم نے حق و باطل میں امتیاز پیش نہ کیا۔

تو لوگ قیامت تک حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکیں گے دنیا والے گمان کر لیں گے کہ ہر امیر کی اطاعت واجب ہے خواہ وہ شرابی ہو، زانی ہو، بدکار ہو اور قوائین الہیہ کو پامال کرنا ہو۔

میرے بیٹے! دنیا کو بتادے کہ اولی الامونکم کا مطلب کیا ہے میرے چاند نشانہ ہی کر دو کہ وہ کون امیر ہے جس کی اطاعت خدا اور رسول کے بعد ضروری ہے خدا اور رسول سے بغاوت کرنے والا حاکم کس طرح قابل اطاعت ہو سکتا ہے خدا کے باغی کی اطاعت کرو گے تو خدا اور رسول کی اطاعت کیسے ہو سکے گی۔ جبکہ آیت میں ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اطاعت کرو اور پھر امیر کی اطاعت کرو۔

پیارے حسین! دنیا والے اس ظن میں مبتلا ہو جائیں گے کہ جب محمد کے نواسے نے گمراہی اور بے دینی کی حکومت کو خلاف الہیہ تسلیم کر لیا تو ہم کیوں نہ کریں۔

حسین علیہ السلام! یزید کی بیعت قبول کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے نانا کی حرمت کو فروخت کر دیا۔ رسالت کے مقصد کو قتل کر دیا۔

اٹھو میرے حسین! نانا کی حرمت اور مقصد رسالت کے تحفظ کے لئے اٹھو اور یزیدی قوتوں سے ٹکرا جاؤ اس کی حکومت کو غیر اسلامی قرار دے کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر دو تمہاری شہادت یزیدیت کے منہ پر طمانچہ ہوگی فسق و فجور اور ضلالت و گمراہی کی موت ہوگی۔

اٹھو! اور میرے دین کی حدوں کو اپنے سرخ سرخ خون کی لکیر کھینچ کر اس قدر نمایاں کر دو کہ کم نظر لوگ بھی آسانی کے ساتھ حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔

حسین ایہ کام تم کر سکتے ہو یزید اپنے مکروہ اور ناپاک ہاتھوں میں تمہارے مقدس ہاتھ لینا چاہتا ہے اُسے بتا دو کہ حسین سر تو کٹوا سکتا ہے لیکن تیرے پلید ہاتھوں میں ہاتھ دے کر نانا کی حرمت فروخت نہیں کر سکتا۔

اٹھو میرے حسین! اپنے سفر کا آغاز کرو۔ احکام سفر اُس شہنشاہ کی طرف سے صادر ہو چکے ہیں جس کا ہر حکم حکم خداوندی ہے پھر دوسروں کے مشوروں پر کس طرح عمل کیا جاسکتا تھا آج عقل عیار حسین کی شہادت میں نقائص تلاش کرتی ہے۔

اور سبط پیمبر کے اس پر مقصد اور عظیم سفر میں خامیاں نکالتی ہے اور نو اسے رسول کو مشورے دیتی ہے کہ اسے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا اور اسے

ایسے کرنا چاہیے تھا۔ معاذ اللہ!

ہم پوچھتے ہیں کہ اگر امام حسین مکہ کو نہ چھوڑتے تو کیا یزید انہیں چین و آرام کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دیتا جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ قتل امام کہ بعد بھی یزید نے وحشت و بربریت کی انتہا کر دی۔

مدینہ منورہ کی حرمت کو لوٹ کر مکہ معظمہ کی بے حرمتی کی پھر حجاج نے بن زبیر کو حرم محترم میں شہید کر دیا غور تو کیجئے اگر حسین بھی اسی طرح شہید کئے جاتے تو اس بے بسی کی موت کا اثر کس رنگ میں ظاہر ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ظلم و استبداد کا مقابلہ امام عالی مقام کو حجرہ فاطمہ سے باہر آ کر ہی کرنا تھا بہر حال ہمیں اس حصہ کو بحث و تخیص سے بالکل پاک رکھنا ہے۔

احباب کی آمد

امام عالی مقام بالکل تیار کھڑے ہیں محبان کرام ہیں جوق در جوق چلے آ رہے ہیں سبھی لوگ انتہائی بے بسی کے عالم میں شہزادہ کونین کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

آنکھوں سے اشک جاری ہیں اور دل حسرت و یاس میں ڈوبے ہوئے ہیں دلوں کی دنیا بھی عجیب ہے کسی سے گہرا ربط و تعلق ہو تو اس کے متعلق یہ سب کچھ بتا دیتے ہیں۔

اہل محبت کے دل شہادت دے رہے تھے کہ شہزادہ بنو لنواسہ
رسول کی آخری زیارت ہے اور متعدد حضرات دل کی یہ بات زبان پر بھی
لے آئے اور یوں فریاد کرتے ہیں۔

سب نے عرض کی شہزادہ حیدر ! نہ جا
اے حسین ابن علی سبط پیمبر ! نہ جا

صدے پہنچے ہیں وہاں حیدر کو ! کیا کیا
جانا کوفنے کا تو ہر گز نہیں بہتر ! نہ جا

روئے انور ہے تیرا آئینہ ! اندھے ہیں وہ
لے کے اندھوں میں یہ آئینہ سکندر ! نہ جا

سنگ با راں سے بچا جام بلوریں اپنا
ایسے لوگوں میں جو پتھر سے ہیں بدتر ! نہ جا

گل شا داب نبی اپنے چمن سے نہ نکل
نازنیں پھول ہے تو ! کانٹوں کے اندر ! نہ جا

﴿بیدل﴾

حضرت عبداللہ ابن عمر آگے بڑھتے ہیں آپ کی پیشانی کو چومتے ہیں، پیشانی انور کو بوسہ دیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں اے مملکت حق و صداقت کے تاجدار، اے نوجوانان جنت کے سردار، اے شہیدان محبت کے قافلہ کے سالار! میں آپ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔

حالانکہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ یقیناً شہید کر دیئے جائیں گے۔ کیا بوسعید خدری نے گزارش کی کہ آپ تشریف نہ لے جائیں ابو واقد نے منت سماجت کی عمر بن عبدالرحمن نے روکا حضرت عبداللہ ابن عباس نے رو کر فریاد کی کہ شہزادہ رسول ابھی آپ نہ جائیں۔

کچھ دن مزید انتظار فرمائیں مجھے اطلاع ملی ہے کہ اب کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر نہیں بلکہ یزید نے ابن زیاد کو وہاں بھیج دیا ہے وہ بڑا شقی اور بد بخت انسان ہے آپ چند روز تاقل فرمائیں اگر کوفہ کے لوگ ابن زیاد کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

تو آپ ضرور تشریف لے جائیں۔ اگر آپ کو ضرور ہی جانا ہے تو آپ یمن تشریف لے جائیں وہاں کے لوگ بھی آپ کے غلام ہیں۔

امام نے فرمایا ! میں جانتا ہوں آپ میرے سچے ہمدرد ہیں آپ کی ہر بات دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی معلوم ہوتی ہے میں آپ کی نصیحت اور شفقت کا گذار ہوں لیکن میں تو عزمِ نمیم کر چکا ہوں میں کس طرح رک سکتا ہوں حسین کا مصمم ارادہ کس طرح تبدیل ہو سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس نے یہ غیر متزلزل کلمات سنے تو رد کر عرض کیا۔ اے شہزادہ رسول ! اگر آپ کا جانا اتنا ہی ضروری ہے تو بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں اہل بیت کرام مکہ معظمہ میں چھوڑ جائیں مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔

کیسے منظور فرماتے ان سب کا جانا تو اتنا ہی ضروری تھا جس قدر آپ کا جانا آپ نے اپنے بچے ہی خواہوں اور بچے ہمدردوں سے فرمایا ہے میں آپ سب کا شکر گزار ہوں مگر میرا اب رک جانا امر محال ہے مشیت خداوندی یہی ہے کہ میں مکہ معظمہ کو چھوڑ دوں مجھے جاے دو مجھے میرا فرض پکار رہا ہے۔

اے میرے غمگسارو مہر بانو مجھ کو جانے دو
مجھے نانا کے دیں کی ڈو بتی کشتی بچانے دو

کسی کے روکنے سے ابن حیدر رک نہیں سکتا
یہ سرکٹ سکتا ہے باطل کے آگے جھک نہیں سکتا

مجھے نانا کے حکم خاص کی تعمیل کرنے دو
منی کے فرض کی جا کر مجھے تکمیل کرنے دو

یہ دنیا کچھ نہیں اک صورت موہوم ہے سب کچھ
مجھے تم کیا بتاتے ہو مجھے معلوم ہے سب کچھ

﴿صائم جشتی﴾

آپ کے ارشادات عالیہ سن کر لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے
صدائے الفراق بھی مہمان اہل بیت کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا
صدائے سروش آئی اے مکہ والو اے دور دراز سے آنے والے حاجو!
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی کے چاند کی آخری زیارت کر لو۔ فاطمہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہا کے لال کا آخری دیدار کر لو آج کے بعد اس پیکر نور اور شبیہ مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھ سکو گے حسین علیہ السلام نے حرم محترم کی
طرف نگاہیں اٹھا کر فرمایا۔

اے جلوہ گاہ رب جلیل! اے تصویر ذوق ذبیح و خلیل! حسین
علیہ السلام تیری عظمتوں کو سلام پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ تیری حرمت کی حفاظت
ظلت فرمائے تیرا وجود خطا کاروں اور گنہگاروں کے لئے چشمہ رحمت ہے تو
سراپا برکت ہی برکت ہے تیری زیارت سے گناہوں کا خاتمہ ہو جایا ہے تیری
حرمت کو پہچانے کے لئے نانا جان تجھے چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے آج تیری
حرمت کو پہچانے کے لئے حسین علیہ السلام کر بلا کو جا رہا ہے

انے کعبہ کی دیوار تم سلامت رہو اور خوش نصیب تم سے چٹ چٹ
کر اپنے گناہ کی معافی مانگے رہیں۔ حجر اسود تم بھی سلامت رہو۔ تمہیں بھی

میرے نانا نے چوما ہے تم بھی خوش نصیب ہو تمہیں لوگ قیامت تک چامتے
 رہیں گے میری طرف دیکھو میں بھی بوسہ گاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 ہو لیکن تمہیں چومنے والوں میں سے ہی کچھ لوگ میری گردن پر تلوار چلا دیں
 گے یہ اپنا اپنا مقام ہے

امام عالی مقام کی رقت انگیز گفتگو سے کعبۃ اللہ کی دیواروں کو لرزہ
 آجاتا ہے۔

فضاؤں میں یکا یک ایک درد افزا صدا گونجی
 ہوئی گم مرکز اسلام سے اسلام کو پونجی

چلے ہیں کر بلا کے کعبہ کے والی
 خدا کا گھر، نبی زادوں سے گویا ہو گیا خالی

درو دیوار کعبہ نے لباس ماتمی پہنا
 عروس گل نے پھولوں کا اتارا جسم سے گہنا

جگر پر فرط غم سے ”سنگ“ اسود نے رکھا پتھر
 صفا مروہ کو چکر آگیا کھانے لگیں چکر

بنی شکل حطیم دل شکستہ صورت ما تم
بشکل چشم غم تھا اشک افشاں چشمہ زم زم

مثال اشک غم دریا ہے میزاب رحمت سے
ہر اک سجدے نے سر ٹکرایا محراب عبادت سے

خدا کی راہ میں گھر سے خدا کا مہمان نکلا
شہیدان محبت کا امیر کارواں نکلا

﴿حسن رضا﴾

امام عالی مقام کی روانگی کی اطلاع اطراف و جوانب میں تیزی سے
پھیل گئی۔ حضرت محمد بن حنیفہ کو جب اطلاع ملی تو آپ اُس وقت طشت میں
وضو فرما رہے تھے۔ فرط غم سے بتیاب ہو کر رونے لگے۔ وضو کرنا بھی نہ یاد رہا
اور اسقدر روئے کہ وہ طشت آپ کے آنسوؤں سے بھر گیا آپ روتے رہے
اور آنکھیں وضو کرتی رہیں۔

عبد اللہ بن جعفر کا خط

اسی دوران میں مدینہ منورہ سے ایک قافلہ آیا۔ قافلہ کے ساتھ دو
بچے تھے مکہ معظمہ پر پہنچ کر وہ قافلے سے الگ ہو گئے اور سیدھے امام عالی

مقام کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ بچے سیدہ زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کے جگر کے ٹکڑے حضرت عون اور حضرت محمد تھے۔

ماموں جان کے حضور میں حاضر ہو کر ادب سے سلام عرض کیا۔ امام عالی مقام نے انتہائی شفقت و محبت فرماتے ہوئے بھانجوں کو سینے سے لگایا اور آنے کا سبب پوچھا۔

بچوں نے عرض کیا آپ کے نام پاپ کا خط لے کو آئے ہیں اور ادب سے خط پیش کر دیا۔

آپ نے خط کھولتے ہوئے پوچھا۔ کہو صغریٰ کی طبیعت کیسی ہے؟ ہمیں یاد تو بہت کر ہوگی۔

عون نے بتایا کہ جناب اب بیماری سے تو بالکل صحت یاب ہو چکی ہیں لیکن آپ سب کو اس شدت سے یاد کرتی ہیں کہ بیان نہیں کیا جاسکتا دن رات آپ ہی کی گفتگو کرتی رہتی ہیں کبھی بھائی جان علی اکبر کی باتیں کبھی ننھے علی اصغر کی باتیں، کبھی اپنی بی بی کی باتیں، اور کبھی ہماری امی کی باتیں۔ آپ کا ذکر تو بار بار کرتی ہیں

ہم جب مکہ معظمہ کو آنے لگے ہمارے گلے لگ کر روتی تھیں آپ کو بہت بہت سلام کہتی ہیں۔ کہہ رہی تھیں ہمارا سلام بھول نہ جانا بھائی! علی اکبر کے نام پیغام دیا تھا کہ آپ کا وعدہ کدھر گیا۔ اب مجھے لینے آؤ گے تو صغریٰ کی قبر سے ملاقات ہوگی۔ آپ کے نام رو رو کر پیغام دے رہی تھیں کہ

بابا جان میرے جھے کا پیار بھی سیکھنے سے ہی کر لینا میں آپ کی کیا لگتی ہوں
 - پھر کہتی تھیں میں سیکھنے سے جلتی نہیں وہ تو میری جان ہے۔ اسے بہت بہت
 سلام کہنا ننھے علی اصغر کو میری طرف سے گود میں لیکر سینے سے چمٹا چمٹا کر پیار
 کرنا۔

امام عالی مقام نے سرود آہ کھنچی اور خط پڑھنا شروع کر دیا لکھا تھا۔
 منجانب عبد اللہ بن جعفر، بنام نواسہ رسول امام حسین علیہ
 السلام بعد از حمد و صلوٰۃ آپ کو اور تمام اہلبیت رسول کو سلام قبول ہو۔

اما بعد! معروض ہوں کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ نے کوفہ جانے
 کی مکمل تیاری کر لی ہے میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ اپنے اس
 عزم و ارادہ کو ملتوی فرمائیں کیونکہ یہ مصیبت اور بلاؤں کا راستہ ہے اگر آپ کو
 معاذ اللہ قتل کر دیا گیا تو زمین کا نور بجھ جائے گا،

اس وقت آپ ہی تو منبع ہدایت اور اہل ایمان کی امیدوں کا مرکز
 ہیں میں نے عامل مدینہ سعید بن عمرو بن العاص سے آپ کے لئے امان
 حاصل کر لی ہے میں جلد حاضر ہو کر اس سے تحریری امان نامہ حاصل کر لوں گا
 اس لئے آپ میرا انتظار کریں۔

میں بہت جلد حاضر خدمت ہو رہا ہوں۔

(والسلام مع الخیر)

بارگاہ رسالت میں التجاء

امام عالی مقام علیہ السلام نے خط بند کیا مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے
دل ہی دل میں نانا جان اور اماں جان کو سلام کہا صغرا کی یاد میں اٹھنے والے
طوفانوں کو دبایا اور وہیں پرستار حجون کے قبرستان جنت المعلیٰ کی طرف منہ
کر کے بابا عبدالمطلب کو سلام عرض کیا دادا ابوطالب کو سلام کہا اور پھر محترمہ
نانی جان سیدہ خدیجہ الکبریٰ کے حضور میں ہدیہ سلام پیش کرتے ہیں۔

السلام اے راحت جان رسول

السلام اے مادر زہرا بتول

السلام اے راز دار مصطفیٰ

الوداع اے نغمگسار مصطفیٰ

السلام اے ملکہ ملک جنائ

الوداع اے حرم شاہ مرسلان

السلام اے زوجہ خیر الانام

الوداع اے مادر ام تمام

السلام اے پیکر شرم و حیا
الوداع اے منبع جود و عطا

السلام اے جانثار مصطفیٰ
الوداع اے مہبط نور خدا

اے رفیق و مولس ختم رسل
اے فردغ خانہ مختار کل

اے حبیب حبیب کبریا
اے رفیقہ رفیق دوسرا

امری امی کی امی نور عین
جا رہا ہے دور قدموں سے حسین

(صائم چشتی)

مخدومہ کائنات، ملکہ فردوس بریں، محبوبہ محبوب خدا، طیبہ طاہرہ مقدسہ معظمہ
محترمہ مکرمہ سیدہ خدیجہ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کے حضور میں الوداعی سلام
عرض کرنے کے بعد امام عالی مقام آغاز سفر فرمادیتے ہیں

آغاز سفر

شہیدان وفا کا امام حق و صداقت کے قافلے کا امیر جانی پہچانی منزل کی طرف جا رہا ہے، راستے میں ایک شخص ملا اس نے عرض کیا میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں آپ لوٹ جائیے کو فیوں پر بھروسہ نہ کیجئے۔

امام عالی مقام نے شفقت سے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ جو کچھ تم کہتے ہو، ہم بھی جانتے ہیں لیکن خدا کے حکم کے خلاف نہیں کیا جاسکتا۔ عرب کا مشہور شاعر فرزدق حج کے لئے آ رہا تھا اہل بیت کے قافلے کو دیکھ کر رک گیا امام کے قدموں کو چوم کے عرض کیا۔ شہزادۂ عالم! کاش آپ کو فیوں پر بھروسہ نہ کرتے۔ حضور والا وہ بڑے بے وفا ہیں۔ ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں حکومت کے ساتھ۔

آپ نے فرمایا فرزدق تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میرے مقاصد بہت بلند ہیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر خط لکھ کر خود بھی اس خیال سے آگئے کہ شہزادہ کو لا یتقوا اللہ! نہ سمجھیں راستے میں ہی آپ کی مکہ سے روانگی کی خبر آگئی راستہ بدل کر آپ پہنچ گئے۔

بڑی منت سماجت کی کہ آپ واپس مکہ معظمہ تشریف لے چلیں میں

وہاں چل کر حاکم مکہ سے تحریری امان نامہ حاصل کر کے آپ کو دے دوں گا۔
 آپ نے فرمایا بھائی جان میں آپ کے مخلصانہ مشوروں کا نہایت
 مشکور ہوں۔ لیکن میں واپس نہیں جاسکتا۔

مجھے نانا جان نے خواب میں ایک حکم دیا ہے۔ میں اسے ہر صورت
 میں پورا کروں گا خواہ اس کا نتیجہ میرے حق میں نکلے یا میرے خلاف جائے
 مایوس ہو کر حضرت عبداللہ اپنے بچوں عون و محمد کو آپ کے ساتھ رہنے کا حکم
 دے کر واپس آ گئے۔

کربلا کے مسافر جارہے ہیں امام عالی مقام کا نانا جان سے مکمل
 رابطہ ہے گنبد خضرا کے کلین نو اسے کی ہر مقام پر رہنمائی فرما رہے ہیں قافلہ
 آہستہ آہستہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے

راستوں کی ناکہ بندی

حاکم مکہ سعید بن عمر بن العاص نے اگرچہ مکہ معظمہ میں رہائش کے
 دوران امام عالی مقام سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا لیکن اب آپ کے روانہ ہوتے
 ہی اس نے ہر طرف سے ناکہ بندی کر دی یزید کا بھی یہی حکم تھا کہ ابن علی کو
 کوفہ جانے سے ہر قیمت پر روک دے۔

ایک روایت کے مطابق حاکم مکہ سعید نے اپنے بھائی کی کمان میں
 چند دستے سپاہیوں کے بھی روانہ کئے

جنہوں نے امام علی مقام کو سفر جاری رکھنے سے منع کیا اور دھمکی بھی دی جب امام عالی مقام نے انکار فرمایا تو انہوں نے تلواریں نکال لیں لیکن کر بلائے معلیٰ میں پہنچنے سے آپ کو کون روک سکتا تھا۔
شہسواران حسین کی تلواریں چمکیں تو وہ لوگ جلد ہی شکست اٹھا کر بھاگ گئے۔

دوسری طرف ابن زیاد نے بھی تمام شہراہوں پر ناکہ بندی کروا رکھی تھی اس نے کوفہ سے قادسیہ اور قادسیہ سے خفان اور خفان سے قطیف اور وہاں سے کوہ لعل تک گھوڑسوار دستے متعین کر رکھے تھے۔

امام عالی مقام کے سامنے تو راستے کا ایک دوسرا نقشہ تھا۔ جو نانا حضور نے خوابوں میں دکھارکھا تھا آپ راستوں کو بدل بدل کر چلتے رہے

زہیر بن قین سے ملاقات

زہیر بن قین بجلی حج کر کے واپس آرہے تھے چونکہ ان کے قافلہ میں بچے نہیں تھے صرف چند عورتیں تھیں۔ اس لئے ان کا قافلہ امام عالی مقام سے چار روز بعد مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر بھی آپ تک پہنچ گیا۔

وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے سیاسی طور پر کچھ کدورت رکھتے تھے اس لئے جب امام کے قافلہ کو ملے تو سارا دن تو ان کے ساتھ سفر جاری رکھتے اور رات کو ذرا دور اپنے خیمے لگا لیتے۔

ایک رات امام عالی مقام نے انہیں پیغام بھیجا کہ ہمیں آکر ملو۔۔
 آئے تو سہی لیکن جیسے کسی نے زبردستی دھکیل کر بھیجا ہو۔ بڑی بیزاری اور
 کراہے کے ساتھ حاضر دربار ہوئے شہزادہ مصطفیٰ نے خصوصی نگاہوں سے
 دیکھا اور نہ جانے کیا بات کہی کہ زہیر سب کچھ بھول کر دل دے بیٹھے شمشیر
 نگاہ حسینؑ دل پر چل گئی قدم چوم کر اجازت حاصل کر کے اپنے ساتھیوں
 میں آکر فرمایا!

میں تو نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا رہا ہوں
 اب وہیں رہوں گا۔ اگر کوئی میرے ساتھ رہنا چاہتا ہے تو آجائے ورنہ تمہیں
 مرضی کرنے کا پورا پورا حق ہے اور میں امام حسینؑ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں کہ
 ایک شہر منجھ پر ہم نے جہاد کیا۔ شہر فتح ہو گیا اور ہمیں بے شمار مال غنیمت حاصل
 ہوا۔

ہم لوگ بڑی خوشی سے مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے کہ ہم کو مخاطب
 کر کے حضرت سلمان فارسی نے فرمایا۔ کہ اگر تم جگر گوشہ، بتول امام حسین
 علیہ السلام کو اس حال میں پاؤ کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تشریف لے
 جا رہے ہیں تو ان کے ساتھ مل کر اس مال غنیمت سے زیادہ خوش ہونا اب وہ
 وقت آ گیا ہے کہ میں تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور پھر اپنی بیوی کو
 فرمایا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔

﴿ایک روایت میں ہے کہ زہیر بن قیس کی بیوی نے طلاق نہ لی تھی بلکہ اولاد

فاطمہ کی کنیز بن کر ساتھ رہی ﴿

تا کہ تمہیں میری وجہ سے کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ یہ نگاہ شبیری کا تصرف تھا، یہ حسنی توجہ کا کمال تھا کہ اپنے باپ سے کدورت رکھنے والے کا دل اس طرح جیت لیا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کی محبت کو بھی قربان کر کے آپ کے ساتھ ہولیا۔

زہیر بن قین نے امام عالی مقام علیہ السلام کی بارگاہ میں دین اسلام کیلئے اپنی جان نچھاور کر دی اگلے اوراق میں آپ زہیر کی شہادت کا واقعہ پڑھیں گے۔

قیس بن مسہر نے جب اس کی بکواس سنی تو غصہ سے کانپنے لگے لیکن ضبط کیا۔ اور چھت پر چڑھ گئے چھت پر جا کر پہلے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنائیان کی پھر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ستائش و فضیلت بیان کی اور پھر فرمایا اے کوفہ کے لوگو! امام حسین (علیہ السلام) اس وقت تمام جہان سے افضل ہیں۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور ان کی تقدس مآب صاحبزادی سیدہ فاطمہ الزہرا کے جگر کے ٹکڑے ہیں۔ اور ان کو خدا کے مقدس رسول نے جنت کے نوجوانوں کے سردار فرمایا ہے، اپنی خوشبو فرمایا ہے۔ آسمانوں کا گوشوارہ فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ میں حسین سے ہوں اور حسین مجھ سے ہے۔ حسین تمہارے امام مولا علی کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہیں۔ ان کی اطاعت کرو ان کا حکم مانو، ان کا ساتھ دو۔ ان کی بیعت کرو اور ان کو اپنا امام بناؤ۔ میں ان کا قاصد ہوں۔

اور میں ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجتا ہوں۔ یہ اور یزید خدا اور رسول کے باغی ہیں۔

ابن زیاد نے چھت پر چڑھایا تھا کہ یہ حسین کو گالیاں دے گا لیکن وہ خاندان نبوت کا شیدائی اور شمع اہل بیت کا پروانہ الناسی پر برس پڑا یہی تو مقصد حسین تھا کہ جابر حاکم کے سامنے علی الاعلان کلمہ حق کہہ دوسر جاتا ہے تو جائے مگر تقیہ بازی نہ کرو۔

حیدر حسین کے یہ جملے سن کر ابن زیاد کے تن بدن میں آگ لگ گئی

سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے چھت سے گرا دو کوئی دیکھتے رہے مگر ان کے سینوں میں حرارت پیدا نہ ہو سکی۔

جناب قیس بن مسہر نے سپاہیوں کو اپنی طرف آتے دکھا تو مکہ معظمہ کے راستے پر نظر جما کر عرض کیا۔ اے شہزادہ کونین! اے جگر گوشہ رسول! اے جگر پارہ بتول! اے امام برحق امام حسین! آپ کی محبت اور آپ کی تربیت کا تقاضا یہی تھا جسے میں نے پورا کر دیا میں نے آپ کے نسب العین کو سامنے رکھتے ہوئے کلمہ حق کہہ دیا ہے جس کے صلہ میں قتل کیا جا رہا ہوں۔ میرے آقا غلام کی یہ قربانی قبول ہو۔ مجھے یہ سزا آپ سے محبت کرنے کے جرم میں مل رہی ہے آپ بھی تو التفات فرما کر اپنے دیوانے کا انداز محبت ملاحظہ فرمائیں۔

بجرم عشق تو ام ی کشند غوغا ناست
تو نیز سر بام آکہ خوش تما شاست
ابن زیاد جلا دے سپاہی آتے ہیں اور پروانہ شمع حسنینت کو دھکا دیکر نیچے گرا دیتے ہیں۔ نیچے شہادت باہیں پھیلانے کھڑی تھی۔ آپ گرے اور حیات ابدی کے مالک بن گئے۔

انا لله وانا اليه راجعون

کوفہ کی خبریں آجاتی ہیں

امام عالی مقام کا قافلہ مقام ثعلبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ محمد بن اشعث کو تو ال کوفہ نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔ اس کا بھجا ہوا آدمی کوفہ کے حالات بتانے کے لئے امام عالی مقام کے دربار میں حاضر ہوا اور کوفہ میں ہونے والے تمام حالات پیش کر دیئے۔

امام عالی مقام علیہ السلام نے حضرت ہانی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی جانکاہ خبر سنی تو بے ساختہ آنکھوں میں آنسو آگئے۔

آپ نے تمام ساتھیوں کو بلایا اور تمام حالات سے آگاہ کیا۔ ساتھیوں نے سنا تو تڑپ کر رہ گئے۔ امام مسلم کے صاحبزادوں کی موت کی خبر نے سینوں پر چھریاں چلا دیں۔ ہر فرد غم و اندوہ کی تصویر بن گیا۔

امام نے ہمراہیوں کو فرمایا کہ آپ لوگوں نے کوفہ کے حالات سن لئے وہاں ہمارا استقبال تلواروں سے ہوگا۔ مرجا کے نعروں کی بجائے تیروں کی بارش کی جائے گی۔

اگر آپ لوگ واپس جانا چاہیں تو ہماری طرف سے پوری پوری اجازت ہے کچھ لوگ ابھی کچھ سوچ ہی رہے تھے کہ حضرت مسلم کے حقیقی بھائی محمد بن عقیل، اور حضرت عبدالرحمن بن عقیل نے بیک زبان عرض کیا کہ

ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے بلکہ اور تیزی سے آگے بڑھتے رہیں گے۔
یا امام! ہم اپنے شہید بھائی اور بھتیجیوں کا انتقام ضرور لیں گے خواہ
ہمیں خود قربان ہونا پڑے۔

امام عالی مقام نے دوسرے ساتھوں کی طرف دیکھا، سب نے اس
حق میں اظہارِ رضامندی کیا۔

یہ مشورہ امام عالی مقام نے اپنے خاندان کے افراد سے کیا تھا آپ
نے آئندہ پیش آنے والے حادثات کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ آپ
سب لوگ پھر ایک بار سوچ لیں انجام کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں لیکن خاندان
اہل بیت کے تمام افراد نے یہی فیصلہ دیا کہ حضرت مسلم کا انتقام ہر قیمت پر لیا
جائے گا۔ قدرت کو حضرت حسین علیہ السلام سے جو خاص کام لینا تھا اس کے
لئے ضروری تھا کہ آپ کا دامن کہیں بھی داغدار نہ ہو آپ کو موقع دیا گیا کہ
ساتھوں کی مکمل رضامندی حاصل کر لیں۔

مسلم کی بیٹی

اس دردناک خبر کو عورتوں سے کب تک چھپایا جاسکتا تھا، آپ
خیموں کے اندر تشریف لے گئے تو سامنے حضرت مسلم کی صاحبزادی پر نظر
پڑی۔ بچی کو دیکھتے ہی جذبہٴ رحم سے آپ کا دل بھر آیا۔

یہ بچی دونوں صاحبزادوں سے بڑی تھی۔ آپ آگے بڑھیا اور بچی

کے سر پر دست شفقت رکھ دیا اور ساتھ ہی آپ زار و قطار رونے لگے۔

بچی حیران ہو گئی سراپائے التجاء بن کر عرض کیا بابا جان! کیا بات ہے؟

اس سے پہلے تو آپ نے مجھے دیکھ کر کبھی ایسا نہیں کیا۔ خیر تو ہے بابا

جان! آپ کیوں رورہے ہیں میرے ابا جان تو ٹھیک ہیں بابا؟

میرے بھائی محمد اور ابراہیم تو خیریت سے ہیں۔

معصوم بچی کا سوال تھا تھا یا درد کی تلوار۔ امام عالی مقام کا تو دل چر

گیا۔ کیا جواب دیتے اس یتیم و بے نوا کو۔ جس کی ماں پہلے ہی وفات پا چکی

ہیں اب باپ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا دو چھوٹے چھوٹے ماں جائے تھے وہ

بھی چھڑ گئے۔ کس دل سے امام عالی مقام یہ خبر سناتے آپ روتے رہے بچی

نے بھی آپ کی طرف دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ باقی سیدزادیاں بھی جمع ہو

گئیں حیرانی کی تصویر بن کر سب نے پوچھا حضور! خیریت تو ہے آپ

روتے کیوں ہیں؟

امام عالی مقام نے آنسوؤں سے لبریز آنکھوں کو اوپر اٹھایا اور درد

میں ڈوبی ہوئی آواز سے حضرت مسلم اور ان کے شہزادوں کی دردناک

شہادت کی خبر سنائی۔

یہ خبر تھی یا بجلی دلوں پر گری اور سب کو تڑپا کر رکھ دیا پھر کون کم روتا

آنسوؤں کے دھارے بہہ رہے تھے۔ خیموں میں کہرام مچ گیا۔ کسی کو تسلی

دینے کا بھی ہوش نہیں تھا۔

سب روئے جا رہے تھے امام عالی مقام نے جی کڑا کر کے فرمایا!
صبر کرو اے ناموس محمد صبر کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے
ابھی تو ابتدا ہوئی ہے خدا جانے ابھی تمہیں کیا کیا مصیبتیں دیکھنا ہیں۔

کوفے والے بدل چکے ہیں اس لئے تم سب میرے امتحان میں
شریک ہونے کے لئے دلوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کرو ہم بھی اپنے بھائی
مسلم سے جلد ملاقات کرنے والے ہیں۔

صبر کرو اے اہلبیت صبر کرو یہ نصیحت کر کے آپ روتے ہوئے دل
کے ساتھ خیموں سے باہر تشریف لے آئے اور ان لوگوں کی طرف متوجہ
ہوئے۔

جوج کی واپسی کے بعد آپ سے ملتے رہے تھے ان سے آپ نے
فرمایا کہ اب کوفہ میں ہمارا استقبال تلواریں سے ہوگا میرے چچا زاد بھائی
مسلم کو شہید کر دیا گیا ہے اس لئے میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ مجھ سے
علیحدہ ہو جاؤ میرے ساتھ رہنا ہے تو مصیبتیں اٹھانی پڑیں گی۔

دھک جھیلنا پڑیں گے بھوک اور پیاس برداشت کرنی پڑے گی اور
جانیں بھی دینا پڑیں گی۔

بدوں کے قافلے تو اس لئے امام کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے کہ
کوفہ میں شاندار استقبال کرنا ہوگا وسیع پیمانے پر دعوتیں ہوں گی اب امام کی
تقریر سے کوفے کے حالات کا پتہ چلا تو جان کے لالے پڑ گئے خاموشی سے

اٹھے خیمے اکھاڑے اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھے اور یوں بھاگے کہ پیچھے مڑ کر
بھی نہ دیکھا۔

بس امام عالی مقام کے وہی ساتھی رہ گئے جو مکہ معظمہ سے آپ کے
ساتھ آئے تھے یا پھر زہیر بن قین بجلی تھے اور یہ لوگ ایسے تھے جنہیں اپنی
جانوں سے امام کا حکم زیادہ قیمتی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

حُر سے ملاقات

آج کی شب نہایت بے قراری سے گزری۔ حضرت مسلم اور ان کے شہزادوں کی موت نے بڑا گہرا اثر کیا تھا۔ اب تصورات کی دنیا میں انقلاب عظیم آچکا تھا۔

امام عالی مقام تو پہلے ہی جانتے تھے۔ اب ہر شخص نئے انداز سے سوچ رہا تھا۔ صبح ہوتے ہی شہزادہ رسول کا قافلہ نور آگے بڑھتا ہے۔ دوپہر کے وقت موضع شراف سے کچھ دور آگے نکل جاتے ہیں۔

سامنے کی طرف دیکھ کر ایک شخص نے کہا! اللہ اکبر! وہ سامنے شاید کھجوروں کے درخت نظر آتے ہیں۔ وہاں سائے میں تھوڑی دیر آرام کریں گے۔

قبیلہ بنی اسد کے دو شخصوں نے بتایا کہ اس مقام پر کھجوروں کا کوئی درخت نہیں ممکن ہے کچھ سوار ہوں۔ امام عالی مقام نے دیکھ کر فرمایا ہمیں بھی سوار ہی معلوم ہوتے ہیں۔

کیا تمہیں کوئی ایسی جگہ معلوم ہے جو پشت پر ہو جس سے فائدہ اٹھا کر ہم ان سے مقابلہ کر سکیں۔ انہوں نے عرض کیا کوہ ذو حشم ہے۔ اگر آپ جلدی کریں اور ان سواروں سے پہلے اس پر قبضہ کر لیں تو بہت بہتر ہوگا وہاں پر پانی کا چشمہ بھی موجود ہے۔

شہزادہ کونین نے سواروں کو تیز کر دیا اور کوہِ ذو حشم کے دامن میں قافلہ اُتار دیا اب ٹھنڈے پانی کا چشمہ بھی آپ کے قبضہ میں تھا اور جنگی اعتبار سے بھی آپ کا مورچہ مضبوط تھا۔ چند گھڑیوں کے بعد آپ کے سامنے ایک ہزار سپاہیوں کی فوج ڈیرا ڈال رہی تھی۔ اس فوج کا سپہ سالار حُر تھا۔ وہ اکیلا آگے بڑھا اور امام عالی مقام سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔

آپ نے فرمایا آ جاؤ۔ حُر حاضر ہوا اور قدم بوسی کر کے مودب کھڑا ہو گیا۔ امام عالی مقام نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے۔ اس نے عرض کیا حُر بن یزید ریاحی۔

پوچھا کیوں آئے ہو؟ عرض کیا، آیا نہیں بھیجا گیا ہوں۔ پوچھا کس نے بھیجا ہے؟ عرض کیا ابن زیاد نے بھیجا ہے کہ آپ کو گرفتار کر کے کوفہ لے جاؤں۔

نمازِ ظہر کا وقت ہو چکا تھا۔ پانی کے چشمہ پر امام عالی مقام کا قبضہ تھا کوئی اور ہوتا تو اپنے دشمنوں کو چشمے کے قریب نہ پھٹکنے دیتا۔ مگر یہ تو ساقی کوثر کا شہزادہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ چشمہ سے خود پانی پیو اور اپنے جانوروں کو پانی پلاؤ اور وضو کر کے نماز کی تیاری کرو۔

دونوں جانب کے لوگوں نے وضو کر لئے۔ شہزادہ کونین کے شہزادے شعیبہ مصطفیٰ حضرت علی اکبر نے اذان کہی۔ نماز کی تیاری ہونے لگی۔

امام عالی مقام نے حر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اپنے ساتھیوں کے امام تم بنو گے یا ہمارے پیچھے نماز پڑھو گے۔ حرنے عرض کی یا امام! آپ کے ہوتے ہوئے میں نماز کیسے پڑھا سکتا ہوں۔ آپ پیشوائے عالم اور امام جہان ہیں۔ امام برحق کے ہوتے ہوئے میں نماز کیسے پڑھا سکتا ہوں۔ میں آپ کی اقتدا میں نماز پڑھوں گا۔ امام عالی مقام کی اقتدا میں حرا اور اس کے سارے لشکر نے نماز ادا کی۔ بعد از نماز امام عالی مقام نے فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔

آپ نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ اے لوگو خدا تعالیٰ سے ڈرو اور تمہارے لئے کیا ہی اچھا ہے اگر تم ہمارا حق پہچانو۔ اور یقین رکھو کہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی اسی میں ہے۔ کہ تم اہل بیت رسول کو ان ظالموں کے مقابلہ میں **اولی الامر** کے زیادہ مستحق سمجھو۔

اور اگر یہ سعادت تمہارے نصیب میں نہیں اور تم یزید کے مقابلہ میں ہمیں ناپسند کرتے ہو تو ہمیں واپس جانے دو اس لئے کہ ہم خود نہیں آئے بلکہ تمہارے بلانے پر آئے ہیں۔ تم نے ہمیں خطوں پر خط لکھے کہ ہم بے امام ہیں ہماری دستگیری کیجئے۔

حرنے عرض کی کہ مجھے ان خطوط کے بارے میں کوئی علم نہیں اور نہ ہی میں نے کوئی خط لکھا ہے۔ امام عالی مقام نے ساتھیوں کو فرمایا کہ کوفیوں کے خط لاؤ اور پھر دو خرجیاں خطوط سے بھری ہوئی اُلٹ دی گئیں۔

خطوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اور حر کی آنکھیں ایک لمحہ کیلئے ندامت سے جھک گئیں۔ یہ ندامت کوفہ والوں کی طرف سے تھی۔ ورنہ حر نے تو امام کو کوئی خط لکھا ہی نہ تھا اور نہ ہی کسی خط پر اس کے دستخط موجود تھے۔

البتہ اس کے لشکر میں چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے خطوط پر دستخط کئے تھے۔ وہ اپنی اپنی جگہ پر شرم سے گردنیں نیچے کئے ہوئے تھے۔ حر نے چند لمحے حیران رہنے کے بعد کہا کہ ان خطوط کی ذمہ داری مجھ پر ہرگز عائد نہیں ہوتی۔ مجھے جو حکومت کی طرف سے کہا گیا ہے وہ کرنے پر مجبور ہوں مجھے ہر قیمت پر آپ کو حراست میں لے کر ابن زیاد کے سامنے پیش کرنا ہے آپ نے فرمایا! حر تیری موت نزدیک ہے اور یہ ارادہ دور۔ ہم ہر گز تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے۔ پھر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تیاری کرو ہم واپس چلتے ہیں۔

حر نے کہا کہ میں آپ کو واپس بھی نہیں جانے دوں گا۔ امام عالی مقام نے فرمایا! تجھے تیری ماں روئے تو کیا چاہتا ہے؟

حر نے عرض کی یا امام سنئے! اگر یہ جملہ مجھے عرب میں کوئی دوسرا کہتا خواہ وہ کوئی بھی ہوتا تو میں جو اباضہ کہتا۔ مگر خدا کی قسم آپ تو اُس عظیم اور بزرگ ماں کے بیٹے ہیں جس کا نام پاک تو میں ایسے مقام پر لے ہی نہیں سکتا۔

امام نے فرمایا! آخر تم چاہتے کیا ہو؟

عرض کی کہ میں آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔
امام نے فرمایا! خدا کی قسم میں تیرے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گا۔
حرنے کہا۔ خدا کی قسم! میں آپ کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے حر کی یہ قسم دوسری طرح پوری کر دی اور امام عالی مقام کا دامن آخری سانس تک نہ چھوڑ سکا۔ قسم تو کھالی مگر فوراً ہی ذہن کروٹ لے گیا۔ دماغ روشن ہو گیا۔ دل میں محبت اہل بیت کی شمعیں روشن ہو گئیں۔ عشق مصطفیٰ نے سینے میں انگڑائی لی تو دنیا ہی بدل گئی۔ چند لمحے کچھ سوچا اور پھر سراپا التجا بن کر گد ارش کی۔

اے شہزادہ رسول! میرے ذہن میں ایک تجویز ہے اگر آپ اتفاق فرمائیں تو آپ کا کرم ہوگا۔ امام نے پوچھا بتاؤ؟ حرنے کہا جب تک دن ہے آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ کیونکہ ابن زیاد کے جاسوس جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔ جب رات ہو تو میرے لشکر سے ذرا ہٹ کر اپنے خیمے لگالیں۔ اور پھر جب سپاہی سو جائیں تو آپ اپنے قافلے کو جس طرف آپ کا جی چاہے لے جائیں۔

میرے لئے بہانہ بن جائے گا کہ پاک دامنوں کی وجہ سے خیمے الگ لگائے تھے۔ امام عالی مقام نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اور حر کے لشکر کو یہ خطبہ دیا کہ اے لوگو جب تم کسی حاکم کو دیکھو جو ظلم کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کو توڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں سے انحراف کرتا ہے اور

کتاب و سنت کی مخالفت کرتا ہے، مخلوق خدا پر فسق و فجور کی حکومت کرتا ہے تو ایسے حاکم سے قول اور فعل کے ساتھ مخالفت کرو، اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو خدا تمہیں اچھا ٹھکانہ نہیں بخشے گا۔

دیکھو! یہ لوگ شیطان کی پیروی اور رحمان سے سرکشی کرتے ہیں، ان کا فتنہ و فساد **اظہر من الشمس** ہے اللہ تعالیٰ کی متعینہ حدود توڑی جا رہی ہیں۔ مال و قیمت پر ناجائز تصرف کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا جا رہا ہے۔

میں ان کی سرکشی اور فسق و فجور کو حق و صداقت اور عدل و انصاف میں تبدیل کر دینے کا زیادہ حق دار ہوں۔ تمہارے بھیجے ہوئے خطوط اور قاصد میرے پاس مسلسل پہنچتے رہے۔ تم نے قسمیں اٹھا اٹھا کر مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ بے وفائی نہیں کرو گے اور میری بیعت پر قائم رہو گے۔ اگر تم اپنے عہد کی پابندی کرو گے تو یہ تمہارے لئے ہدایت کا راستہ ہے۔

کیونکہ میں حسین ابن حیدر کرار ہوں، فاطمہ بنت رسول کا بیٹا ہوں رسول خدا کا نواسہ ہوں۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ اور مجھ سے گردن نہ موڑو۔ اور اگر تم اپنا عہد توڑ کر اپنی گردن سے بیعت کا قلاوہ نکال پھینکو تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔ کیونکہ تم میرے باپ حیدر کرار میرے برادر حقیقی حسن ابن علی اور چچا زاد بھائی مسلم ابن عقیل سے ایسا ہی کر چکے ہو۔ یہ درست ہے کہ تم لوگوں پر بھروسہ کر لینا خود کو فریب دینے کے مترادف ہے۔

لیکن! یہ جان لو کہ پہلے بھی تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اب بھی تم اپنا ہی ضیاع کرو گے۔ تم لوگوں نے آخرت کا اپنا حصہ ضائع کر لیا ہے اور اپنی قسمت خراب کر لی ہے۔ جو کسی سے کیا ہوا عہد و پیمان توڑتا ہے وہ اپنے ہی خلاف بد عہدی کرتا ہے۔ عجب نہیں کہ خداوند قدوس مجھے بہت جلد تم لوگوں سے بے نیاز کر دے۔

یہ خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام کا قافلہ روانہ ہو جاتا ہے۔

طرح بن عدی

ایک طرف حر کا لشکر جا رہا ہے اور ایک طرف ذراہٹ کر امام عالی مقام کا نورانی قافلہ چل رہا ہے چلتے چلتے مقام؛ عذیب البجانات پر پہنچ جاتے ہیں۔

وہاں پر کوفہ سے آنے والے چار شخص امام عالی مقام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ عرض کی کوفہ سے۔ فرمایا! کوفہ کا حال بتاؤ؟

ان میں سے ایک شخص مجمع بن عبید اللہ عامری نے عرض کی۔ اے جگر گوشہ رسول! کوفہ کے حالات انتہائی بدتر ہو چکے ہیں حکومت نے شہر کے رؤساء کو بھاری بھاری رشوتیں دے کر خرید لیا ہے۔ اور وہ لوگ اشرفیوں کی بھری ہوئی تھیلیاں لے کر فروخت ہو چکے ہیں۔ وہ لوگ آپ کے پوری شدت سے مخالف ہیں آپ کی تشریف آوری کو حکومت الہیہ سے بغاوت اور خروج کا نام دیتے ہیں۔

یزید کو امیر المومنین اور خلیفہ برحق سمجھتے ہیں ان کے ضمیروں کی کنجی ابن زیاد کے ہاتھوں میں ہے۔

آپ نے پوچھا! ہمارے قاصد ”قیس بن مسہر“ کا حال سناؤ عرض کیا! انہیں آپ سے محبت کرنے کے جرم میں چھت سے گرا کر شہید کر دیا گیا

ہے۔

آپ نے سنا تو رو کر فرمایا! انا للہ وانا الیہ راجعون کوئی اپنی
منت پوری کر گیا اور کوئی ابھی کرنے والا ہے۔

یا اللہ! ہمیں اور قیس بن مسہر کو جنت الفردوس میں جمع فرما۔

قربان جائیں قیس تیرے مقدر کی بلندیوں کے کہ جنت کا
سردار جنت میں تیری قربت کی دعا مانگ رہا ہے۔ کتنی عظیم ہے تیری شہادت
اور کتنا اونچا ہے تیرا مقام۔

پھر ان میں سے ایک شخص طرمح بن عدی نے عرض کی اے
شہزادہ رسول! آپ کو لشکر کی خراست میں رہنا مناسب نہیں۔ یا تو آپ ان
لوگوں پر حملہ کر دیں یا ان کو شکست دیکر کوئی دوسری راہ اختیار کر لیں یا پھر
ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں کیونکہ اس لشکر کے علاوہ بھی بہت بڑی فوج
آپ کے مقابلہ کے لئے کوفہ میں تیار کھڑی ہے۔ خدا کی قسم! میں نے اتنی
بڑی فوج کبھی نہیں دیکھی۔ اس لئے اچھی بات تو یہی ہے کہ یا آپ ابھی ان
پر حملہ کر دیں اور ہمیں آپ کے ساتھ شرکت کی سعادت حاصل ہو جائے گی
یا پھر ہمارے ساتھ چلیں۔ ہم کو وہ آجا کے دامن میں رہتے ہیں اور وہاں پر ہم
دشمن کے ہر حملہ سے محفوظ ہیں۔ آپ وہاں جا کر ایک خطبہ ارشاد فرمائیں گے
تو قبیلہ طے کے بیس ہزار آدمی آپ پر فدا ہونے کے لئے دس روز کے اندر ہی
اندر اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور جب تک کوئی آنکھ پلک جھپکتی رہے گی وہ آپ

پر فدا ہوتے رہیں گے۔

امام عالی مقام نے ان لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا! کہ اللہ تمہیں
جزائے خیر عطا فرمائے۔ ہم نے کوفیوں سے ایک عہد کر رکھا ہے جس کی
خلاف ورزی کرنا مشکل ہے وہ چاروں ہی حسرت و یاس کی تصویریں بنے
ہوئے قدم ہوسی کر کے واپس چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

jabir.abbas@yahoo.com

ارض کربلا

تھوڑی دیر کے بعد حُر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس کے ہاتھوں میں ایک خط تھا۔ جو امام کی خدمت میں پیش کر کے خاموشی سے بیٹھ گیا۔

یہ ابن زیاد کا خط تھا حُر کے نام ، جس میں اس قسم کا مضمون تھا۔
 بذریعہ خط ہذا مطلع کیا جاتا ہے۔ کہ حسین اور اُس کے ساتھیوں کو کسی پناہ گاہ کی طرف نہ جانے دینا۔ اور ان سب کو کھلے میدان میں رکھو۔
 ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی رعایت نہ کی جائے۔ مبرا یہ قاصد تمہارے ساتھ رہے گا اور تمہاری نقل و حرکت کی نگرانی کرتا رہے گا۔ تا آنکہ میری دوسری سپاہ تم تک پہنچ جائے۔

امام نے خط پڑھ کر واپس کرتے ہوئے فرمایا ! کہ اب تم کیا چاہتے ہو ؟

حُر نے عرض کیا کہ آپ رات کے وقت ہر قیمت پر ہم سے علیحدہ ہو جائیں۔ اور راتوں رات زیادہ سے زیادہ سفر کر کے کوئی اچھی سی پناہ گاہ حاصل کر لیں۔

امام نے وعدہ فرمایا۔ حُر واپس آ گیا۔

رات ہو ہی چکی تھی۔ حُر کے سفر میں تھکے ماندے سپاہی جلد ہی نیند

کی آغوش میں چلے گئے۔

امام عال مقام نے اطمینان کر لینے کے بعد اپنے قافلے کو چلنے کا حکم دیا۔ قافلہ چلتا رہا اور رات کے آخری حصہ میں دشتِ نینوا میں داخل ہو گیا۔ سبھی لوگ تھکن سے چورچور تھے۔ ایک مقام پر قافلہ اُتار دیا گیا۔

نیزدکس کو آنا تھی بس کمریں سیدھی کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ امام عالی مقام پر بھی چند لمحوں کے لیے غنودگی کا عالم طاری ہو گیا۔ امام زین العابدین آپ کی داہنی جانب کجاوے سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ امام عالی مقام انا للہ وانا الیہ راجعون، والحمد للہ رب العالمین پڑھتے ہوئے اُنھ کر بیٹھ گئے۔

امام زین العابدین نے تڑپ کر پوچھا ! اباہان میں آپ پر قربان کیا کوئی خواب پریشان دیکھا ہے۔

فرمایا ! ہاں میرے چاند۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سوار جارہا ہے۔ اور وہ کہہ رہا تھا کہ لوگ چلتے ہیں اور اُن کی قضا میں اُن کی طرف بڑھ رہی ہوتی ہیں۔

یہ صدا اُن کر مجھے یقین ہو گیا کہ اب ہماری شہادت کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔

امام زین العابدین نے آگے بڑھ کر باپ کے مقدس ہاتھوں کو چوم کر عرض کی ! پیارے ابا جان، خُدا آپ کو کوئی بُرائی نہ دکھائے۔ کیا ہم

حق پر نہیں ہیں ؟

امام عالی مقام نے فرمایا ! میرے لال - ہم یقیناً یقیناً حق پر ہیں۔ ہم حق پر نہیں ہوں گے تو اور کون ہوگا ؟

شہزادہ حسین نے عرض کی ! میرے آقا اگر ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں جانیں دینے کی کیا پرواہ ہے۔ میرے حضور ہم سب آپ پر فدا ہو جائیں گے۔ آپ حق پر ہیں۔ آپ حق کے ساتھ ہیں حق آپ کے ساتھ ہے۔ آپ حق کے امام ہیں، آپ حق ہیں۔ حق حق ہے اور باطل باطل۔

جاء الحق وذوق الباطل ان الباطل كان ذوقاً

آخر آپ لق و دق صحرا میں ایک مقام پر اترنا چاہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے ؟

زہیر بن قین نے بتایا ! عقر، آپ کی طبیعت بوجھل ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا ! میں عقر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ عقر کا مطلب ہے بانجھ ہونا، بے ثمر ہونا، بے نتیجہ ہونا، اور چوپایا کے پاؤں کاٹ دینا۔ پھر گچھ دور جا کر امام عالی مقام نے پوچھا ! یہ کونسا مقام ہے کسی نے بتایا، ارض ماریہ -

امام حسین نے فرمایا ! شاید اس جگہ کا کوئی اور نام ہے۔

عرض کیا ہاں ! اس مقام کو کربلا بھی کہتے ہیں۔

امام نے فرمایا ! اللہ اکبر

جانی پہچانی منزل

سب سامنے تھی خواب کی تعبیر آگئی
ہے کربلا تو منزل شبیر آگئی

﴿صائم چشتی﴾

امام عالی مقام سیدنا امام حسین علیہ السلام نے اہل بیت کرام اور
اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا! میرے عمگسار ساتھیو! حسین اپنی منزل
پر پہنچ چکا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جسے اللہ رب العزت نے میری شہادت گاہ
کے لئے ازل ہی سے تجویز فرما رکھا ہے اس میدان کو دیکھو یہ میدان حشر کا
نقشہ کھینچا گیا ہے۔

ان ہواؤں کو سونگھو ان میں کرب و بلا رنج و مصیبت اور آلام و غم کی
مہکیں رچی ہوئی ہیں۔

یہی وہ مقام ہے جس کی نشانیاں میرے نانا حضور نے مجھ پر ظاہر
فرمائی تھیں۔

یہی وہ جگہ ہے جس کے متعلق متعدد بار جبریل علیہ السلام نے سرکارِ
دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خدا تعالیٰ کا حکم پہنچایا کہ یہ حسین
کی امتحان گاہ ہے۔

میں نے اس کو اچھی طرح جان لیا ہے۔ پہچان لیا ہے۔

میری نگاہوں نے اس کے ہر گوشہ کو اس سے پہلے اچھی طرح دیکھا ہوا ہے۔ میرے ابا جان حیدر کرار علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بھی مجھے اس جگہ کے متعلق بتا رکھا ہے۔

وہ جنگ صفین سے واپسی کے وقت یہاں سے گزرے تو انہوں نے اس مقام پر خواب میں میری شہادت کا منظر ملاحظہ فرمایا تھا۔

یہ ارشاد فرما کر سبط پیبر اٹھتے ہیں۔ نانا جان کے خواب میں بتائے ہوئے نقشے کو سامنے رکھتے ہوئے اہل بیت اطہار کے خیمے نصب فرماتے ہیں۔ ذرا ہٹ کر دوسرے ساتھیوں کے نحوں کو لگوا دیا۔ نہر فرات بھی قریب ہی بہہ رہی تھی۔ شہزادہ گلگوں قبا نے مکمل طور پر امتحان کی تیاری فرما لی۔ آشیانوں کو سجالیا گیا۔ اب بجلیوں کا انتظار تھا۔

لق و دق صحرا میں اہل بیت مصطفیٰ کا گلشن مہک رہا تھا اور خزاں کی آندھیاں اسے اپنی لپیٹ میں لینے کے لیے پرتول رہی تھیں۔ دو محرم الحرام کی صبح طلوع ہو چکی ہے۔

ابھی سپیدہ سحر نمودار ہی ہوا تھا کہ سامنے ریت کے پہاڑ نظر آئے جیسے زمین و آسمان کے درمیان ریت کی ایک دیوار بنا دی گئی ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ ریت کی دیوار پھٹ گئی اور سامنے گوفہ کی طرف سے آتا ہوا ایک لشکرِ جزا نظر آیا۔ امام عالم مقام اور آپ کے ساتھیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ہر ایک کی نگاہ سوال بھی تھا اور جواب بھی۔

عمر و ابن سعد

یہ کوفہ سے بھیجا ہوا ابن زیاد کا لشکر تھا جسے اہل بیت کے چند گنتی کے جوانوں سے جنگ کرنا تھی مورخ حیران ہو جاتا ہے کہ چند لوگوں کو گرفتار یا قتل کرنے کے لئے اتنی بڑی سپاہ کی کیا ضرورت تھی لیکن وہ بھول جاتا ہے کہ ابن زیاد کے مشیر کوئی تھے اور کوفے والے جانتے تھے کہ زورید اللہی اور قوت خیر شکن سے ٹکرانا آسان نہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس شیطانی فوج کا سپہ سالار عمر بن سعد تھا۔

یہ فوج کفار کے مقابلہ میں جا رہی تھی لیکن مکمل اسلام سے ٹکرا گئی اس کا مقابلہ مکمل کفر سے ہونا تھا لیکن کامل ایمان سے ہو گیا اس کے سپاہیوں کا شہادت کا درجہ ملنا تھا لیکن جہنم کا ایندھن بن گئے۔

یہ قدر تکے سر بستہ اسرار و رموز ہیں مقدر اور قسمت کے کھلیل ہیں جو حق و باطل ایمان و کفر نور و ظلمات ہدایت و گمراہی جنت و جہنم، دن اور رات کی سرحدیں بالکل ساتھ ساتھ ہیں مرجع المرجعین یلقیان کون جانتا ہے ورنے والا لمحہ انصاف کو کس طرف لے جاتا ہے رحمانی قوت اور شیطانی طاقت ٹکرا رہی ہے ایک طرف نفس اقرب الیا انسان کی شریانوں میں خون کے سا تھ ساتھ گردش کرتا ہے دونوں قوتیں اپنا اپنا کام کر رہی ہیں انسان کس کی گرفت میں ورتا ہے یہ قسمت کی بات ہے۔

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید

ایں دو قوت از حیات آمد ید ید

عمر بن سعد کو ولیم کے کفار سے جہاد کرنا تھا اور فتح حاصل کرنے کی صورت میں اسے خطہ رہے کی حکومت ملنا تھی اسے رہے کا حاکم بننا تھا اور اس کا مہر شدہ پروانہ اس کی جیب میں تھا وہ بغرض جہاد ولیم کو جارہا تھا کہ ابن زیاد نے اسے بلا لیا اور کہا۔

ابن زیاد! ابن سعد! ابھی تم ولیم کا جہاد ملتوی کر دو۔

ابن سعد! کیوں؟ کیا بات ہے۔

ابن زیاد! حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھی دشت نینوا میں داخل ہونے والے ہیں تم نے حر کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ ان کی گرفتاری کے لئے بھیج دیا ہے۔ اور اب تم بھی جاؤ اور پہلے ان سے مقابلہ کر کے ان کو قتل کرو اس کام سے فارغ ہو کر ولیم کی طرف چلے جانا۔

ابن سعد! جناب مجھے میرے کام پر جانے دیں ایک ہزار سپاہی کافی ہوتے ہیں حسین علیہ السلام کے ساتھ چند ساتھی ہیں جن پر خُر آسانی سے کامیابی حاصل کر لے گا۔ میں نے خُر کو سب کچھ اچھی طرح سمجھا کر روانہ کیا ہے۔

ابن زیاد! بحث کی ضرورت نہیں تم پہلے حسین علیہ السلام کو قتل کرو گے اور پھر دوسرے کام ہوں گے۔

ابن سعد! میرے لئے یہ مشکل امر ہے لہذا مجھے اس کام سے معاف رکھا جائے۔

ابن زیاد! لاؤ پھر وہ عہد نامہ مجھے دے دو جس پر تمہیں رے کی حکومت دینے کا معاہدہ لکھا ہوا ہے۔

ابن سعد! گھبرا کر مجھے ایک رات سوچنے کی مہلے دی جائے۔
ابن زیاد! اجازت ہے لیکن کل تمہیں ان دو باتوں میں سے ایک کرنا ہوگی یا تو حسین علیہ السلام کا سر کاٹ کر لانا ہوگا یا رے کی حکومت کا نوشتہ واپس کرنا ہوگا۔

ابن سعد صبح جواب دینے کا وعدہ کر کے واپس آ گیا ساتھیوں سے مشورہ کیا سب نے بیک زیاب قتل حسین علیہ السلام سے منع کیا اس کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ نے کہا رے کی حکومت تو نہایت معمولی چیز ہے اگر تمام جہان کی سلطنت بھی ملتی ہو تو اسے چھوڑ دینا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ خدا تعالیٰ کو دشمن اہل بیت رسول اور قاتل حسین علیہ السلام بن کر ملے۔

ابن سعد نے سب کے مشوروں کو سنا دماغ میں دو مختلف خیال لے کر ہونے کی تیاری کرنے لگا لیکن نیند کہاں آتی انتہائی ذہنی کشمکش کا عالم ہے ایک طرف رے کی حکومت ہے دوسری طرف نواسہ رسول سے ٹکرانا ہے ایک طرف دنیا ملنے کی توقع ہے دوسری طرف دین کی گردن پر چھری چلانا پڑتی ہے ایک طرف دنیا کی بادشاہی ہے تو دوسری طرف آخرت کی سرخروئی

ہے ایک طرف دنیا کا تخت ہے دوسری طرف جنت سے محرومی کا ڈر ہے ضمیر اور نفس امارہ میں جنگ میں جا رہی ہیں رحمانی اور شیطانی قوتیں پوری شدت سے ٹکرا رہی ہے دونوں طرف سے بہم آواز آ رہی ہے۔

أَتَدْرِكُ مَلِكَ السَّرِيِّ رَغْبَةً
أَمْ أَرْفَعُ مَذْمُومًا بِقَتْلِ حُسَيْنٍ
وَفِي قَتْلِهَا النَّارُ الَّتِي لَيْسَ دُونُهَا
هَجَابٌ وَمَلِكُ السَّرِيِّ قُوَّةٌ عَيْنٌ

”رے“ کی حکومت چھوڑ دوں؟ لیکن اس کی طرف دل مائل ہے قتل حسین علیہ السلام کی مذمت گوارا کر لوں؟ لیکن قتل حسین علیہ السلام کی سزا جہنم کی وہ آگ ہے جسے روکا نہیں جاسکتا اور ”رے“ کی سلطنت آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

یہ آخری آواز تھی ذہن میں اٹھنے والا طرفہ طوفان تھم گیا فیصلہ ہو چکا تھا ضمیر مر گیا۔ امارہ جیت گیا شیطانی پنچہ کی گرفت مضبوط ہوتی گئی دل نور ایمان سے خالی ہو گیا ابن سعد زقاوت کا پتلا بن گیا دنیا کی ہوس نے اس کے کان بہرے کر دیے آنکھیں اندھی ہو گئیں اور دل پر مہر لگا دی اب اس کے اندر سے مسلسل ایک ہی آواز آ رہی تھی امام مظلوم کو قتل کرو اور ”رے“ کی حکومت کو حاصل کرو۔

صبح ہوئی ابن زیاد کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا اور کر بلا کو روانہ ہو گیا

اب اس کی فوجیں امام عالی مقام کے سامنے صف بستہ ہیں حضرت خُرجی اپنا لشکر آچکے تھی وہ بھی یزید فوج میں شامل ہو گئے۔

بالمشا فہ گفتگو

ایک رات امام عالی مقام نے ابن سعد کو بلایا دونوں فوجوں کے درمیان ملاقات کی جگہ مقرر ہو گئی۔

امام نے فرمایا! کیا تم نہیں جانتے کہ ہم حق پر ہیں؟

ابن سعد! جانتا ہوں اور مانتا ہوں کہ آپ آپ حق پر ہیں۔

امام حسین! کیا تم نہیں جانتے کہ یزیدی حکومت باطل ہے؟

ابن سعد! جانتا ہوں کہ یزید نے شریعت کی کئی حدوں کو توڑا ہے

امام حسین! تو پھر باطل کو چھوڑ کر حق کے ساتھ ملتے کیوں نہیں؟

ابن سعد! میرے مکانات گردے جائیں گے۔

امام حسین! ہم نئے بنوادیں گے۔

ابن سعد! میری جائیداد چھین لی جائے گی۔

امام حسین! ہم اس سے بہتر عطا جردیں گے۔

ابن سعد! آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟

امام حسین علیہ السلام ہم تم سے کچھ بھی نہیں چاہتے صرف دو باتیں

کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ہم یہاں خود بخود نہیں آئے بلکہ ہمیں کو فیوں

نے سینکروں خط لکھ کر منگوایا ہے اور یہاں آنے کے بعد ہم نے نہ تو کوئی لشکر جمع کیا ہے اور نہ ہی کسی شہر پر حملہ کیا ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے سامنے فوجیں لانے کا کوئی جواز نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ یا تو ہمیں واپس مکہ معظمہ جانے دیا جائے یا کسی اور سرحد کی طرف جانے دیا جائے یا پھر دمشق جانے دیا جائے۔ تاکہ ہم یزید کے ساتھ خود گفتگو کر لیں۔

ابن سعد! میں آپ کے مشورے پر غور کروں گا اور پھر دونوں ہی اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف چلے گئے۔ یہ ملاقاتیں تین تین رہیں اور آخر بڑے غور و فکر کے بعد ابن سعد نے ابن زیاد کو اس مضمون کا خط لکھا۔
میں نے معاملات کو اچھی طرح کنٹرول کر لیا ہے۔ اب حسین نے تین شرطیں رکھی ہیں،

اول! یہ کہ مجھے مکہ واپس جانے دیا جائے۔
دوم! یہ کہ میں کسی اور اسلامی سرحد کی طرف چلا جاتا ہوں۔
سوم! یہ کہ میں یزید کی بیعت کیلئے تیار ہوں۔

یہ جملہ ابن سعد نے اپنی طرف سے اپنی طرف سے لکھا تھا اور یہ قطعی طور پر غلط اور زبردست تاریخی جھوٹ ہے کہ امام عالی مقام نے اسے کہا تھا کہ ہم یزید کی بیعت کر لیں گے۔

ابن سعد کا اپنا خیال تھا کہ ابن زیاد آسانی سے یہ مان جائے گا اور اس طرح وہ امام کو دمشق جانے سے نہیں روکے گا۔

اور پھر اپنی طرف سے مشورہ دیا کہ تیسری شرط یعنی بیعت یزید مان کر امام حسین نے تمہارا مقصد پورا کر دیا ہے۔ اسی لئے قتل کرنے سے بدرجہا بہتر ہے کہ حسین بیعت یزید کر لے۔ اس طرح یزیدی حکومت کو تمام عالم اسلام مکمل طور پر خلافت الہیہ مان لے گا ابن سعد کا یہ خط لیکر جب قاصد ابن زیاد کے پاس پہنچا تو وہاں شمر ذوالجوشن لعین بھی موجود تھا۔ ابن زیاد نے شمر کو خط کا مضمون بتا کر کہا اگر یہ بات درست ہو کہ حسین یزید کی بیعت پر آمادہ ہے تو اسے مان لینے میں کوئی حرج نہیں۔

شمر آخر شر تھا اور یہی وہ ملعون تھا جس کے متعلق رسول صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے حسین کا قاتل (سگ ابرص) ڈبا کتا ہوگا۔

ابن زیاد کی بات سن کر کہنے لگا اس طرح حسین نے یزید کی تابعداری تو کر لی لیکن تمہیں کیا فائدہ پہنچا اب حسین تمہارے قابو میں ہے اسے اپنی اطاعت کیلئے مجبور کرو، اور میں نے یہ بھی سنا ہے کہ کہ ابن سعد کئی راتوں سے حسین کے ساتھ خفیہ ساز باز کر رہا ہے ابن زیاد نے شمر کی تجویز فوراً مان لی اور ابن سعد کو خط لکھا۔

میں نے تجھے حسین کو کسی قسم کی رعایت دینے کیلئے نہیں بھیجا۔ اگر تم ضرور ہی ڈھیل دینا چاہتے ہو تو اسے بتا دو کہ یزید کی بیعت بعد کی بات ہے پہلے تمہیں ابن زیاد کی اطاعت کرنا ہوگی اگر وہ میرا مطیع ہو جائے تو میں اسے

اپنی مرضی کے مطابق یزید کے دربار میں پیش کروں گا۔ اگر وہ اس بات کو تسلیم نہ کرے تو اس کو اس کے ساتھیوں سمیت قتل کر کے ان کے سر مجھے بھیج دو۔

اور اگر تو یہ کام نہیں کر سکتا تو اپنے عہدے کو چھوڑ کر فوراً علیحدہ ہو جاؤ سب کام شمر خود کر لے گا۔

ابن زیاد نے یہ خط لکھ کر شمر کے حوالے کیا اور اسے تاکید کر دی کہ اگر ابن سعد اس خط کی خلاف ورزی کرے تو اس کا سر کاٹ کر فوراً روانہ کر دو اور خود فوج کا چارج سنبھال لو۔

شمر نے کہا میرا ایک کام بھی ہے۔

ابن زیاد نے پوچھا وہ کیا؟

شمر نے کہا حسین کے ساتھ میرے چند رشتہ دار بھی ہیں ان کیلئے امان چاہتا ہوں۔ ابن زیاد نے کہا انہیں امان ہے۔ شمر نے امان نامہ لکھوا لیا اور ابن زیاد کا خط لیکر کربلا میں آگیا، عمر بن سعد سے مل کر اسے خط دیا اور پوچھا کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟

ابن سعد نے کہا کہ ابن زیاد کے حکم کی تعمیل کروں گا اور کربھی کیا سکتا ہوں جبکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ امام حسین علیہ السلام تو یزید کی بیعت ماننے سے بھی قطعی طور پر انکار کرتے ہیں تو وہ ابن زیاد کی اطاعت کیسے کریں گے۔ بعد ازاں شمر نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے اپنے

رشتہ داروں کو بلایا، رشتہ دار کون تھے؟

جناب شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی زوجہ محترمہ ام البنین

بنت خرام اور ان کے لڑکے آپ کے چاروں بیٹے

۱۔ حضرت عباس ابن علی رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت عبداللہ ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حضرت عثمان ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۔ حضرت جعفر ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

علاوہ ازیں حضرت ام البنین زوجہ حضرت علی المرتضیٰ کا

بھتیجا عبداللہ بن اسمٰعیل نے فرمایا! ہمیں سمیہ کے بیٹے سے اللہ تعالیٰ کی امان بہتر ہے۔

حضرت عباس علمدار نے فرمایا! شمر ہوا تم پر اور تمہاری امان پر۔ ماموں زاد ہو کر ہمیں امان دیتا ہے لیکن نواسہ رسول اور جگر گوشہ بتول کیلئے امان نہیں؟ ہزار بار لعنت تمہاری اس امان پر، ہمارے لئے نواسہ رسول کے قدموں میں جان دینا تمہاری اس امان سے کروڑ ہا درجے بہتر ہے۔

شمر نے جب امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں کے جذبہ ایثار اور تعلق قلبی کر دیکھا تو انتہائی شرمندگی سے واپس آگیا اور فوراً ہی پانچ سو سواروں کا لشکر بھیج کر نہر فرات پر قبضہ کر لیا۔

محرم کی نوویں تاریخ

یہ محرم الحرام کی نوویں تاریخ کی بات ہے۔ شمر نے ابن سعد سے کہا جلدی جلدی نماز عصر ادا کر لو اور پھر بھر پور حملہ کر دو۔

ادھر امام عالی مقام عصر کی نماز کی تیاری کر رہے ہیں ادھر یزیدی فوج نماز عصر سے فارغ ہو کر رُوح نماز کو جلد از جلد قتل کر دینا چاہتی ہے صلوٰۃ الوسطیٰ کی حفاظت کی جا رہی ہے۔ مگر جس کے باپ کی اسی نماز کی ادائیگی کئے لئے سورج کو واپس پلٹنا پڑا، اس کی لاش پر گھوڑے دوڑانے کے مشورے کئے جا رہے ہیں۔

اہل عرفان حیران ہیں کہ یزیدیوں کی اس نماز کا کیا نام رکھا جائے بہر حال نماز عصر سے فارغ ہو کر امام عصر کو قتل کرنے کے لئے یزیدی فوج حرکت میں آ جاتی ہے۔ حضرت عباس علمدار بیس سواروں کے سامنے آئے اور عمرو سعد سے پوچھتے ہیں کہ تمہاری فوج کیوں آگے بڑھ رہی ہے۔ ابن سعد نے بتایا کہ ابن زیاد کا لکھا ہوا اس مضمون کا خط شمر لایا ہے۔ اب بتاؤ کیا ارادہ ہے حضرت عباس علمدار نے فرمایا امام عالی مقام سے پوچھ کر بتاتا ہوں۔ اور پھر واپس امام حسین کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

حضرت عباس تو امام عالی مقام کے خیمہ میں چلے گئے اور دونوں طرف کے لوگوں نے آپس میں بحث شروع کر دی۔

امام عالی مقام کے ساتھیوں میں سے حبیب ابن مظاہر نے یزیدی لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نظر میں بدترین لوگ وہ ہوں گے جو اس کے حضور اس حالت میں پہنچے گے۔ کہ اُن کے ہاتھ تہجد گزار عابدوں اور اس کے نبی کی اولاد کے خون سے رنگین ہوں گے۔

یزیدی فوج سے عز رہ بن قیس نے کہا۔ بہت خوب، آفرین صد آفرین۔ اپنی عظمت و بڑائی بیان کرنے کا اچھا طریقہ نکالا ہے۔ جی بھر کے اپنی پاکیزگی اور شان بیان کرو۔

عز رہ کا یہ تمسخر سنا تو حضرت زبیر بن العقیل بجلی نے فرمایا۔ عز رہ! تم ایک واضح حقیقت کا مذاق اڑاتے ہو۔ سنو! خدا تعالیٰ نے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھا کر ہمارے نفوس کو پاک کر دیا ہے۔ خدا سے ڈر، آخرت کا خوف کھا، اور ان لوگوں کو جن کے نفس پاک کئے جا چکے ہیں نشانہ ظلم و ستم بنانے والوں کا ساتھی نہ بن۔

عز رہ نے جواب دیا، کیا تم وہی زبیر نہیں ہو جو حضرت عثمان کے حامیوں اور حضرت علی کے مخالفوں کے ساتھ تھے؟ زبیر نے کہا ہاں یہ درست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے امام حسین کی بیعت کر لینے کے وعدے کا کوئی خط نہیں لکھا۔ لیکن جب میں نے ان کے ساتھ سفر کیا تو میری آنکھوں سے پردے اُٹھ گئے۔ میں نے ان کے تقویٰ و ورع کا عالم اور چلنا پھرنا دیکھا تو مجھے رسول خدا یاد آ گئے۔ رسول اللہ سے ان کی محبت یاد آ گئی۔

میں نے دیکھا کہ یہ کتنے عظیم ہیں جو محض تحفظِ حق و صداقت کے لئے ایک زبردست طاقت اور جابر حکومت سے ٹکرانے کے لئے جارہے ہیں حالانکہ یہ بے سرو سامان ہیں۔ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ان کی محبت ڈال دی۔ میرے ضمیر نے مجھے بار بار پکار کر کہا حسین کا ساتھ دو چاہے تمہیں جان کی قربانی دینا پڑے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حق کی حفاظت کروں جسے یزید کے حواری ضائع کر رہے ہیں۔ ابھی یہ باتیں ہوئی رہی تھیں۔ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ امام عالی کا پیغام لے کر آ گئے۔

آپ نے عمرو بن سعد کو فرمایا کہ امام عالی مقام فرماتے ہیں۔ ہمیں آج کی رات اپنے رب کی عبادت کر لینے دیں۔ ہم زندگی کی آخری شب میں آخری بار تلاوتِ قرآن کرنا چاہتے ہیں۔

عمرو بن سعد کے ساتھیوں نے کہا ٹھیک ہے۔ اب شام ہو رہی ہے اور اگر تم سے دُلیم کے کفار بھی ایک رات کی مہلت مانگتے تو تم کو دینا پڑتی چنانچہ یزیدی لشکر پھر اپنے مقام پر واپس آ گیا۔



مُحَرَّم کی دسویں رات

☆ صبح کو یوم عاشورہ ہے،

☆ کائنات ارضی و سماوی کے ظہور میں آنے کا دن،

☆ چاند تاروں اور سورج کی پیدائش کا دن،

☆ جنت اور دوزخ کے بننے کا دن

☆ ابتلاؤں اور آزمائشوں کا دن،

☆ امتحانوں میں کامیابی کا دن،

☆ حق کی فتح اور باطل کی موت کا دن،

☆ ملائکہ مقررین کی تخلیق کا دن،

☆ لوح و قلم کے نقوش ترتیب دینے کا دن،

☆ ارادہ و علم الہی کے بطون سے ظہور میں آنے کا دن،

☆ قیام عرش اور قیامت برپا ہونے کا دن،

☆ حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے

کا دن،

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نار کو گلزار کرنے کا دن،

☆ ابراہیم کی فتح اور نمرود کی شکست کا دن،

☆ فرعون کے غرق نیل ہونے کا دن،

☆ حضرت ادریس کو بلندی درجات ملنے کا دن،

☆ حضرت نوح کا سفینہ کنارے پر لگنے کا دن،

☆ اسی دن ہی یوسف علیہ السلام کو زندان سے رہائی حاصل ہوئی

اور اسی دن ہی امام زین العابدین کو بیڑیاں پہنائی جائیں گی۔

☆ اس دن ہی حضرت اسمعیل ذبح اللہ کی جگہ مینڈھا قربان ہوا تھا

اور اسی روز ہی تکمیل ذبح عظیم کرنے والا حسین اپنے بال بچوں

سمیت ذبح کیا جائے گا،

☆ اس دن ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی

ملاقات کی بشارت دی جائے گی،

اور اسی روز ہی حضرت سجاد اپنے باپ سے بچھڑ جائیں گے

☆ اس روز ہی یعقوب کو ربینائی حاصل ہوئی اور ان کا رونا تھا تھا

اور اس روز ہی حضرت سجاد کی آنکھیں خون کے آنسو برسنا شروع

کریں گی۔

☆ اس دن ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی ہمشیرہ کو بھائی کے ملنے

کی بشارت ملی تھی۔

اور اسی روز ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کی ہمشیرہ حضرت زینب

سلام اللہ علیہا اپنے بھائی سے بچھڑ جائیں گی۔

دنیا کے اسلام میں تاریخی اعتبار سے یہ انتہائی عظیم دن ہے۔

جیسی تو امام عالی مقام اس دن کا انتظار فرما رہے تھے۔ یہی وہ دن تھا جس میں شہزادہ کون و مکاں نے اپنے نانا کے دین کو ظلم و استبداد کے پیچھے سے چھڑانا تھا۔ نانا کی اُمت کی ڈوہتی ہوئی کشتی کو ساحل آشنا کرنا تھا۔ اور خود ذبح ہو کر دنیا پر واضح کرنا تھا کہ

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کر بلا کے بعد

یہی وہ مقدس اور عظیم دن تھا جس کو خونِ حسین کی تابانیوں نے اور بھی مقدس بنا دینا تھا۔ اور بھی درخشاں کر کے اور بھی با عظمت کر دینا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دن پہلے بھی ہزاروں سعادتیں اور لاکھوں رحمتیں اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا لیکن جو سر بلندی اور شہرت تامہ اسے خونِ حسین کی برکت سے ملی اس کا رنگ پہلے تمام واقعات پر چھایا ہوا ہے۔

بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے شہزادہ گلگوں قبائے اس دن کو اپنے لئے منتخب فرما کر پھر اپنے لئے ہی مخصوص فرمالیا ہے۔ اس کی تاریخی عظمتوں کو اگر یاد کیا جاتا ہے تو محض ذکرِ حسین ہی کی وجہ سے، اے یوم عاشور! تیری عظمتوں کو سلام، تجھے خونِ حسین کی سرخی نے درخشندہ اور تابندہ کر دیا ہے۔ تو جب بھی آئے گا اہل ایمان تجھے سلامی پیش کریں گے۔

اس عاشورہ محرم کی صبح ہونے میں آٹھ گھنٹے باقی ہیں۔ اس عاشورہ

محرم کی صبح ہونے میں آٹھ گھنٹے باقی ہیں بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ قیامت پنا

ہونے میں چند گھنٹیاں باقی ہیں قیامت بھی تو اسی روز ہی قائم ہوگی لیکن اس کی آمد معلوم نہیں کر بلائی زمین پر تھوڑے عرصے کے بعد اس قیامت کی تصویر کھینچی جائے گی۔

ساتھوں کو خطاب

امام عالی مقام نے عشاء کی نماز کے بعد اپنے ساتھیوں کو بلایا کر یہ خطبہ دیا۔

پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان کی اور پھر فرمایا کہ میں جو حالت میں خدا تعالیٰ کا شکر گزار ہوں خواہ رنج و آلام ہوں یا راحت و خوشی میں خداوند قدوس کا ممنون کرم ہوں قرآن کو سمجھنے کا فہم بھی عطاء فرمایا دین کے معاملات کو ٹھیک طور پر سمجھنے کی صلاحیت بھی عطا فرمائی اور عبرت حاصل کرنے کی قوتوں سے بھی سرفراز فرمایا۔

ابا بعد میرے غم گسار اور ہمدرد ساتھیو! مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آج تمام روئے زمین پر مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے افضل کوئی جماعت نہیں اور نہ ہی میرے اہل بیت سے زیادہ خیر خواہ اور ہمدرد دنیا پھر میں کسی کے ساتھ موجود ہیں اے محبان حسین بن علی! اللہ تعالیٰ تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

آپ لوگ جانتے ہیں کہ یزید کو میرے ساتھ دشمنی ہے اسے صرف

میرا قتل مقصود ہے وہ اپنی شیطانی حکومت کی بنیادیں میری لاش پر استوار کرنا چاہتا ہے اس لئے میں مشورہ دیتا ہوں کہ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاؤ ابھی تھوڑی دیر بعد چاند نکل آئے گا۔

پھر شائد کوئی مشکل درپیش آ جائے میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ موسم گرما کی شدت میں تم لوگ دو روز سے میرے ساتھ میری طرح پیاس کی سخت برداشت کر رہے ہو لیکن اب میں تم لوگوں کو بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ میرے ساتھ رہ کر مہینے اٹھانے کی بجائے اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھو اور جہاں طبیعت مانتی ہو مناسب سمجھو تو میری اہل بیت کا ایک ایک فرد اپنے ساتھ لگے جاؤ۔

میں تم پر خوش ہوں قیامت کے دن کوئی شکوہ نہیں کروں گا تم میرا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

بلکہ رب عالم کے حضور میں عرض کروں گا کہ بار الہا ان سب کا میرے امتحان میں سے پورا پورا حصہ ہے۔

جاؤ میرے جاں نثار ساتھیو! حسین علیہ السلام تمہیں پورے خلوص کے ساتھ الوادع کہتا ہے تم جدھر بھی جاؤ گے تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔

یہ سب فوجیں میرے لئے ہیں ان کے تیروں تلواروں، نیزوں اور بھالوں کا ہدف حسین علیہ السلام کا سینہ ہے پھر تم خواہ مخواہ کیوں میرے ساتھ رہ کر مصائب برداشت کرو۔

ہیں میرے ہی لئے یہ سامنے فوجوں کی دیواریں
چمکتی ہیں فقط میرے لئے لشکر کی تلواریں

مہربانو! مجھے تو امتحان خاص دینا ہے
یزیدی فوج کو تو بس! سر شہید لینا ہے

میں خوش ہو کر اجازت دے رہا ہوں تم چلے جاؤ
جہاں جاؤ رہو خوش، زندگی کی راحتیں پاؤ

مجھے سینے پہ تیزوں برچھیوں کے وار سہنے دو
میری گردن سے خون مصطفیٰ کی نہر بہنے دو

مجھے رہنے دو جو روبرو کی خونی گھٹاؤں میں
میں خود آیا ہوں میرے ساتھیو خونی بلاؤں میں

چلے جاؤ، بلائیں کربلا میں لاکھ آئیں گی
دعائیں ابن حیدر کی تمہارے ساتھ جائیں گی

﴿صائمِ چشتی﴾

امام کے ساتھیوں کی التجا

امام عالی مقام کی یہ رقت انگیز گفتگو سنی تو ساتھی تڑپ کر رہ گئے روتے ہوئے فریاد کرتے ہیں۔

اے شہزادہ کون و مکان۔ اے شہرِ یارِ مملکتِ حق و صداقت، اے شمعِ شہستانِ رسول! اب آپ کو چھوڑ کر کہاں جائیں گے آپ کے سوا ہمارا دنیا میں کون ہے جس کے لئے زندہ رہنا ہے۔

اے جگر گوشہٴ بتول! کروڑوں زندگیاں بھی ہوں تو تیرے قدموں پر بھی قربان آپ ہمیں اپنے قدموں سے دور جانے کا مشورہ نہ دیجئے۔

اے محبوبِ کبریا کہ محبوبِ نوا سے! ہمیں اپنے قدموں پہ نثار ہونے دیں ہمیں اپنی جانوں کی قیمتیں وصول کرنے دیں۔ ہماری سب سے بڑی خوش قسمتی اور بلندیِ مقدر یہی ہے کہ آپ ہمیں خود پر قربان ہوتا دیکھیں ہماری جان نثاری کو ملاحظہ فرمائیں۔

اے امامِ الوقت! آپ کی جان ہماری جانوں سے زیادہ قیمتی ہے ایک ہم ہی کیا ہیں پوری کائنات سے زیادہ قیمتی ہے۔

یا امامِ المسلمین! ہمارے خون کا ہر قطرہ آپ کے نام پر نثار ہو گا۔ اور جب ہماری روصیں ہمارے جسموں کو چھوڑ رہی ہوں گی تو وہ صدا دیتی

ہوں گی۔ یا حسین آپ کی عظمتوں کو سلام
آپ ہمارے آقا و مولا ہیں ہماری جانوں کے ہم سے زیادہ مالک ہیں۔
ہونا قربان جو آقا پہ وہ بندہ کیا ہے
﴿اعلیٰ حضرت﴾

کہا روکر غلاموں نے محمد کے نواسے کو
کئی دن کے پیاسوں نے کئی دن کے پیاسوں کو

ہمارے آقا و مولا ہمیں بھی پاس رہنے دو
ہمیں بھی ظلم کی شمشیر کا ہر وار سہنے دو

اے زہرا کے قبر بن کر رہیں گے ہم تیرا ہالہ
ترے قدموں میں مرنے کی تمنا ہے شہ والا

ہمیں ناموس احمد کے لئے قربان ہونے دیں
ہمیں قدموں میں آقا راحتوں کی نیند سونے دیں

جہاں کی ظلمتوں میں شاہ والا روشنی تم ہو
ہماری جان بھی تم ہو ہماری زندگی تم ہو

﴿صائمِ چشتی﴾

حضرت عباس نے کہا: یا امام خدا ہمیں وہ دن نہ دیکھا کہ ہم آپ
کے بعد زندہ رہیں۔

حضرت مسلم کے بھائیوں نے کہا: تاریخ ہمیں کس نام سے یاد
کرے گی کہ ہم اپنے سردار اپنے امام اور چچا زاد بھائیوں کو چھوڑ کر بھاگ
گئے تھے؟ اور نہ کوئی تیر پھینکا نہ نیزہ چلایا اور نہ تلوار چلائی خدا کی قسم ہمیں
ایسی زندگی کی ضرورت نہیں ہمیں تو اپنی جان مال اولاد سب کچھ آپ کی
ذات پر قربان کر دینا ہے۔

عوجہ نے کہا: میں اس وقت تک اپنے امام کے لئے لڑتا رہوں گا
جب تک میرے جسم میں خیاں کا آخری قطرہ باقی ہے۔

سعد بن عبد اللہ بن حنیفہ نے عرض کی! اے امام برحق، ہم اس وقت تک
آپ کے لئے لڑتے رہیں گے جب تک ہمیں یقین نہ ہو جائے کہ ہم نے
اللہ کے رسول کا حق محض اکر لیا ہے خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میں
قتلِ کذابہ اؤں بچا یا آؤں، یا باجواؤں کا یا میری خاک ہو میں تحلیل ہو
جائے گی اور یہ سلوک میرے ساتھ ستر بار کیا جائے گا جب بھی میں آپ کا
ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔

زہیر بن قیس نے کہا اے نواسہ رسول! خدا کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ اگر میں ہزار مرتبہ درے سے چیرا جاؤں تو جب بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا

۔ امام عالی مقام علیہ السلام نے جب ایثار کے پیکروں کی گفتگو سنی تو انہیں دعا دیتے ہوئے فرمایا اگر آپ سب لوگوں کی یہی خواہش ہے تو اٹھئے اور میرے ساتھ امتحان کی تیاری کیجئے وہ صبح آنے والی ہے جس میں میرے اور تمہارے لاشے خاک و خون میں تڑپتے ہوں ہونگے اب زیادہ وقت نہیں خیموں کو اکھاڑ کر قریب قریب کر کے لگا دو اور ان کے گرد ایک خندق کھود کر اس میں لکڑیاں بھر دو ہمیں یقین ہے کہ یزیدی ناموس محمد کا بھی خیال نہیں کریں گے اور خیموں پر حملہ کر دیں گے۔

اب جلد از جلد تمام تیاریاں مکمل کر لو صبح ہوتے ہی جنگ کا آغاز ہو جائے گا۔

پھر آپ تمام ساتھیوں کو کام پر لگا کر اہل بیت کے خیموں میں تشریف لے آئے۔



امام عالی مقام

اور

حضرت زینب

آپ سب سے پہلے جناب سیدہ زینب کے خیمے میں تشریف لے گئے اور بہن کو سلام کر کے بیٹھ گئے سیدہ کی بیٹی اٹھی پہلے بھائی کی گردن کو بوسہ دیا اور پھر زلفوں کو چوما امام نے ہمشیر کے ہاتھوں اور گلانی کو بوسہ دیا اور ایک دوسرے کے پاس بیٹھ گئے بہن بھائی کی طرف حسرت زدہ نگاہوں سے دیکھ رہی ہے اور بھائی ہمشیر کی طرف ایسے دیکھ رہا ہے جیسے یہ آخری ملاقات ہے دونوں کے لب خاموش ہیں لیکن دلوں کی دھڑکنوں میں پیغام رسانی جاری ہے دونوں ہی سوچ رہے تھے کہ سلسلہ گفتگو کس طرح شروع کیا جائے۔

آغاز گفتگو

امام عالی مقام نے سکوت مرگ جیسی خاموشی کو توڑ کر سوال کیا۔
اے میرے نقوس مآب اور عظیم ہمشیرہ! آپ نے آج سے پہلے
اس طریقہ سے میری گردن اور زلفوں کو بوسہ نہیں دیا۔

میری عزیز بہن! مجھے بتاؤ کہ اس کی کیا وجہ ہے۔

سیدہ کی بیٹی نے وجہ بیان کرنے کا ارادہ کیا تو چیخ نکل گئی رو کر فرمایا!
اے شہزادہ عالم! امی کی آنکھ کے تارے اور دکھی بہن کے دل
کے سہارے پیارے بھائی جان! آج مجھے امی جان کا ایک فرمان یاد آ گیا
ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ وقت سر پر آ چکا ہے۔ جس کے لئے امی حضور
نے وصیت فرمائی تھی میری عمر بہت چھوٹی تھی بنت رسول کے آخری لمحات
تھے۔

آپ نے مجھے آخری بار گود میں لے کر پیار کیا اور فرمایا۔ میری بیٹی
میری ایک وصیت یاد رکھنا مجھے تمہارے نانا جان نے بتایا تھا کہ میرا حسین
شہید کر دیا جائے گا۔

میں تمہیں وصیت کرتی ہوں کہ جب میرے حسین علیہ السلام پر ایسا
وقت آئے تو اپنے بھائی کا ساتھ دینا۔ پھر امی جان نے مجھ سے وعدہ لے کر
فرمایا کہ تم امام الانبیاء کی نو اسی ہو حیدر کرار کی بیٹی ہو کہیں اپنے وعدے کو بھول
نہ جانا۔

اے شہزادہ رسول! مجھے امی جان سے کیا ہوا وعدہ ہمیشہ یاد رہا
مدینہ منورہ سے چلتے وقت مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اب امی جان سے کیا ہوا
وعدہ پورا ہونے کا وقت آ چکا ہے اور آج کی رات مجھے اس بات کا پورا پورا
یقین ہو گیا ہے کہ کل آپ کے گلوئے مبارک پر ظلم و ستم کی شمشیر چل جائے گی

میرا ماں جایا بھائی شہید ہو جائے گا اہل بیت کا قافلہ لٹ جائے گا ام
لیلیٰ و رباب کا سہاگ اجڑ جائے گا بتول کے حجرہ کا چراغ بجھ جائے گا بہن
کے دل کا قرار لٹ جائے گا اسی یقین کے ساتھ میں نے آپ کی گردن پر
بوسے دیئے ہیں کہ کل اس گردن پر تلوار چلنے والی ہے زلفوں کو اس لئے چوما
ہے کہ کل یہ عنبریں زلفیں خاک و خون میں لتھڑی ہوئی ہوگی۔

بھائی جان آپ بتائیں کہ آپ نے میرے ہاتھوں اور کلائی کو
کیوں بوسہ دیا ہے جگر گوشہ بتول کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان آ گیا
فرمایا میری ہمدرد و غمگسار وہن! تیری طرح مجھ سے بھی وعدہ لیا گیا ہے مجھے
سے بابا حیدر کرار وعدہ لیا تھا۔

انہوں نے فرمایا تھا کہ میرے حسین علیہ السلام! جب تم کر بلا
کی سر زمین میں امتحان دے کر فرائض ذبح عظیم کی تکمیل کر رہے ہو گے تو
میری بیٹی زینب بھی تیرے ساتھ ہوگی وہ تمہارے امتحان میں برابر کی شریک
ہوں گی وہ تیرے لئے اپنا گہر بار چھوڑ دے گی اپنے بچوں کو تجھ پر قربان کر
دے گی۔

اور پھر میرے حسین علیہ السلام! وہ تیری شہادت کا صدمہ بھی بر
داشت کرے گی اور جب تو شہید کر دیا جائے گا تو امت کے نمک حرام اس کی
کلائیوں میں زنجیریں پہنا دیں گے میرے ہمشیر میں تیرے ہاتھوں میں
یزید یوں کی ہتھکڑیاں دیکھ رہا ہوں۔

کاش! اس وقت حسین علیہ السلام نے جام شہادت نہ پیا ہوتا اور اہل بیت کے ساتھ یہ سلوک کرنے والوں کی گردنیں اُڑا دیتا لیکن پیاری بہن اب صبر کے سوا چارہ کار نہیں قدرت کو یہی منظور ہے حسین علیہ السلام کو اسی طوح امتحان دینا ہے اور حسین علیہ السلام کی بہن کو بھی اسی طرح صبر و استقامت کی تصویر بن کر فاطمہ کے دودھ کی لاج رکھنا ہے۔

میری عظیم اور قابلِ صدا احترام بہن! میں نے تیری کلائیوں کو اس لئے چوما ہے کہ ان میں میرے بعد ہتھ کڑیاں پہنائی جائیں گی۔

حضرت امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ مجھے اُس وقت سخت بخار تھا۔ میری پھوپھی جان مری تیمارداری میں بھی مصروف تھیں اور میرے آبا حضور سے گفتگو بھی فرما رہی تھیں۔ وہ جب مجھے دیکھنے کے لئے آئیں تو والد گرامی امام عالی مقام نے زہندہ ذیل شعر پڑھے۔

بَانِمِرَافِ لَکْ مَن خَاہِل
کَم تَک بَا سَمِرَاقِ وَالَا صَیْل

مَن صَا حَبِ اَوْ طَا لِبِ قَتِیْل
رَا الدَّهْرَ یَقْتَحِ بِالسَّبِیْلِ

وَمَنْ سَلَکَ سَبِیْلَ السَّیْلِ
سَلَکَ سَبِیْلَ السَّیْلِ

ترجمہ!

اے دنیا تجھ پر افسوس ہے تو کیسی بے وفا دوست ہے صبح و شام
تیرے ہاتھوں کتنے لوگ قتل ہو جا رہے ہیں وقت نہ کسی کی رعایت کوتاہ ہے اور
نہ ہی کسی کا بدل قبول کرتا ہے اور سارا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم میں ہے ہر
زندہ موت کی طرف جا رہا ہے۔

امام زین العابدین کہتے ہیں کہ جب پدر بزرگوار نے دو تین بار یہ
شعر دہرائے تو میری حالت اور بھی خراب ہو گئی کلیجہ منہ کو آنے لگا آنکھیں
آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ سر پر مصیبت کی ایسی گھڑیاں
آچکی ہیں جو ٹل نہیں سکتیں۔

میری پھوپھی نے جب یہ شعر سنے تو بے قابو آ گئیں اور دوڑ کر بھائی
کے پاس پہنچیں اور فریاد و فغاں کرتی ہوئی بے ہوش ہو گئیں۔

ازواجِ طاہرات سے ملاقات

بعد ازاں امام عالی مقام ازواجِ طاہرات کے خیمہ میں گئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ جنابِ رباب اور اُمّ لیلیٰ شہنشاہ کی سلامی کے لیے کھڑی ہوئیں تو آپ نے بیٹھ جانے کا ارشاد فرمایا۔ ناموس رسالت بیٹھ گئیں تو آپ نے فرمایا !

اے غیرتِ بنو ہاشم کی محافظو، حسین تم سے نادم ہے مگر مجبور ہے۔ اے میری ازواجِ حسین قضاء و قدر کا مالک ہو کر بھی قضاء و قدر کا پابند ہے۔ اس لیے کہ یہی رضائے الہی ہے۔ یہی مشیتِ خداوندی ہے۔ یہی مرضیِ مصطفیٰ و مرتضیٰ ہے۔ اور یہی میری امی جان جنابِ زہرا سلام اللہ علیہا کی خواہش ہے۔

حسین تمہارا مشکور ہے

اے میری حرمین حسین تمہارا مشکور ہے۔ کہ فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے میں تم نے میرا پورا پورا ساتھ ساتھ دیا۔ میں تمہارا اس لیے بھی ممنون ہوں کہ تم نے ہمیشہ میری رضا کو اپنی رضا پر مقیم رکھا۔ اور میری روئے تطہیر کو شکوہ و شکایت کی آلودگی سے کبھی داغدار نہیں کیا۔

حسین تمہارے اس جذبے کی تہہ دل سے قدر کرتا ہے۔ کہ تم نے اپنی زندگیوں کو حسین ہی کے رنگ میں ڈھال لیا۔ مجھے اس امر کا شدید

احساس ہے کہ میں نے تمہیں دنیاوی آسائشوں اور نعمتوں سے کبھی کچھ نہیں دیا۔ مگر تم اس ایک بات پر یقیناً فخر کر سکتی ہو کہ تم بنتِ رسول جنابِ بتول علیہ السلام کی بہوئیں ہو۔

مجھے اس بات کا بھی ہمیشہ خیال رہا کہ میں تمہیں دنیا میں سوائے غربت و افلاس اور فقر و فاقہ کے کچھ بھی نہ دے سکا۔ مگر اس بات پر مطمئن ہوں کہ تم قیامت کے دن جہنم کے سردار کی بیویاں کہلاؤ گی۔

اے غمگسارانِ حسین ! تم نے ہر غم میں میرا ساتھ دیا۔ ہر دکھ درد میں پورا پورا انباہ کیا۔ ہر مصیبت اور تکلیف کو خوشی خوشی برداشت کیا۔ لقا و ودق صحرا کے سفر کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ اور اب تین روز سے پیاس کی سختیاں برداشت کر رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔

کل تمہارا امتحان ہو گا

اے ناموسِ بنو ہاشم ! غریب الوطن حسین آج تمہیں ایک اور المناک خبر سنانے آیا ہے۔

اے میری زندگی کی رفیقو ! کل یومِ عاشورہ ہے۔ اور یہی میرے امتحان کا دن ہے۔ کل میرا امتحان ہو گا۔ اور تمہارا سہاگ اُجڑ جائے گا۔ حسین کا سایا سر پر نہیں ملے گا۔

تمہارے سروں کی ردا میں چھن جائیں گی۔

اس خبر کے ساتھ ہی میرا مشورہ ہے۔ کہ تم علی اکبر کو ساتھ لو۔ علی
اصغر کو گود میں اٹھاؤ۔ چند ہاشمی جوان بھی تمہارے ساتھ ہونگے۔ اور کسی محفوظ
مقام پر چلی جاؤ۔

یاد رکھو ! اگر تم میرے ساتھ رہو گی تو تمہارا سہاگ تو اُجڑنا ہی ہے
تمہاری گودیں بھی خالی ہو جائیں گی۔ اور پھر تمہاری نازک کلاسیوں میں لو
ہے کی زنجیریں بھی ڈال دی جائیں گی۔

ازواج کا غم میں ڈوبا جواب

امام عالی مقام کی جانگداز گفتگو سنی تو حضرت رباب اور جناب اُمّ
لیلیٰ کی چیخیں نکل گئیں۔ امام کے سمجھانے پر چیخوں کو دبایا تو ہچکیوں اور
سسکیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دل تھے کہ جیسے ڈوب ہی گئے ہوں۔ نبضیں
تھیں کہ جیسے بند ہو کر ہی دم لیں گی۔

سینوں میں اُٹھنے والا طوفان سیلِ عشق بن کر بہنے لگا۔ لیکن آنکھوں
میں اتنا راستہ ہی کہاں تھا جو طوفان کے اس شدید ریلے کو گزار
سکیں۔ آنکھیں مسلسل اشک برسا رہی تھیں۔

بات کرنے لگتی ہیں تو بات نہیں ہوتی۔ ہچکی پر ہچکی بندھی ہوئی
ہے۔ جسموں میں روحیں اس طرح پھڑک رہی ہیں جیسے ابھی نکل جائیں
گی۔

بڑی مشکل سے خاموش فریادوں کر سنبھالا اور دونوں بیبیوں نے
آہ سرد کھینچ کر کہا !

ازواج کا امام کو جواب

اے امام عالی مقام ! آپ نے آج کیسی گفتگو فرمائی ہے۔

اے ابنِ رسول اللہ ! اے ہمارے آقا و مولا ، اے ہمارے
سرتاج دنیا کی کروڑوں نعمتیں اور آسائشیں آپ کے فقر و فاقہ پر قربان
ہمارے لیے یہی کیا کم ہے کہ ہم جنت کے نوجوانوں کے سردار کی کنیزیں
ہیں۔ سلطنتِ اسلامیہ کے روحانی تاجدار و شہریار کی لونڈیاں ہیں۔ جناب
بتول اور سیدہ زینب کی خادمائیں ہیں۔

آپ شہزادہ کوئین ہیں۔ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں ،

ہمارے سرتاج آپ امام الانبیاء کے چمن کی بہار ہیں۔

آپ نے ہم جیسی حقیر کنیزوں کو شہزادیوں سے بھی بلند و بالا مرتبے

عطا کر دیے ہیں۔

آپ نے ذروں کو آفتاب بنا دیا ہے۔ آپ کے فقر و فاقہ نے ہمیں

اسلوبِ زندگی سے آشاء کر دیا ہے۔

آپ کے افلاس نے جینے کا سلیقہ سکھا دیا ہے۔ اور آپ کی نسبت

نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت میں داخل کر دیا ہے۔

آج ہم جیسا خوش نصیب کون ہے۔ کہ ہم نواسہا رسول اور جگر گوشہا بتول کی ساتھی ہیں۔

پھر جناب علی اصغر کی والدہ مکرمہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا، لیکن اے میرے سرتاج ! مجھے ایک بات کا افسوس ضرور رہے گا۔ کہ آپ نے مجھے اس قابل نہ سمجھا کہ میں آپ کے امتحان میں شریک ہو سکوں۔

میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتی

میرے آقا آپ نے کیسے خیال فرمالیا کیا اس کنیز کو اپنے قدموں سے دور کریں۔ کیا اس لیے کہ میں اپنے بیٹوں کو قربان ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکوں گی۔ اپنا سہاگ اُجڑتا ہوا برداشت نہیں کر سکوں گی ؟

میرے حضور یہ درست ہے کہ آپ کے بعد میں شاید زندہ نہ رہ سکوں۔ لیکن میرے آقا ، میں آپ کو چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں ؟ میرا آپ کے سوادِ نیا میں اور کون ہے جس کے پاس جاؤں گی۔

حضور آپ ہی تو میری زندگی ہیں۔ میری روج ہیں میری جان ہیں۔ مجھے زندہ رہنا ہے تو آپ کے قدموں میں۔ آپ کے بعد جو زندگی ہو گی اُس کا نام زندگی کیسے رکھا جائے گا۔ اُس زندگی سے مر جانا ہزار درجے بہتر ہے جو آپ کے بغیر ہو۔

یہ جملہ کہا ، رفیقہ حسین علیہ السلام پر اس قدر غم طاری ہوا کہ آپ

بے ہوش ہو گئیں۔

امام عالی مقام نے خیال کیا ، کہ شائد اب جانبر نہ ہو سکیں۔ پانی تو تھا ہی نہیں۔ بے ہوش کو کس طرح ہوش میں لایا جاتا ، امام عالی مقام نے دامن سے پنگھا کیا۔ دامن میجائی ہوانے رُوح کو جسم سے پرواز کرتے کرتے روک لیا۔

شہزادہ رسول سے گفتگو

جناب اُمّ یٰسٰی نے آنکھیں کھول کر اپنے سر تاج کو دیکھا ، آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ شہزادہ رسول نے تسلی و تشفی کی گفتگو فرمائی۔ اور کافی دیر صبر و شکر کی تلقین کرنے کے بعد آپ نے بستر کے ساتھ ٹیک لگائی اور لیٹ گئے۔

امام الانبیاء کی تشریف آوری

آپ لیٹے ہی تھے کہ نیم خوابی کا عالم طاری ہو گیا۔ ان حالات میں نیند کس کو آ سکتی ہے۔ بس ملاقات کا بہانہ بننا تھا۔ خواب میں ملاقات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تاجدار کون و مکاں ، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوا سے کے سینے پر اپنا دست اقدس رکھا ہو ہے ، اور آپ دُعا فرماتے ہیں اے خُداوندِ قَدّ و سِ میرے حسین کو صبر عطا فرما۔ اور اجرِ عظیم عطا کر،

اللهم اعط الحسین صبراً واجراً

نانا جان کے دستِ اقدس کی برودت سے امام حسین کے سینے میں اُٹھنے والے درد و غم کے شعلے ماند پڑ گئے۔ اضطراب و اضطراب کی عوارضات بشری کے تحت جو تھوڑی بہت صورت تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔

نانا نے نواسے کے سینے پر ہاتھ کیا رکھا! سینے میں صبر و رضا کا خزانہ بھردیا۔ دل میں سکون و اطمینان کے سمندر بند کر دیئے۔ شوقِ شہادت کے جذبات کی دنیا آباد کر دی۔

نواسے نے مدینہ سے چلتے ہوئے کربلا میں تشریف لانے کی التجاء کی تھی۔ نانا نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ ان حالات میں دنیا کون سی طاقت حسین کے عزم میں لغزش پیدا کر سکتی تھی۔

کربلا میں حضور نے امتحان دیا

کربلا کے دشتِ لالہ زار میں امتحان دینے والے بھی مصطفیٰ ہیں اور امتحان دلوانے والے بھی مصطفیٰ۔ پھر اس امتحان میں کس طرح کمی رہ سکتی تھی۔

جس معلم نے تعلیم دی ہو، اگر وہی ممتحن بن کر آئے تو پھر پرچے کتنے آسان ہو جاتے ہیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا !
میرے حسین ہم ہر مقام پر تمہارے ساتھ رہیں گے۔ کسی بھی قسم

کے اضطراب کی ضرورت نہیں۔ نہایت صبر و سکون سے اپنے فرائض کی تکمیل کرو۔

کل تم منصب شہادت سے سرفراز کر دیئے جاؤ گے۔ اور پھر ہمیشہ کے لیے جدائی ختم کر دی جائے گی۔ پانی نہ ملنے کی شکایت نہ کرنا میرے بیٹے، تم اور تمہارے ساتھی کل اپنا روزہ میرے ساتھ افطار کریں گے۔

کتنی روح پرور اور حسین ملاقات تھی۔ جوش و مسرت سے امام علی مقام کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے بعد آپ تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے۔ اور اب !

نماز ادا ہو رہی ہے

تہجد کا وقت ہو چکا تھا۔ امام عالی مقام نے نوافل ادا فرمائے، ذکر اذکار کے بعد حضرت علی اکبر کو اذان کے لیے حکم فرمایا۔ شبیبہ مصطفیٰ نے اذان کہی، امام الوقت امام حسینؑ نے فرائض امامت ادا کیے۔ اللہ والی جماعت نے اقتداء میں نماز پڑھی۔

سامنے یزیدی فوج کی تلواری چمک رہیں تھیں۔ اور نماز محبت ادا ہو رہی تھی۔ فرشتے جھوم اٹھے اور اس عظیم نماز کا اجر جمع کرنے کے لیے جھولیاں پھیلا دیں۔ آواز سروش آتی ہے۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نماز حق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

جنگ کی تیاریاں

امام عالی مقام کے ساتھی حاضر خدمت ہیں۔ آپ نے خیموں کا مشاہدہ فرمایا، حسب الحکم سب کچھ درست کر دیا گیا۔ خیمے ساتھ ساتھ کر کے طنائوں میں طنائیں ملا دی گئیں تھیں۔ اور خیموں کے ساتھ ساتھ خندق کھود کر خشک لکڑیوں سے بھری گئی تھی۔ اب سپہ سالارِ اعظم کا نواسہ اور فوجِ خیبر کا بیٹا اپنی عسکری صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا ہے۔

لشکرِ حسین کی ترتیب

آپ کے ساتھ اگرچہ گنتی کے چند ساتھی تھے لیکن آپ نے ان چند افراد پر مشتمل اس چھوٹے سے لشکر کو اس طرح ترتیب دیا جس کی مثال پوری تاریخِ عالم نہیں پیش کر سکتی۔ آپ کے ساتھ بہتر جانباڑ تھے جن میں بتیس سوار تھے اور چالیس پیادے۔ آپ نے ایک جانب حبیب بن مظاہر اور دوسری جانب زہیر بن قین بجلی کو سالارِ لشکر مقرر کیا اور حق و صداقت کا حسینی پرچم حضرت عباس ابن علی کو مرحمت فرمایا۔ جب یہ ملکوتی لشکر ترتیب دیا جا چکا تو آپ نے تحیۃ امامت کے لیے تیم فرمایا۔ اور خود بھی میدان میں تشریف لے آئے۔

میدان قیامت

امام عالی مقام نے میدانِ کربلا کو دور تک دیکھا۔ تاحدِ نگاہ یزیدی فوجوں کا سیلاب نظر آیا پھر اپنے گنتی کے چند ساتھیوں کی طرف دیکھا اور بارگاہِ خداوندی میں ہاتھ اٹھا دیئے اور عرض کیا۔

اے خداوندِ قدوس! حسینؑ اپنی بے بضاعتی کے ساتھ حاضر دربار ہے اسے استقامت فرما۔

یا اللہ! یہ تیرے چند غلام تیرے نام کی عظمت کے پرچم بلند کرنے کے لئے اُٹھے ہیں۔ انہیں صبر کی توفیق دینا۔

اے میرے خالق و مالک! حسینؑ اس زبردست امتحان میں تیرے فضل و رحمت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یا اللہ! مجھ پر فضل و رحمت فرما۔

الہی میں تیرے محبوب کی زلفِ عنبریں کا واسطہ دیتا ہوں مجھے دنیا کے ان ظلمت کدوں میں روشنی کا مینار بنا دے۔

خداوند! تیرے دربار میں شبیر حاضر ہے
میری گردن برائے خنجر و شمشیر حاضر ہے

تیرے دربار میں اک التجاء شبیر کرتا ہے
الہی! استقامت کی دعا شبیر کرتا ہے

خُداوند! مجھے اس امتحان میں کامیابی دے
حضورِ سرورِ عالم میں شرفِ باریابی دے

﴿علامہ صائم چشتی﴾

امام عالی مقام نے فرمایا

اس دعا کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے
قرآنِ مقدس کی یہ آیت تلاوت فرمائی:-

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ
اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ

ترجمہ!

کہ بارہا کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ گروہ
پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے
اور پھر فرمایا کہ غالب آنے کا انحصار زندگی اور موت پر نہیں۔ غلبہ
یہی ہے کہ گردن کٹتی ہے تو کٹ جائے لیکن حق و صداقت کے پرچم کو سرنگوں
نہ ہونے دیا جائے چند لمحوں کی مہمان عارضی زندگی کو راہِ خدا پر قربان کر کے
ابدی حیات کے مالک بننے کا نام ہی غالب آنا ہے۔

غالب وہی ہے! جو ظلم و ستم کے ہر وار اپنے سینے پر روکے۔

غالب وہی ہے! جو میدان سے پشت پھیر کر نہ دوڑے۔

غالب وہی ہے! جو حق و صداقت کے تحفظ کے لئے قلت و کثرت

کی پرواہ کیے بغیر اپنی جان کی بازی لگا دے۔

غالب وہی ہے! جو صبر و استقامت کا پیکر بن کر باطل کے سامنے
ڈٹ جائے۔

غالب وہی ہے! جو ہر مصیبت کو پوری رضا مندی سے قبول کر لے۔
غالب وہی ہے! جو ظلم و جبر کے طوفانوں کے سامنے صبر و شکر کی
چٹان بن جائے۔

غالب وہی ہے! جس کا سینہ زخموں سے چھلنی ہو مگر حرف شکایت
زبان پر نہ آئے۔ اور انشاء اللہ غالب رہیں گے۔ فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔
ہم جانیں دے کر بھی انشاء اللہ فتح قرار پائیں گے ہر حالت میں فتح ہماری
ہوگی اس لئے کہ ہم حق پر ہیں اور حق ہمارے ساتھ ہے۔

اور پھر آپ نے فرمایا کہ خیموں کے پیچھے خندق کی لکڑیوں کو آگ
دے دو۔ تاکہ عقب کے حملہ کی روک ہو جائے گی اور خیموں کی بھی حفاظت
ہو جائے گی۔ امام عالی مقام کے حکم سے لکڑیوں کو آگ لگا دی گئی۔

یزیدی فوج اور حُسینی لشکر

جنگ بدر ہوئی تو لشکرِ کفار کی تعداد ایک ہزار اور سپاہِ مصطفیٰ کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ تین گنا فوج سے ٹکرانا بھی بہت بڑی بات ہے۔ لیکن کربلا کے میدان میں شہزادہ مصطفیٰ کے مقابلہ میں آنے والے شریرانِ اُمت کی تعداد تین سو گنا زیادہ تھی۔ بہتر کے مقابلہ میں بائیس ہزار ایک کے مقابلہ میں تین سو۔ تاریخِ عالم میں ایک بھی ایسی مثال موجود نہیں کہ فوجوں کی تعداد کی نسبت سے باقاعدہ جنگ لڑی گئی ہو۔ اقبال تعداد کی اس کثرت کا یوں موازنہ کرتے ہیں۔

دشمنان چوں ریگ صحرا لا تُعد
دوستانِ اوبہ یزداں ہم عدد

یزداں کے عدد بھی بہتر ہیں

بحسابِ ابجد یزداں کے عدد بھی بہتر ہیں اور امامِ عالی مقام کے ساتھیوں کی تعداد بھی بہتر تھی۔ معتبر روایت کے مطابق امامِ عالی مقام کے جسدِ اطہر پر تیروں اور تلواروں کے تہتر زخم تھے اور ان کی تعداد دل کے زخموں

کے برابر تھی۔ ہر ساتھی کی شہادت کا ایک ایک زخم قلبِ حسینؑ کو بھی مجروح کرتا تھا۔ بہتر زخمِ جوانوں کے ذبح ہونے کے تھے اور بہتر واں زخمِ ایک معصوم بچہ کی شہادت کا تھا۔ وہ معصوم بچہ جو پانی کے چند قطرے چاہتا تھا مگر اُسے زہر میں بجھا ہوا تیر ملا۔

یزدان کے عدد بہتر ہیں۔ قوتِ یزدان کا ظہورِ حسینؑ کی طرف تھا یہی وجہ تھی کہ حق و باطل کا یہ معرکہ باقاعدہ طور پر قائم ہوا۔ ورنہ اتنی کثیر تعداد تو چند لمحوں میں اتنے آدمیوں کو کاٹ کر پھینک سکتی ہے ان حالات میں باقاعدہ جنگ اور مقابلہ تلخیر خیز اور حیرت انگیز ہے۔

مجاہد حیدر ان ہے

منورِ خِ انگشتِ بدنِ داں رہ جاتا ہے اور اس کو یک طرفہ کاروائی میں بھی ابنِ حیدر کرار نے قوتِ خیبر شکن کا پورا پورا مظاہرہ فرمایا ہے اور کوئی ہوتا تو ان مایوس کن حالات میں دم گھٹ کر مر جاتا مقابلہ کسی اور شخص سے ہوتا تو یزید کی اتنی بڑی فوج اپنا ایک شخص قتل کرائے بغیر اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی۔

مگر ان کا مقابلہ حسینؑ سے تھا۔ اس امامِ حسینؑ سے جس کے سینے میں محمد عربیؐ کا نور جلوہ بار تھا جس کی رگوں میں حیدر کرار کا خون گردش کر رہا تھا اور جس کے خون میں فاطمہ کے دودھ کی غیرت اور طہارت رچی ہوئی تھی

کون امام حسین؟

خون سے جس کے بنائے شرع حُکم ہو گئی
جس کی قربانی سے تعظیمِ دو عالم ہو گئی

بزمِ باطل جس کا نعرہ سُن کے برہم ہو گئی
جس کی خونی آستیں ملت کا پرچم ہو گئی

جس کی قربانی سے باطل کا کلیجہ کٹ گیا
سامنے تھا جو ہزاروں کے اکیلا ڈٹ گیا
﴿صائمِ چشتی﴾

یزید کے ہمنواؤں کی جھوٹی تحقیق

یزید کے ہمنوا بھی یہیں پر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ وہ اپنی نام نہاد
تاریخی ریسرچ کے ساتھ ساتھ یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ واقعہء کربلا
افسانہ نگاروں کا تخیل ہے

جس میں خواہ مخواہ حسین کے ساتھیوں کو ہیرو بنا کر پیش کیا گیا
حالانکہ سپاہِ شام نے انہیں چند ہی لمحوں میں ختم کر دیا تھا۔ مگر یہ محقق صاحبان
بھول جاتے ہیں کہ سپاہِ یزید سے لکرانے والا فاتح خیر حیدر کرار کا بیٹا حسین

تھا۔

مقام امام حسینؑ

کون امام حسینؑ؟ جس نے تلواروں کی جھنکار کے پس پردہ مسکراتی ہوئی ابدی زندگی کا پردہ اٹھا دیا۔ جس نے عروسہ شہادت کے حسن و جمال جہاں آرا کو بے نقاب کر دیا۔ جس نے موت کے گھونگھٹ میں چھپی ہوئی حیاتِ سرمدی سے پردہ اٹھا دیا جس نے دنیا والوں کو ہمیشہ زندہ رہنے کا سلیقہ سکھا دیا اور آشکارا کر دیا۔

لاکھ اُبھرے پر کبھی باطل اُبھر سکتا نہیں
موت سے بھی زندہ و جاوید مر سکتا نہیں

﴿مغیثِ فریدی﴾

کون امام حسینؑ؟ جس کا دعویٰ تھا کہ حکومت کی پابنداری کا راز روحوں پر حکومت کرنے میں ہے جسموں پر نہیں اور پھر اُس نے اپنے اس عظیم دعویٰ کی دلیل بن کر دنیا والوں کو بلا کے میدان میں دکھا دیا یزید نے حکومت کرنے کے لئے جسموں کا سہارا لیا تھا۔

امام کی حکومت قائم رہے گی

یزید مر گیا تو اس کی حکومت بھی مر گئی۔ حسین ملکِ روحانیت کے تاجدار تھے۔ آپ کی سلطنت کا دار و مدار مملکتِ ارواح پر تھا۔ اور پھر آپ کا

جسم نازنین کٹ جانے پر بھی اُن کی حکومت مومنوں کے قلوب و ارواح پر
تابد الا با د قائم و دائم ہے یزید کا خیال تھا کہ میرے ظلم و جبر کی تلوار انسان کامل
کا گلا کاٹ دے گی تو انسانیت مر جائے گی۔ مگر خونِ حسینؑ کا پیغام تھا:-

ظلم سے انسانیت مجروح ہو سکتی نہیں
جسم ہو سکتا ہے فانی روح ہو سکتی نہیں

﴿مغیث فریدی﴾

کون امام حسینؑ؟ جو مینارِ نور اور پیکرِ استقلال ہے۔ مجسمہ
استقامت اور شانِ ربِّ ذوالجلال ہے
کون حسینؑ؟ جس کا عشق بھی بے مثال ہے جس کی قربانی بھی بے
مثال ہے اور عزم بھی بے مثال۔ جس کی قوت قوتِ لایزال ہے اور جس کا
کارنامہ لا فانی و لازوال ہے۔

ہاں اب بھی جو مینارِ عظمت ہے وہ حسینؑ
اب بھی جو محورِ درسِ شہادت وہ حسینؑ

جس کی نگاہ مرگِ عداوت ہے وہ حسینؑ
آدم کی جو دلیلِ شرافت ہے وہ حسینؑ

واحد جو اک نمونہ ہے ذبحِ عظیم کا
اللہ رے انتخابِ خدائے حکیم کا

﴿جوش﴾

کون حسین؟ جو تین دن کا پیاسا ہے مگر ساقیءِ کوثر و تسنیم ہے۔ جو
ریگ زارِ کربلا میں ذبح ہو رہا ہے۔ مگر وارثِ خلدِ نعیم ہے۔ جس کی قربانی
تفسیرِ ذبحِ عظیم ہے۔

جو خاک و خون میں لتھڑا ہوا بھی لائقِ تعظیم ہے۔ جس کا احترام
احترامِ رسولِ کریم ہے۔ جس کی شانِ شانِ رؤفِ الرحیم ہے۔ جو جنت و کوثر
کا تقسیم ہے اور کربلا کے طور کا کلیم ہے۔ کون حسین؟

جس نے سمجھایا کہ شانِ آمریت کچھ نہیں
قوتِ حق کے علاوہ اور قوت کچھ نہیں

دل غنی ہے گر تو یہ دولتِ حکومت کچھ نہیں
ذہن کا اک خوشنما دھوکہ ہے عشرت کچھ نہیں

﴿مغیث﴾

خون ہے جس نے تحریر اس عنوان کو
جان دیکر بھی بچالو غیرتِ ایمان کو

﴿صائمِ چشتی﴾

کون حسینؑ؟ جس کے خون کا ہر قطرہ اعلان کر رہا تھا۔

جان دیتا ہے مسلمان وعدہ دیدار پر
قص کرتا ہے مجاہد تیغ کی جھنکار پر

﴿مغیث الدین فریدی﴾

کون حسینؑ؟ جو معلم انسانیت اور روح انسانیت ہے جو شان
انسانیت اور فخر انسانیت ہے۔

کون حسینؑ؟ جو مرکز ہدایت اور پیغمبرِ عشق ہے

کون حسینؑ؟ جو مزاج شناس قدرت اور رازدارِ مشیت ہے۔

کون حسینؑ؟ جس کا خمیرِ نبوت اور جس کا خمیرِ ضمیر رسالت ہے۔

جو صاحبِ مزاجِ نبوت ہے وہ حسینؑ

جو وارثِ ضمیرِ رسالت ہے وہ حسینؑ

جو واقفِ اشارہٴ قدرت ہے وہ حسینؑ

جس کا وجود فخرِ مشیت ہے وہ حسینؑ

غازہ ہے جس کا خون رُخِ کائنات کا

ہر قطرہ کوہِ نور ہے تاجِ حیاتِ کائنات کا

﴿جوش﴾

کون حسین؟ جو شرافت کی جان اور امامت کا نور ہے جس کا نقش
قدم عاشقوں کا طور ہے۔

کون حسین؟ جس کے سر اقدس پر امامت کا تاج ہے۔ زیر خنجر جس
کی معراج ہے۔ زمانہ جس کا محتاج ہے اور وہ خود لا محتاج ہے اشکوں کے
موتی جس کا خراج ہے۔ روحوں پہ جس کا راج ہے۔ غریبوں کی جس کو لاج
ہے۔ جو معرفت کا سرتاج ہے اور امت کا سرتاج ہے۔

کون حسین؟ جس کا ضمیر بھی غیور تھا اور قلب بھی غیور تھا جس کی
روح بھی غیور تھی اور جسم بھی غیور تھا۔ جس کی نگاہوں میں غیرت کی بجلیاں
تھیں۔ جس کے سینے میں غیرت کا بحر بیکنار تھا۔ کون حسین؟

عزت پہ جس نے سر کو فدا کر کے دم لیا
حق کو ابد کا تاج عطا کر کے دم لیا

صدق و منافقت کو جدا کر کے دم لیا
جس نے یزیدیت کو فناء کر کے دم لیا

﴿جوش﴾

ضو لے کے جس کے خون کے ذرے دم گئے

ظلمت کا حلقہ توڑ کے ایماں چمک گئے

﴿صائم چشتی﴾

کون حسینؑ؟ جس نے رُوحِ اسلام کو کفر و الحاد کے شکنجے میں جکڑا ہوا دیکھا تو اُسے آزاد کروانے کے لئے حجرہٴ بتول سے کربلا میں آگیا۔

کون حسینؑ؟ جو روزانہ تین ہزار نوافل ادا کرتا تھا۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ حجرہ کے بجائے پتے ہوئے میدان میں سجدہ ریزی کا وقت آگیا ہے تو وہ مدینہ کی بہاروں کو چھوڑ کر دشتِ نبیوا میں آگیا۔

کون حسینؑ؟ جس نے معبودِ برحق کے حضور میں شبِ دروز سجدے کیے اور اب اُن لاکھوں سجدوں کا حاصل وہ سجدہ کرنے کے لئے بے قرار ہو گیا جو تلوار کے نیچے گردن رکھ کر ہی ادا ہو سکتا تھا۔

سجدہ عشق و محبت

ہاں ہاں وہی سجدہٴ عشق و محبت جس میں کیفِ دہا بھی ہے اور لذتِ وصال بھی وہی سجدہٴ شوق جس سے لذتِ اندوز ہونے کے لئے گرمیوں کی آگ برساتی ہوئی دوپہر میں بجائے آبِ خنک کے آبِ نچ سے گردن پر مسح کرنا پڑتا ہے

اور بجائے ٹھنڈے پانی کے اپنے ہی خون میں لتھڑی ہوئی گرم گرم ریت سے تیمم کرنا پڑتا ہے۔

سر کٹا کے سجدہ میں کی شرح والسجدہ واقرب
کتنی ارفع ہے جناب ابنِ حیدر کی نماز

﴿نور۔ ایم۔ اے﴾

کون حسینؑ؟ جس کے بھائی عباس علمدار کے کٹے ہوئے بازو
پتوار بن کر امت کی ذوقی ہوئی کشتی کو کنارے پر لے آئے۔

کون حسینؑ؟ جو کل بھی زندہ تھا، آج بھی زندہ ہے اور قیامت تک
زندہ رہے گا۔

کون حسینؑ؟ جس کے سامنے دشمنوں کے ہزاروں سپاہی صفیں
باندھے کھڑے ہیں۔ لیکن وہ بغیر کسی اضطراب و اضطراب کے اپنے چند
ساتھیوں کی صفیں آراستہ کر چکا ہے اور خیموں کے پیچھے کھودی ہوئی خندق میں
لکڑیوں کو آگ دے چکا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

جہنمی جہنم میں

آگ کے شعلے بلند ہوئے تو یزیدی فوج سے ایک لعنتی مالک بن عروہ آگے بڑھا اور بلند آواز سے پکارا حسین! تمہیں آخرت میں تو جہنم میں جانا ہی تھا اس دنیا میں ہی اپنے لئے جہنم تیار کر لیا ہے ﴿معاذ اللہ﴾

امام عالی مقام نے فرمایا! کذبت یا عدو اللہ او دشمن خدا تو جھوٹ بولتا ہے۔ ظالم تو یہ گمان کرتا ہے! کہ حسین دوزخ میں جائے گا اور تو بہشت میں ابھی آپ نے یہی جملہ کہا تھا کہ آپ کے ساتھیوں میں سے حضرت مسلم بن عوشجہ نے تلوار کھینچ لی اور اس شقی اور بد بخت کی طرف جانے لگے۔ آپ نے فرمایا مسلم! رک جاؤ۔ میں نواسہ رسول ہوں، میں حیدر کرار کا بیٹا ہوں، میں اپنی طرف سے جنگ کی پہل نہیں کروں گا۔

اور پھر امام عالی مقام علیہ السلام نے قبلہ کی طرف رخ فرما کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا۔

اللهم اخذه الى النار

یا اللہ مالک بن عروہ کو آگ کی طرف کھینچ لے۔ امام عالی مقام کے یہ الفاظ تھے یا قہر و غضب کی بجلیاں جو ایک دم مالک بن عروہ پر ٹوٹ پڑیں

دعوة المظلوم اجابہ دعائے مظلوم تھی نور اباب اجابت سے نگرانی۔

مالک بن عروہ کا گھوڑا ڈر کر بھاگ اٹھا وہ اپنے دھیان میں اوپر بیٹھا تھا لگام پر ہاتھ مضبوط تھے۔ گرنے لگا تو زین کو مضبوطی سے پکڑ کر اوپر لیٹ گیا گھوڑا ادھر ادھر میدان میں بھاگتا رہا اس نے چاہا کہ چھلانگ لگا دوں لیکن پاؤں رکاب میں الجھ گیا۔ ہمت سے کام لیکر پاؤں نکالنے کی کوشش کی تو اس وقت اسی آگ تک پہنچ چکا تھا۔ جو خیموں کے پیچھے امام نے جلارکھی تھی۔ اب کیا تھا بے سدھ تو ہو ہی چکا تھا آگ میں گرنا اور اصل جہنم ہو گیا گھوڑا بھاگتا ہوا پھر واپس ہو گیا۔

اس لعین کا یہ حشر دیکھا تو امام عالی مقام نے سجدہ شکر ادا کیا اور پھر بلند آواز میں فرمایا یا اللہ ہم تیرے رسول کی اہل بیت اور اہل بیت ہمارے ظالموں کے مقابلہ میں دادرسی فرما یریدی فوج کے ہر اول دستہ نے بھی آپ کی گفتگو سنی ابن اشعث یریدی نے کہا حسین (علیہ السلام) تمہیں رسول خدا سے کیا نسبت ہے جو روقت اولاد رسول ہونے کی لاف زنی کرتے ہو۔

امام عالی مقام نے فرمایا یا اللہ! کیا میں تیرے رسول کا نواسہ نہیں ہوں؟ یہ شریر تیرے محبوب سے میرا نسب منقطع کرتا ہے اسے ذلیل و خوار فرما چشم زدن میں التجائے حسین علیہ السلام بارگاہ خداوندی میں پہنچ گئی ابن اشعث کو پیشاب کی حاجت ہوئی گھوڑے سے چھلانگ لگا کر رفع حاجت کو گیا تو سیاہ بچھونے ایسے مقام پر نیش زنی کی کہ اگر زندہ بھی رہتا تو اس کا سلسلہ نسل منقطع ہو جاتا مگر وہ اس زہر کی تاب نہ لا کر فوراً ہی اصل جہنم ہو گیا۔

خطبہ امام، اتمام حجت

امام عالی مقام علیہ السلام نے یزیدی لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ میرے مقابلے میں آنے والو۔ جان لو!

ان ابن علی المطاہر من آل ہاشم

کفانی بهذا مضحرجین و افخر

اے اہل عراق ہم تمہیں قسم دیتے ہیں اگر ہم سچ کہیں تو سچ کہہ دینا اور اگر جھوٹ ہو تو جھوٹ کہہ دینا۔ سنو! اچھی طرح کان کھول کر سن لو پھر نہ کہنا کہ ہمیں احساس نہ دلایا گیا۔

میں اس رسول کا نواسہ ہوں جس کا تم کلمہ پڑھتے ہو مجھ کو اس مقدس رسول نے اپنا بیٹا کہا ہے۔

جس کی امت ہونے کے تم دعوے دار ہو میں اس ماں کا بیٹا ہوں جس کو رسول خدا نے اپنا نکلڑا کہا ہے۔

اور سیدۃ النساء العالمین فرمایا ہے۔

میرے باپ کا نام حیدر کرار ہے۔

وہی حیدر کرار جس کو تم اپنا روحانی پیشوا مانتے ہو۔

جس کے ہاتھوں پر تم نے بیعت کر رکھی ہے۔

ہاں ہاں! وہی حیدر کرار! جس کو رسول اللہ نے اپنی جان کہا ہے۔

جس کے خون کو اپنا خون اور جس کے گوشت کو اپنا گوشت کہا ہے۔

میری رگوں میں اسی حیدر کرار کا خون ہے۔
 اور میں حسین ہوں، جس کو رسول خدا نے اپنی خوشبو فرمایا ہے۔
 اپنے گلشن کی بہار کہا ہے۔
 نوجوانان جنت کا سردار کہا ہے۔

اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔
 اور ہاں! میں وہ ہی حسین ہوں جس کو تم نے سینکڑوں خطوط لکھ کر
 بلوایا ہے۔ پھر آپ نے نام لے کر مخاطب فرمایا کہاں ہے ابن صرد، کہاں ہے
 مختار ثقفی، کہاں ہے رعاء بن شداد، کہاں ہے عارب رقار، کہاں ہے شیث
 ربیع، کدھر ہے عمرو بن سعد، کہاں ہے عمرو بن الحجاج، کہاں ہے عبدالرحمن
 بن مخنف، کہاں ہے میثب فرازی، کہاں ہے طارق اعش اور کہاں ہے فلاں
 ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں۔

آؤ اور مجھے سامنے آ کر جواب دو کہ میں نے سچ کہا ہے یا جھوٹ؟
 اگر سچ کہا ہے تو پھر بتاؤ کہ تم بدل کیوں گئے! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرے
 سر پہ امام الانبیاء کی دستار ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میری گردن میں حیدر
 کرار کی تلوار جمائل ہے! کچھ تو جواب دو تمہاری زبانیں کیوں گنگ ہو گئیں۔
 ظالمو! تم نے تو اپنے خطوط میں مجھے اپنا امام تسلیم کر لیا تھا تم اب
 اندھے کیوں ہو گئے ہو۔ کوئیوں کے سر شرم و ندامت سے جھک گئے، یہ
 ندامت نہیں ڈھٹائی اور بے حیائی تھی۔ ایک آواز آئی حسین تم جھوٹے ہو،

فرمایا!

لعنت الله على الكاذبين۔

کسی نے کہا حسین اپنی بات ختم کرو کیوں مغز چاٹ رہے ہو۔

آپ نے فرمایا الحمد للہ! حسین نے اتمام حجت کا حق ادا کر دیا۔

آپ جانتے تھے

امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ ایک گروہ پیدا ہوگا جو کوفیوں کو
بری الذمہ قرار دینے کی کوشش کرے گا یہ اتمام حجت اس لئے تھا کہ آئندہ
نسلیں تاریخ کو مسخ نہ کر سکیں۔

jabir.abbas@yahoo.com

حق و باطل کی جنگ

شروع ہو جاتی ہے

آپ نے خطبہ ختم کیا تو عمرو بن سعد آگے بڑھا اور کہنے لگا۔
 حسین! ان خطبوں اور بے فائدہ یاد دہانیوں کو چھوڑو کام کی بات کرو یا
 تو زید کی بیعت اور ابن زیاد کی اطاعت کو اور یا پھر جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ
 تاکہ میں تمہیں قتل کر کے اپنا انعام حاصل کر سکوں۔
 پھر ابن سعد نے اپنی فوج کو مخاطب کر کے کہا کہ تم ابن زیاد امیر کے
 سامنے گواہی دو گے کہ حسین کی طرف پہلا تیر چلانے والا ابن سعد تھا۔
 اور پھر اس نے تیر کمان میں رکھا اور شہزادہ رسول کی طرف چلا دیا۔
 تیر خطا گیا۔

امام عالی مقام نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر خدا کا
 غضب ہو کہ انہوں نے عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کے بیٹے مان
 لیا اور اپنے پیغمبروں کی شان میں غلو کی حدوں سے بھی بڑھ گئے مگر افسوس
 ہے کہ تم اس قدر پستی کی طرف آگئے کہ اپنے پیغمبر کے بیٹے کو ذبح کر دینا
 چاہتے ہو۔

کر بلائے معلیٰ میں امام عالی مقام کی طرف پہلا تیر چلانے والا

ابن سعد تھا۔

سعید باپ کا شتی بیٹا، جنتی باپ کا جہنمی بیٹا،

پہلا پہلا تیر

اسے اتفاق کی بات کہہ لیجئے یا اسرار الہیہ کا نام دے لیں اس کے باپ کا نام سعد بن ابی وقاص ہے جنگ احد میں کفار کی طرف پہلا تیر انہی نے چلایا تھا کون سعد ابن وقاص! جس کی کمان میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پکڑائے ہوئے تیر چلتے تھے، سعد کے ہاتھ میں کمان تھی۔

امام الانبیاء کے ہاتھ میں تیر تھے آپ تیر پکڑا کر فرماتے کہ سعد تجھ پر میرے ماں باپ قربان! کفار پر تیر چلاؤ۔

پھر تیر کیسے خطا ہوتے، سعد رسول اللہ کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے تھے دشمنوں کی طرف سے رسول اکرم پر برسائے جانے والے تیروں کو اپنے سینے کی ڈھال پر روکتے وہ مقدس کمان جس میں رسول اکرم کے پکڑائے ہوئے تیر چلتے تھے آج بھی مدینہ منورہ میں عشاق کی زیارت کے لئے موجود ہے۔ زائرین دیکھتے ہیں اور اپنے قلوب کو منور کرتے ہیں سعد ابی وقاص کی عظیم یادگار کے ساتھ ساتھ یہ منورہ کی دو اور بھی عظیم یادگاریں رکھی ہوئی ہیں۔

ایک قرآن مجید جو حیدر قرار کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ہے اور ایک لکڑی

کا ہوڑا ہے جناب سیدہ فاطمہ الزہراء کے دروازے کا۔
یہ تینوں چیزیں ایک ہی مقام پر کیوں جمع ہیں؟ یہ اہل وجدان و محبت
ہی خوب جانتے ہیں۔ یہ ایک نکتہ تھا جو ہم نے پیش کر دیا۔
یہ ایک لطیف اشارہ ہے جسے سمجھنے والے سمجھ جائیں گے۔

کر بلا میں دیکھیں

اب کر بلا میں آئیں ادھر سعد بن ابی وقاص کا بیٹا عمرو بن سعد ہے
اس نے بھی پہلا تیر چلایا ہے مگر نواسہ رسول پر۔ باپ نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنے والے تیروں کو اپنے سینے پر روکا اور بیٹے نے اپنا
تیر جانے رسول پر چلایا۔
یہ قدرت کی تقسیم ہے۔

فطرت کے اسرار و رموز ہیں۔

مشیت کی نیرنگیاں ہیں جنہیں سمجھ لینا نہایت مشکل ہے۔

حُر حسین کے قد موں میں

امام عالی مقام نے خطبہ ختم فرمایا تو حُر کی آنکھوں میں پڑے ہوئے غفلت کے پردے اتر گئے دل کی دنیا میں آ گیا حقیقت بے نقاب ہو گئی۔
نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جملہ دل کی گہرائیوں میں اتر چلا گیا اور ضمیر جاگ اٹھا۔ حُر گھوڑے پر بیٹھا ہوا بار بار پہلو بدلتے لگا حُر کے ساتھیوں نے یہ حالت دیکھی تو اس کے بھائی مصعب بن رباحی نے کہا بھائی جان آپ اتنے خوفزدہ کیوں ہیں آپ کی شجاعت اور بہادری پر تو بڑے بڑے جنگجو رشک کرتے ہیں آپ کی تلوار کا پورے عراق اور شام میں شہاہ ہے اور آپ کی سپہ گری کا بڑے بڑے بہادر لوہا مانتے ہیں پھر اضطراب کیسا اور یہ اضطراب کیفیت کیوں ہے؟

کیا آپ موت سے ڈر گئے ہیں؟

حُر نے کہا، نہیں! میں موت سے نہیں ڈرتا میں جہنم کے ان شعلوں سے ڈرتا ہوں جس کی لپیٹ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کے دشمن آنے والے ہیں پھر اوس مرد حق پرست نے گھوڑے کو تازیانہ لگا دیا جب عمر بن سعد کے قریب سے گذار تو کہا۔

ابن سعد! خدا کا خوف کرو اور جہنم کی اس آگ سے ڈرو جو تمہیں قتل حسین علیہ السلام کی طرف جارہا ہو۔ جنت کی خواہش ہے تو میرے سا

تھ آ جاؤ۔ لیکن ابن سعد کب یہ بات مانتا ہے اسے تو رے کی حکومت حاصل کرنا تھی یہ مختصر پیغام دینے کے بعد خرگھوڑا دوڑتا ہو چشم زدن میں امام ع الی مقام کے سامنے تھا گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور امام کے قدموں میں گر پڑا۔

شہزادہ رسول نے پوچھا حاکم کیوں آئے ہو؟

عرض کیا آقا آپ ہی نے تو بلایا ہے۔

پوچھا کیا چاہتے ہو؟ عرض کیا اپنے جرم و گناہ کی معافی یا امام الوقت میں نے بڑا جرم کیا۔ شہزادہ کو نین میں گنہگار ہوں آپ پر یہ سم مصیبت میری ہی وجہ سے آئی ہے۔

حضور! میں بہت بڑا خطا کار ہوں میں نے آپ کے قافلے کو روکا تھا آپ کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا تھا۔

اے جگر گوشہ بتول! میں نہیں جانتا تھا کہ یہ لوگ اس قدر سنگدل ہو جائیں گے مجھے یقین تھا کہ یقیناً کوئی پر امن حل تلاش کر لیا جائے گا۔ اے ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری توبہ قبول کی جائے میرے گناہوں کی معافی دی جائے میری خطاؤں سے چشم پوشی فرمائی جائے میرے گناہوں کو بخش دیا جائے میرا قصور معاف کر دیا جائے آپ کریم ابن کریم ہیں مجھ پر کرم فرمایا جائے۔ نواسہ رحمۃ اللعالمین نے فرمایا خرا! ہم تمہیں سب کچھ معاف کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ تیرے دوسرے گناہوں سے بھی

درگزر فرمائے تو نے تو ہمیں موقعہ دیا تھا کہ ہم تمہارے لشکر کی زد سے نکل جا سکیں اور یہ تیری خطا کا کفارہ تھا مگر ہمیں تو ہر حالت میں اسی مقام پر آنا تھا اور تمہیں بھی یزید یوں کر آنا ہی جانا تھا۔

حُر! ہم نے تمہیں خاص نگاہوں سے دیکھا تھا اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے انسان جب سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو خدائے رحیم و کریم اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔

وہو الذی یقبل التوبۃ عن عباده ویعفو

jabir.abbas@yahoo.com

شبیر کے سپاہی

اب جنگ باقائدہ شروع ہو چکی ہے یزیدی فوج سے تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ امام مظلوم کے ساتھی ڈھالیں بن کر آپ کو گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔

قوم اشقیاء سے ابن زیاد کے دو غلام یسار اور سالم میدان میں آتے ہیں امام کی طرف سے عبداللہ بن عمیر نکلے۔ ابن زیاد کے دو غلاموں نے کہا ہم نہیں جانتے کہ تم کون ہو۔ واپس جاؤ اور ہمارے مقابلے میں زہیر بن قین یا حبیب ابن مظاہر کو بھیجیو۔

عبداللہ بن عمیر غضبناک ہو گئے۔ غصہ سے یسار کو مخاطب کیا۔ اوبد کار عورت کے بیٹے تم مجھے نہیں جانتے؟ تو میرے ساتھ لڑنا اپنی تو بہن سمجھتا ہے۔ میں شبیر کا سپاہی ہوں۔ پہلے مجھ سے لڑ لو پھر بڑے بڑے بہادروں کو بھی بلا لینا یہ کہا اور تلوار چلا دی تلوار بجلی کی طرح چمکی اور اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔

سالم نے ساتھی کا حشر دیکھا تو نیزہ تان کر وار کر دیا۔ عبداللہ نے ڈھال پر روکا دونوں طرف سے وار ہوتے رہے آخر سالم بھی واصل جہنم ہو گیا یزیدی لشکر کا پورا دستہ پہنچ گیا۔ شبیر کا اکیلا سپاہی تیغ و نشان کے جوہر دکھا رہا ہے عبداللہ کی بیوی امّ وہب بھی ساتھ تھی شوہر کو گھرے ہوئے دیکھا تو بے

قرار ہو گئی لکڑی کی لاٹھی اٹھائی اور میدان کی طرف دوڑی۔ عبداللہ نے لڑتے لڑتے اسے دیکھا تو زور سے چلائے۔ ام وہب واپس چلی جاؤ یہ عورتوں کی لڑائی نہیں ہے۔ لیکن وہ نہر کی۔ امام عالی مقام نے آواز دی ام وہب رُک جاؤ۔ ام وہب رُک گئی آپ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحمت کرے جہاد عورتوں پر فرض نہیں ہے واپس پلٹ جاؤ۔

عبداللہ دشمنوں میں پوری طرح گھر چکا تھا۔ تلواروں کی باڑھ آرہی تھی۔ اور یوں رینگزار کر بلا کا پہلا شہید داد شجاعت دیتے ہوئے جام شہادت نوش کر گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حسینی نیزے

عبداللہ بن عمیر کو شہید کر دینے کے بعد عمرو بن سعد کے بائیں بازو کے چند دستے حملہ آور ہوئے تو امام حسین علیہ السلام کے ساتھی زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور نیزے اٹھا دیئے۔

نیزوں کی انیاں سیدھی دشمن کے گھوڑوں کی گردنوں تک پہنچ جاتی تھیں کئی ایک گھوڑے زخمی ہو گئے اور فوج اشتیا آگے بڑھنے کے بجائے واپس لوٹ گئی اور پھر ایک کا مقابلہ ایک سے شروع ہو گیا۔

امام عالی مقام کا ایک ایک سیاہی اجازت طلب کر کے میدان میں

جابر باہے اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے۔

جابرؓ لڑکے

جابرؓ خاندان کے دو نوجوان امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ امام عالی مقام نے فرمایا ! ابن اخؓ کیوں روتے ہو۔ ابھی چند لمحوں بعد تم بھی چشمہ کوثر پر پہنچ جاؤ گے۔ انہوں نے روتے ہوئے ہی جواب دیا یا امام ہم اپنے لئے نہیں روتے ہمیں تو آپ کی مصیبت پر رونا آتا ہے۔

ہمیں تو اس بات پر رونا آتا ہے کہ دشمن نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ مگر ہم آپ کے کسی کام نہیں آسکتے کاش ہماری ہزاروں جانیں ہوتیں اور ہم بار بار آپ پر قربان ہوتے رہتے اس طرح شائد ان خوں خواروں کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جاتا اور آپ بچ جاتے۔

امام عالی مقام نے فرمایا ! میرے بیٹو اللہ تعالیٰ تمہیں اس نیک جذبے کی جزا عطا فرمائے ہم سب ایک ہی مقام پر جمع ہونے والے ہیں اور یہ مشیت الہیہ ہے جس کو ہر حالت میں تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے پھر انہوں نے میدان میں جانے کی اجازت مانگی امام عالی مقام نے خدا حافظ فرما کر اجازت فرمادی۔

دونوں نوجوان میدان میں آئے ایک ایک کو بلاتے رہے اور قتل

کرتے رہے۔ دشمن نے بہادروں کی تلوار کے جوہر دیکھے تو پورا دستہ بھیج کر گھیرے میں لے لیا حسینی سپاہیوں نے پوری جواں مردی سے سپاہیوں کے پورے دستے سے مقابلہ کیا وہ دشمنوں کا مقابلہ بھی کر رہے تھے اور بلند آواز سے اسلام علیکم یا ابن رسول اللہ بھی پکارتے جا رہے تھے۔ بالآخر جنموں پر تیروں اور تلواروں کے کئی زخم کھانے کے بعد جام شہادت نوش کر گئے۔

اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ ،

حضرت حظلہ کی شہادت

ان کے بعد حضرت حظلہ ابن اسعد امام عالی مقام سے اجازت طلب کر کے میدان جنگ میں آ گئے۔ میدان جنگ میں گھوڑا پھیرتے ہوئے قوم اشقیاء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، میں ڈرتا ہوں کہ تم پر قوم عاد و ثمود کی طرح عذاب نہ مسلط کیا جائے ابھی ابن رسول کے چند ساتھیوں کی جانیں راہ خدا پر قربان ہوئی ہیں ابھی ابن رسول اور آپ کا خاندان محفوظ ہے اور ابھی وقت ہے کہ تم خود کو عذاب الہی سے بچا لو یا درگھنا حسینؑ کو قتل کر کے تم جین کی زندگی بسر نہیں کر سکو گے۔

جناب حظلہ ابھی گفتگو کر رہے تھے کہ ان کے گرد کئی تیر سناٹے ہوئے آ کر گرے اور ساتھ ہی آواز آئی کہ تقریر ختم کرو۔

اس کے بعد مقابلہ شروع ہو گیا۔ شبیر کا سپاہی بڑی جوانمردی سے لڑتا رہا۔ اور دشمنوں کو داصل جہنم کرتا رہا۔ اور پھر کئی دشمنوں کو قتل کر کے شہید ہو گیا۔

اَنَا لِلّٰهِ وَاَنَا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اور سخت حملہ

لشکر یزید جلد از جلد اس جنگ کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ لوگ بڑھ بڑھ کر شدید حملے کر رہے تھے۔ ان کے لئے یہ خیال بھی پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا کہ ہماری تعداد اس قدر زیادہ ہونے کے باوجود ان چند لوگوں پر فتح یاب کیوں نہیں ہو رہی۔ اب انہوں نے پھر چاروں سمت سے زبردست حملہ کیا تھا۔ امام عالی مقام کے ساتھیوں نے اب گھوڑے چھوڑ دیئے اور پیدل ہو گئے۔ انتہائی زبردست معرکہ تھا۔

امام عالی مقام کے کئی ساتھی اس حملے میں کام آچکے تھے۔ تاہم یزیدیوں کا حملہ پسپا کر دیا گیا تھا۔ اس معرکہ میں جناب حبیب بن مظاہر، عمرو بن خالد، سعد مولیٰ و جبار بن حارث و مجح بن عبید اللہ کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

اب جنگ انتہائی شدید دور میں داخل ہو چکی ہے۔ امام عالی مقام کے بیشتر ساتھی جام شہادت نوش کر چکے ہیں جنہیں پسران عقیل اور حضرت

مسلم کے دو صاحبزادے بھی شامل ہیں۔ دو پہر بھی قریب آتی جا رہی ہے اور جنگ بھی شدید ہوتی جا رہی ہے۔

مسلم بن عو شجہ کی شہادت

جنگ پورے زور و شور سے جاری ہے دونوں دونوں جانب سے ایک ایک دو دو جوان میدان میں آتے ہیں اور تلوار کے جوہر دکھاتے ہیں مگر شہید علیہ السلام کے بہادروں کا رنگ جواں مردی کچھ اور ہی ہے۔ ان میں سے جو بھی جاتا ہے وہ کئی کئی یزیدیوں کو واصل جہنم کرنے کے بعد اس وقت شہید ہوتا ہے جب اسے فوج کے کئی دستے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں، بصورت دیگر اکیلے کے سامنے جو بھی آتا وہ ضرور قتل ہو جاتا۔

یزیدی سپہ سالار کی بے چینی

یزیدی فوج کے دائیں بازو کے سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے یزیدیوں کو زیادہ قتل ہوتے دیکھا تو زور زور سے چلانے لگا۔ احمقو! پہلے یہ تو اندازہ کر لو کہ تم کن لوگوں سے لڑ رہے ہو۔ یہ ابن حیدر کے ساتھی اور جان پر کھیلے ہوئے لوگ ہیں۔ ایک ایک کر کے ان سے مقابلہ کرتے رہو گے تو سب کے سب قتل ہو جاؤ گے۔

ایک کے مقابلہ میں ایک مت جاؤ اور اکتھے ہو کر بھرپور حملہ کر دو۔ یہ مٹھی بھر افراد ہیں تم تو ان کو پتھروں سے بھی مار سکتے ہو۔ عمرو بن سعد نے

بھی اس کی رائے کو پسند کیا اور مبارزت طلب کرنے سے فوج کو روک دیا اور اجتماعی حملے کا حکم دے دیا۔

مسلم بن عو شجہ کی شہادت

دشمن نے اگرچہ پوری قوت سے حملہ کیا تھا، مگر حسینیؑ جو انہوں نے بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ یزیدیوں کے چھکے چھوٹ گئے حسین علیہ السلام کے گنتی کے چند سپاہی سبسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح چٹان بن کر سامنے کھڑے تھے اور بھرپور حملہ کر دینے کے باوجود لشکر یزید کو پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ دشمن کی کی فوج پیچھے ہٹی تو ان کے مقتولین کے ساتھ ایک حسینیؑ جوان اور نامور بہادر حضرت مسلم بن عوشجہ بھی خاک و خون میں تڑپ رہے تھے شبیر علیہ السلام ان کے پاس پہنچے۔ چند سانس ابھی باقی تھے، آپ نے پُر حسرت نگاہوں سے دیکھا اور ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا!

میرے رفیق و ہمدرد اللہ تجھ پر انوار رحمت کی بارش کرے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

”مَنْهُمْ مَنْ قُضِيَ نَعْبِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظَرُ وَمَا
يَدْلُو اتَّبِدِيْلَاهُ

زہیر بن قین

اب دشمن کا باباں باز و حرکت میں آیا۔ دشمنوں کا مقابلہ اب زہیر بن قین

سے تھا۔ وہ اس سمت کے سپہ سالار تھے آپ کے ساتھیوں نے پوری جوانمردی سے یزیدیوں کے دباؤ کو روکا اور بڑھ کر جملے شروع کر دیئے اور جناب زہیر بن قین اپنا گھوڑا صف سے آگے بڑھالائے۔ دوسری طرف عمرو ابن سعد اپنے جوانوں کو اشتعال دلارہا تھا۔

زہیر کی ابن سعد سے گفتگو

زہیر نے اسے مخاطب کر کے فرمایا۔ اے سعید باپ کے شقی بیٹے اب بھی باز آ جا اور امام مظلوم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جہنم کی آگ تجھے اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے بڑھ رہی ہے۔ عمرو بن سعد نے کہا زہیر تم ایک بہادر آدمی ہو میں تمہاری قدر کرتا ہوں اس لئے میرا کہنا مانو اور مجھے مشورہ دینے کے بجائے اپنے لئے صحیح راستے کا انتخاب کرو۔ تم نے کئی ساتھیوں کا حشر دیکھ لیا ہے اب چند لمحوں بعد تمہارا یہ گرم اور جوان جسم بھی ٹھنڈی لاش بن چکا ہوگا۔

میرا کہنا مانو اور میرے ساتھ آ جا زہیر نے کہا تو پاگل ہو گیا ہے حکومت کے لالچ نے تمہیں اندھا کر دیا ہے ابھی آپ کی گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ یزیدی لشکر کی طرف سے ایک تیر آیا اور آپ کے جسم کو چھوتا ہوا سن سے گذر گیا۔ اور پھر برابر تیز برسے لگے۔ زہیر ڈھال سے تیروں کو روکتے ہوئے اور ان کی زد سے بچتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور قریب جا کر اس

قد رزور سے حملہ کیا جیسے بھوکا باز شکار پر جھپٹتا ہے اور پھر متعدد دشمنوں کو فی
النار کرنے کے بعد داخل بہشت ہو گئے۔

انا لله وانا اليه راجعون

دو جوان

عبداللہ وعبدالرحمن بنو غفار کے دو جوان امام عالی مقام سے
اجازت طلب کر کے میدان کارزار میں آ گئے۔ نعرہ تکبیر بلند کیا اور دشمنوں کو
تلوار کی باڑھ پر رکھ لیا۔ جس طرف جاتے صفیں درہم برہم ہو جاتیں دشمنوں
کی طرف سے تیر آیا اور ایک کی پشت میں پیوست ہو گیا۔ دوسرے نے گھوڑا
بڑھا کر تیر کا پھل کھینچ کر پھینک دیا اور پھر جنگ میں مصروف ہو گئے اور پھر
بڑی جوانمردی اور بہادری سے لڑتے لڑتے راہیٰ فردوس بریں ہو گئے۔ ا

انا لله وانا اليه راجعون

دو پروانے :-

جناب سیف بن حارث اور مالک بن عبدیہ دونوں بھائی ماں کی
طرف سے سکے بھائی تھے یہ دونوں امام عالی مقام سے جنگ کی اجازت
لے کر میدان کارزار میں نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے۔۔۔ پہنچے اور نہایت
شجاعت و بہادری سے لڑتے ہوئے شمع شبستان مصطفیٰ پر نثار ہو گئے۔

حرمیدان جنگ میں

بعد ازاں امام عالی مقام کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر حضرت حُر نے عرض کی یا امام! مجھے اجازت فرمائی جائے تاکہ میں آپ کے فدا یوں میں نام لکھوا سکوں اور ان سعاد توں میں شرکت نصیب ہو جو ہمیں ملنے والی ہیں۔

امام عالی مقام نے حُر کو سینے سے لگایا اور اذن جہاد دے دیا۔ حُر نے شہزادہ رسولؑ کی یہ شفقت و محبت دیکھی تو آنکھوں میں تشکر و امتنان کے آنسو آ گئے۔ امام کے قدموں کو بوسہ دیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں آ گئے، ابن سعد نے صفوان کو بھیجا کہ دیرینہ تعلقات کی بنا پر پہلے حُر کو رام کرنے کی کوشش کرو بصورت دیگر اُس کی گردن اُڑادو۔

مقابلہ

صفوان بن حظلہ میدان میں آ گیا۔ یہ بھی مانا ہوا شہ زور تھا۔ حضرت حُر کے مقابل پہنچ کر کہنے لگا۔ حُر تم حسینؑ کا ساتھ دے کر کیوں جان ضائع کر رہے ہو تم ایک بہادر سپاہی ہو جو ان ہو، شہ زور ہو، ذرا غور کرو تمہارے بعد تمہاری بیوی کا کیا حال ہو گا تمہارے بچے یتیم ہو جائیں گے حسینؑ کا خطبہ سن کر تم جذبات کی رو میں بہک گئے ہو۔ جذبات پر قابو پانے

کی کوشش کرو آنے والے حالات پر غور کرو، حکومت تمہاری بغاوت کا غصہ تمہارے بیوی بچوں پر اتارے گی،

تم ایک اچھے ساتھی ہو اس لئے یہ مشورہ دیا گیا ہے میری بات مان لو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے، آؤ واپس چلیں، حسینؑ کا ساتھ دینے میں موت کے سوائے موت کے رکھا ہی کیا ہے جب کہ یزید کی طرف سے بھاری انعام حاصل کریں گے۔

حضرت حُرنے فرمایا صفوان! تو سمجھدار آدمی ہے اور باوجود عقلمند ہونے کے تو نے نادانوں جیسی گفتگو کی ہے تم مجھے یزید کا ساتھ دینے کی رغبت دلاتے ہو حالانکہ وہ فاسق و فاجر اور ذلیل و ناپاک ہے۔ اور امام حسینؑ کا ساتھ چھوڑنے کا مشورہ دیتے ہو۔

حلائکہ وہ طیب و طاہر اور پاکیزہ ہیں اور طیب و طاہر اور پاکیزہ والدین کے بیٹے ہیں کیا تو نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آیت تطہیر میں شامل فرمایا ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول خدا نے حسینؑ کو اپنے باغ کی خوشبو فرمایا ہے کیا تم حسینؑ کے تقویٰ و طہارت اور علم فضل کی مثال پیش کر سکتے ہو۔

صفوان! نے کہا میں یہ سب کچھ جانتا ہوں مگر مال و دولت اور حکومت کے عہدے تو بڑی ہی سے مل سکتے ہیں۔ حسینؑ کا تقویٰ و طہارت اور علم و فضل ہمارے کس کام آ سکتا ہے۔

حُرنے فرمایا صفوان! تمہیں دولت کے حصول کے نشہ نے بدست کر دیا ہے تمہیں جلب زر اور ہوس و لالچ نے اندھا اور بہرہ کر دیا ہے تم عقلمند ہوتے ہوئے بھی بے وقوف اور جاہل ہو گئے ہو۔

حُر کا کلمہ حق سنا تو صفوان غضبناک ہو گیا آگ بگولہ ہو کر نیزے کا وار کر دیا حضرت حُرنے بھی نیزہ تان لیا پہلا وار اس کے نیزے پر کیا تو اس کا نیزہ ٹوٹ گیا دوسرا وار سینے پر کیا تو نیزہ پشت کے پار تھا۔

حُرنے اس کے سینے سے پوری قوت سے نیزہ کھینچا اور تیسرا وار کرنا چاہا لیکن وہ بے روح ہو کر گھوڑے سے گر کر واصل جہنم ہو گیا یزیدی عہدوں اور جاہ حشم کا بھوکا یہ سب کچھ حاصل کرنے سے پہلے ہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔

امام عالی مقام نے دور سے یہ منظر دیکھا تو حُر کو تحسین و آفرین کہا عمر و سعد نے اپنے بہادر کو اوندھے منہ گرے ہوئے دیکھا تو پریشان ہو گیا صفوان کے تین حقیقی بھائی یزیدی فوج میں شامل تھے ایک کے مقابلہ میں ایک کے قانون توڑتے ہوئے۔

تینوں ہی شور مچاتے اور واویلا کرتے ہوئے حضرت حر پر چڑھ دوڑے خدا کے سپاہی اور شبیر کے غلام نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور تینوں کی تلواروں کو بیک وقت ڈھال پر روکے ہوئے کیا پر حملہ کر دیا۔

پہلے ہی وار سے دھڑ ادھر اور گردن ادھر جا پڑی دوسرا وار دوسرے

کے سر پر کیا تلوار سر کی ہڈیوں کو کاٹتے ہوئے پشت تک پہنچ گئی تیسرے نے دو توں کی موت دیکھی تو اے بھی اجل سامنے آ گئی وہ میدان چھوڑ کر بھاگ اٹھا حُر نے تلوار بائیں ہاتھ اور نیزہ ہاتھ میں لیا اور بھاگتے ہوئے کی پشت میں نیزہ پیوست کر دیا۔

امام حسین کی حر کو بشارت

ملائکہ نے کہا مرحبا، حوروں نے کہا واہ وا۔

یزیدی فوج کے چاروں سواروں کو موت کی نیند سلا کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے واپس خدمت امام میں آگئے گھوڑے سے اتر کر شاہ کے قدموں کو بوسہ دیا اور ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

یا ابن رسول اللہ؛ کیا آپ مجھ پر خوش ہو گئے۔

امام عالی مقام نے فرمایا ہاں؛ حُر ہم تجھ پر پوری طرح خوش ہیں تجھے مبارک ہو تیری ماں نے تیرا نام حُر ﴿آزاد﴾ رکھا تھا ہم تجھے بشارت دیتے ہیں کہ تُو دوزخ کی آگ سے آزاد ہو گیا ہے حُر نے امام کے قدموں کو بوسہ دیا۔

اور پھر میدان جنگ میں آگئے یزیدی فوج کے جوان ایک ایک کر کے سامنے آتے رہے اور واصل جہنم ہوتے رہے عمر و سعد نے یہ حالت دیکھی تو پریشان ہو گیا۔

بلند آواز سے پکار کر کہنے لگا کہ ایک ایک کر کے پوری فوج ختم کر
دے گا چند دتے اکٹھے ہو کر ٹوٹ پڑا اور گھیرے میں لے کر اس کے ٹکڑے
اڑا دو سپاہ یزید حسین علیہ السلام کے سپاہی پر حملہ کر دیتی ہے اور پھر جنگ کا
نقشہ کچھ اس طرح بن جاتا ہے۔

کہ جیسے شہد کے چھتے پر کھوں نے یلغار کر دی ہو نیزوں پر نیزے بر
س رہے ہیں تلواروں پر تلواروں کے وار ہو رہے ہیں یزیدیوں کے تیر اپنے
ہی آدمیوں کو گھائل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اُدھر حُر کی تلوار کا یہ عالم ہے۔

ابر ڈھالوں کا اٹھا تیغ دو پیکر چمکی
برق چھپتی ہے وہ چمکی تو برابر چمکی

سوئے پستی کبھی کوندی کبھی سر پر چمکی
کبھی انبوہ کے اندر کبھی باہر چمکی

جس طرف آئی وہ ناگن اُسے ڈستے دیکھا
مینہ خون کا صف دشمن میں برستے دیکھا

دھار ایسی کہ زوال ہوتا ہو دھارا جیسے
گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنا را جیسے

چمک ایسی کہ حسینوں کا اشار جیسے
روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے

کوندنا برق کا شمشیر کی ضو میں دیکھا
کبھی ایسا نہیں دم خم مہ نو میں دیکھا
﴿میرائیس﴾

ادرکنی یا حسین

ادھر خُرکی تلوار دشمنوں کا خون چاٹ رہی ہے ادھر خُرکا جسم تیروں اور
تلواروں اور نیزوں کی انیوں سے چھلنی ہو چکا ہے زخموں سے جسم چور چور
ہے اسی حالت میں امام عالی مقام کی جانب منہ کر کے آواز دی۔

ادرکنی یا ابن رسول اللہ حسین علیہ اسلام میری مدد فرمائیے جواب
میں غیب سے ندا آئی۔ خُرادھر دیکھو حواریں جنت میں تیرا انتظار کر رہی ہیں
کسی بد بخت کا نیزہ خُر کے سینے پر پڑا۔

زخم گہرا تھا جسم گرم تھا گرنے لگے، زین کو تھام لیا گھوڑے کی باگ
کو کھینچا، امام کے قدموں میں آ گیا۔ شبیہ رسول کی طرف یا س بھری نظروں
سے دیکھ کر کہا !

میرے آقا آپ کے نانا کے قدموں میں جا رہا ہوں کوئی پیغام

دے دیں۔

امام عالی مقام نے گھوڑے سے تھام کر اتار اور فرمایا۔ خُر ! اُس
بیکس پناہ کے حضور میں ہمارا سلام کہہ دینا۔ ہم بھی تمہارے پیچھے آرہے
ہیں۔

حر کے آخری لمحات

خُر کے آخری لمحات ہیں۔ آنکھیں بند ہوتی جا رہی ہیں۔ امام عالی
مقام نے خُر کا سراپے زانو پر رکھا خُر کو دونوں جہان کا آرام حاصل ہو گیا۔ خُر
نے حسرت بھری نگاہوں سے شہزادہ کو نین کو دیکھا امام عالی مقام کی آنکھوں
میں آنسو بھر آئے۔

حالت پہ میری انکے بھی آنسو نکل پڑے

دیکھا گیانہ یاس میں عالم نگاہ کا

﴿آغا شاعر﴾

یہ خُر کی خوش نصیبی کی انتہا تھی جگر گوشے رسول کی آغوش راحت میں
لیٹا ہوا ہے اور امام عالی مقام اس کے چہرے کا غبار صاف کر رہے ہیں خُر نے
آنکھیں کھول کر عرض کیا امام رُوح نکل جانے کے لئے بیقرار ہے۔

زخموں سے درد کے طوفان اٹھ رہے ہیں۔ لیکن میں نے سینے سے
اٹھنے والی آہوں کو روک رکھا ہے تاکہ آپ کی آغوش راحت کا تھوڑا سا اور

مرہ لے لوں۔

اس واسطے تھم تھم کے جاری ہے نفس میرا
آہوں سے کہیں ٹوٹ نہ جائے یہ نفس میرا

﴿آغا شاعر﴾

اور پھر آخری بار خُرنے درد میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ سے سے امام
کی طرف دیکھ کر عرض کیا۔ یا ابن رسول : آپ مجھ پر راضی ہو گئے؟
امام عالی مقام نے فرمایا ! خُربہم تم پر راضی ہیں خُدا تجھ پر خوش ہو
اور تجھے خوش رکھے۔ یہ آخری گفتگو تھی خُرنے کلمہ شہادت پڑھا اور جان جان
آفریں کے سپرد کر دی۔

امام نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر حرکی لاش کو ڈھانپ

دیا۔

اُمّ وَہب

اس خُونیں معرکہ کے پہلے شہید عبداللہ بن عمیر کی بیوی اُمّ وَہب بھی
اس کے ساتھ ہی آئی تھی یہ دونوں میاں بیوی کوفہ سے آئے تھے یہ پہلے بھی
شوہر کی مدد کو لاشی لیکر بڑھی تھی مگر امام عالی مقام کے روکنے پر رُک گئی تھی اب
شوہر شہید ہوا تھا اس کی لاش پر دوڑی گئی یہ لاش کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ شمر
اللعین نے اُس کو بھی تلوار سے شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

پروانہء شبیر

امام عالی مقام کے ساتھی جناب حنفی تھے اس پروانہ حسین علیہ السلام نے اپنے جسم کو امام عالی مقام کی ڈھال بنا رکھا تھا دشمنوں کی توجہ کے مرکز خاص چونکہ نواسہ رسول تھے اس لئے تیروں کی زیادہ بارش ادھر ہی ہو رہی تھی تیروں کی اس برسات میں پروانہ شبیر جناب حنفی سپر بن کے آپ کے آگے کھڑے تھے۔

امام عالی مقام نے کئی بار اُسے پیچھے کرنا چاہا مگر وہ آپ کے آگے کھڑا ہو جاتا جناب حنفی کا پورا جسم تیروں میں پرویا جا چکا تھا اور اسی طرح تیر کھاتا ہوا پروانہ شبیری واصل فردوس بریں ہو گیا۔
 انا للہ وانا الیہ راجعون

برادران عباس ابن علی

یزیدی لشکر کی طرف سے ہل من مبارز کی صدائے پیہم آرہی ہے
ادھر امام عالی مقام کے حضور میں چار خوہر و نو جوان دست بستہ کھڑے ہو
کرمیدان میں جانے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔

یہ چاروں حضرت عباس ابن علی کے حقیقی بھائی حضرت عبداللہ
حضرت ابو بکر حضرت محمد اور حضرت عثمان پسران علی ہیں۔

ان کی والدہ مکرمہ کا اسم گرامی ام البنین اور وہ ان سب کے ساتھ
کربلا ہی میں موجود تھیں شمر ملعون ان کے سکے بھائی کا لڑکا تھا یہ اپنے اپنے
مقدر کی بات ہے کہ بہن کے بیٹے امام عالی مقام جانیں نثار کر دینے کے لئے
بیٹاب ہیں اور بھائی کا بیٹا امام عالی مقام کو شہید کر دینے کے لئے بیقرار ہے
یہ آپ پر قربان ہوتے ہیں اور وہ آپ کا سر اقدس کاٹتا ہے

یہ وہی چاروں شہزادے ہیں جن کی والدہ اور بھائی حضرت عباس
سمیت چھ افراد کے لئے شمر ابن زیاد سے امان نامہ لکھوا کر لایا تھا اور انہوں
نے وہ امان نامہ اکارت سے ٹھکرا دیا تھا۔

اور کہا تھا یوقوف! ہمیں تو امان دیتا ہے اور ابن رسول کو قتل کرنا چاہتا
ہے اور اب یہ اس وقت کے منتظر ہیں کہ شہزادہ رسول پر جانیں نثار کر کے

اپنے والدین گرامی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے دربار میں سرخروی حاصل کر لیں۔

امام حسین کی محبت

امام عالی مقام نے فرمایا اے شہزادگان حیدر اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے تم سب ٹھیک ٹھیک حق اخوت ادا کر رہے ہو۔
تم سب میرے امتحان میں برابر کے شریک ہو۔

تمہاری مقدس قربانیاں لوح عالم پر نقش فی الحجر بن کر دنیا والوں کو ہمیشہ درس اخوت دیتی رہیں گی ہم سب بہت جلد ایک ہی مقام پر جمع ہونے والے مگر میرے یہ امتحان کس قدر صبر آزما ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں کو ذبح ہوتے دیکھ رہا ہوں۔

یہ حق غلامی ہے

امام عالی مقام کی شفقت آمیز گفتگو سنی تو چاروں کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں انہوں نے انتہائی رقت سے دربار حسین میں عرض کیا یا امام یہ آپ کا کرم ہے جو ہم غلاموں پر اس قدر شفقت فرما رہے ہیں ہمارے حق غلامی کو اخوت کا نام دینا آپ کی بندہ پروری ہے ورنہ ہم تو اب بھی آپ کو امام اور خود کو غلام ہی سمجھتے ہیں آپ ابن رسول ہیں شہزادہ بتول ہیں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور ہمارے تاجدار ہیں ہمارے لئے یہ

فخر ہی کیا کم ہے کہ آپ کے عزم پر فدا ہونے کے صلا میں قیامت کے دن آپ کے پرچم سایا نصیب ہوگا۔

ہمیں اجازت عطا فرمائیں

یا امام دشمن بار بار آواز دے رہے ہیں۔ ہمیں اجازت مرحمت ہو فرمائی جائے تاکہ ہم آپ پر نثار ہونے میں سبقت حاصل کر سکیں۔ آپ نے سب کی طرف بھری نگاہوں سے دیکھا اور الوداع کہہ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی یا اللہ میرے بھائیوں کی جانوں کا نذرانہ قبول فرمائے۔

شیر خدا کے شیر

شیر خدا کے شیر ایک ایک کر کے میدان میں جاتے ہیں اور زور یدِ لہی سے دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیتے ہیں حیدر کا ایک ایک شیر مبریزید کی سینکڑوں لومڑیوں پر بھارے تھے۔

ایک کے بعد دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا میدان جنگ میں قوت حیدری کے وہ جو ہر دکھاتے ہیں کہ دشمنوں کو پسینہ آ جاتا ہے۔ حضرت عباس ایک ایک بھائی کا جنگی کارنامہ مشاہدہ کرتے جا رہے ہیں۔ اور الحمد للہ کہتے جا رہے ہیں چاروں بھائی یکے بعد دیگرے متعدد دشمنوں کو قتل اور زخمی کرنے کے بعد بارگاہ حیدر کرا میں پہنچ جاتے ہیں۔

انا لله وانا اليه راجعون

وہ سالکانِ وادی اندیشہ و فتن
وہ رہروانِ مرحلہء عشق ذوالمنن

وہ عاشقانِ دلبر شاہنشہ زمن!
وہ کشندگانِ خنجر درد و غم و محن

پرخوں پڑے تھے دشت مصیبت میں اس طرح
صحنِ چمن میں پھول بکھرتے ہیں جس طرح
ان چاروں کے بعد برادرانِ مسلم جناب عبداللہ بن عقیل عبدالرحمن
اور جعفر بن عقیل ایک ایک کر کے یوں دادشجاعت دیتے ہیں کہ یزید کے
لشکری شاخ بید کی طرح کا پنپنے لگ جاتے ہیں۔ تلواریں چل رہی ہیں،
تیروں کی بارش ہو رہی ہے، نیزے تنے ہوئے ہیں، زمین شعلہ بار ہوتی
جا رہی ہے، سورج مشتعل ہوتا جا رہا ہے، تلواروں کی جھنکار میں شبیر علیہ
السلام کا ایک ایک مجاہد حق جہاد ادا کرتے ہوئے امتحانِ شبیر میں شریک ہوتا
جا رہا ہے۔ جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور شبیر کے سپاہی ایک ایک
کر کے اندر داخل ہوتے جا رہے ہیں

حضرت قاسم کی

شہادت

امام عالی مقام کے ساتھی ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کرتے جا رہے ہیں میدان کارزار میں شہدائے کرام کی لاشوں کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں فاطمہ کلال اپنے امتحان کا ایک ایک پرچہ نہایت کامیابی اور کامرانی کے ساتھ حل کر کے امتحان حقیقی کے دربار میں پیش کرتا جا رہا ہے۔

آپ نے کئی بار میدان کارزار میں جانے کا ارادہ فرمایا مگر آپ کا کوئی نہ کوئی فدائی بڑھ کر حق جا ثاری ادا کر دیتا اب آپ نے پھر میدان میں جانے کا ارادہ فرمایا تو ایک نوخیز پھول آپ کے سامنے آ گیا پندرہ سولہ سال کے خوب روہاشی شہزادے کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے چاند زمین پر اتر آیا یہ چاند کا ٹکڑا قاسم ابن حسن ابن علی ہے۔ جو عم محترم پر فدا ہونے کے لئے اجازت طلب کرتا ہے۔

امام حسینؑ کا انکار

امام عالی مقام نے فرمایا۔ قاسم میں تجھے قتل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا مجھے اب کسی نئے امتحان میں نہ ڈالو اور واپس خیموں میں چلے جاؤ

میں تم سے پہلے ظالموں کے ہاتھوں بھیتا حسن کی دو خوبصورت تصویروں کے ٹکڑے کروا چکا ہوں۔ اب یہ میرے بس میں نہیں کہ میں تجھے بھی موت کے منہ میں بھیج کر اپنے بھائی کی اولاد زینہ کو ختم کروادوں میرے لال تمہیں سے تو میرے بھائی کی نسل شروع ہونا ہے۔

حضرت قاسم نے چچا جان کی یہ فیصلہ کن گفتگو سنی اور تڑپ کر رہ گئے رو کر عرض کیا۔

غم محترم کاش میرے والد اس وقت موجود ہوتے تو مجھے اس محرومی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا چچا جان میں چھوٹا ہی تھا کہ داغ قیمتی لگ گیا اور آپ کی پناہ میں آنے کے بعد مجھے کبھی محسوس نہیں ہو سکا کہ میں یتیم ہوں میں نے ہمیشہ یہی محسوس کیا ہے کہ میرا باپ زندہ ہے مگر آج آپ نے مجھے میرے ابا جان کی یاد دلا دی ہے میں نے آج پہلی بار محسوس کیا ہے کہ میں یتیم ہوں کاش آپ نے مجھے اپنا بیٹا سمجھا ہوتا۔ چچا جان! میری جان عون و محمد سے زیادہ قیمتی نہیں اگر انہیں آپ پر فدا ہونے کی اجازت مل سکتی ہے تو پھر مجھ حراماں نصیب کو بھی محروم نہ کیا جائے۔

بھتیجے کا جذبہ ایثار

امام عالی مقام نے بھتیجے کا یہ جذبہ ایثار اور درد میں ڈوبا ہوا کلام سنا تو آپ مضطرب ہو گئے اور فرمایا میرے لال تمہاری گفتگو نے میری رونگٹے

کھڑے کر دئے ہیں میں تو یہ سوچتا ہوں۔ میں بھیا حسن کو کیا جواب دوں گا کہ اس کی آخری نشانی بھی آنکھوں کے سامنے ذبح کروالی تمہاری والدہ تمہا رے فراق میں کیا کرے گی تمہاری پھوپھی کا کیا حال ہوگا۔

قاسم نے عرض کیا چچا جان اگر خدا نخواستہ مجھے آپ پر نثار ہونے کا موقع نہ مل سکا تو میں ابا جان کو کیا جواب دوں گا۔

رہا والدہ کا پریشان ہونا تو میں ان سے اجازت لے کر آیا ہوں پھوپھی جان سے بھی مل کر آیا ہوں۔

ان دونوں نے ہی تو میری کمر میں میرے ابا جان کا پٹکا باندھا ہے امی جان نے تلوار میری گردن میں خود حائل کی تھی اور پھوپھی جان نے فرمایا تھا کہ قاسم اب تم بھی مجھے بھائی جان کے سامنے سرخرو کر دو۔

لہام عالی مقام نے چند لمحے خاموشی فرمائی اور پھر اجازت مرحمت فرمادی۔

حضرت قاسم میدان کارزار میں

ادھر فوج اشقیاء من مبارز کے نعرے لگا رہی تھی جب جنازہ قاسم میدان کارزار میں تشریف لائے تو آفتاب نصف النہار پر آچکا تھا علیؑ کے شیر کے شیر کا حلق پیاس کی شدت سے سوکھ کر کاٹھا ہو چکا ہے۔ بار بار لبوں پر زبان پھیرتے ہیں مگر لا حاصل زبان لبوں سے زیادہ سوکھی ہوئی ہے اور لب

زبان سے زیادہ خشک ہیں باوجود اس شدت کی پیاس کے علیؑ کے لال کا لال
میدان کا زار میں اس طرح چمک رہا تھا جیسے آفتاب زمین سے طلوع کر رہا ہو

چہرہ تھا ایسے خون کی حدت سے شعلہ دوش

سورج کا جیسے پھول اک طشت سحر میں ہو

عمر بن سعد کی طرف سے ایک جوان مقابلہ کے لئے نکلا تو اس نے
روک دیا اور سپاہ شام کے ایک اعلیٰ افسر کو حکم دیا ارزق! اس جوان کا مقابلہ
تم کرو گے ارزق نے سنا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور غصے پر قابو
پاتے ہوئے کہنے لگا۔

ابن سعد! اگرچہ تم میرے سپہ سالار کی حیثیت سے ہو مگر تمہیں
میرے مقام اور مرتبہ کو نہیں بھولنا چاہیے کیا تم میری حیثیت سے واقف نہیں
ہو؟

ابن سعد! کیوں نہیں میں جانتا ہوں کہ تم سپاہ شام کے اعلیٰ افسر
ہو اس کے علاوہ فن سپاہ گری میں پورنی پوری مہارت بھی رکھتے ہو اس فوجی
تجربہ کے ساتھ ساتھ بہادری میں بھی اپنی مثال آپ ہو اپنی اس قوت فن اور
تجربہ کے صلہ کی صورت میں یزید سے ہزاروں روپے تنخواہ بھی وصول کرتے
ہو

ارزق! حیران ہوں کہ میرے متعلق اس قدر وسیع معلومات
کے باوجود مجھے ایک بچے کے مقابلہ میں بھیجنے کا مذاق کرتے ہو۔

ابن سعد! ارزق تم نے غلط سمجھا ہے میں نے مذاق نہیں کیا بلکہ اپنے تجربہ کی بناء پر تمہارا انتخاب کیا ہے یہ بچہ کوئی عام بچہ نہیں یہ قاسم ہے حسن کا بیٹا اور علی کا پوتا اس کے مقابلے کے لئے کسی تجھ جیسے شہ زور کی ہی ضرورت ہے تم اس سے پہلے کئی ہاشمیوں کے زورید اللہی اور قوت خیر شکن کا مشاہدہ کر چکے ہو۔

ارزق! ہو سکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہی ہو مگر اس بچہ کے مقابلہ میں جانا میری تو بہن ہے شام سے آئے ہوئے لشکر میں میرے چار بہادر اور نو جوان بیٹے ہیں میں ان میں سے کسی ایک کو مقابلہ میں بھیج دیتا ہوں اور پھر اس نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو جانے کا اشارہ کیا۔

ارزق کے بیٹے سے مقابلہ

اور یہ اس کا چھٹا بیٹا کسی ہاتھی سے کم نہیں تھا اس بڑا حکیم شجیم اور گرانڈیل گھوڑا اس کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا امام عالی مقام نے قاسم کے مقابلہ ایک عفریت کو دیکھا تو دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اس نے آتے ہی اس انداز سے تلوار کا وار کیا جیسے کسی درخت کی پتلی سی شاخ کو کاٹ کر زمین پر پھینک دینا ہوتا ہے جناب قاسم نے اس کے وار کیا جیسے کسی ڈھال پر روکا مگر ڈھال بے کار ہو گئی امام عالی مقام زیادہ دور نہیں تھے آپ سب کچھ ملاحظہ فرما رہے تھے پ نے ایک ڈھال دے کر محمد بن انس کو فرمایا کہ قاسم کو پہنچا دو

ادھر ایک دوسرے پر چند ایک وار ہو چکے تھے اور ارزق کے بیٹے کو محسوس ہو چکا تھا کہ اس کا اس لڑکے کے متعلق اندازہ غلط تھا۔

ڈھال مل گئی تو امام قاسم نے خود کو اچھی طرح سنبھال لیا ارزق کے بیٹے نے نیز اچلا یا آپ نے گھوڑے کو پیچھے کر لیا اور پھر گھوڑے کو تازیانے لگا کر اتنی تیزی سے دشمن پر نیزے کا وار کر دیا کہ اسے بچاؤ کی مہلت ہی نہ مل سکی۔

قاسم کا نیزہ ارزق کے بیٹے کی زرہ کی کڑیوں کو توڑ کر اس کے سینے میں لگا اور پشت کے پار ہو گیا آپ نے پوری قوت سے نیزہ کھینچا تو وہ مٹی کے ٹودے کی طرح زمین پر گر پڑا آپ نے اس کے نیزے اور تلوار پر قبضہ کر لیا اور گھوڑے کو موڑ کر امام عالی مقام کے حضور میں آ گئے۔

آپ نے پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا میرے بھائی کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا میرے چاند قاسم خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔

امام قاسم کی غذا رش

جناب قاسم نے عرض کیا! چچا جان کاش اس وقت پانی کے چند گھونٹ مل جاتے تو پھر میں آپ کو اپنی بہادری کے جوہر دکھاتا امام عالی مقام نے جذبات پر قابو پاتے ہوئے فرمایا میرے لال! پانی تو اب تمہارے دادا جان اور تمہارے ابا جان چشمہ کوثر سے ہی پلائیں گے۔

جناب قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الحمد للہ کہا اور دوبارہ میدان میں تشریف لے گئے۔

عمر و بن سعد کا طنز!

ادھر عمر و بن سعد نے ارزق کو اس کے بیٹے کی موت کا منظر دکھاتے ہوئے طنز کیا کہ کاش تم کسی بچہ سے جنگ کرنے کو اپنی توہین نہ سمجھتے۔

ارزق کو تو بیٹے کی موت نے پہلے ہی آتش فشاں بنا رکھا تھا کہ اس کا دوسرا بیٹا میدان میں پہنچ گیا یہ پہلے سے بڑا تھا اس لئے قد و قامت میں بھی اس سے بڑھا ہوا تھا اس نے آتے ہی امام قاسم کی شان میں بکواس شروع کر دی لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے ارزق کا بیٹا ہڈیانی انداز میں بکے جا رہا تھا کہ تم نے میرے شیر جیسے بہادر بھائی کو قتل کیا ہے میں تیری ایک ایک بوٹی کے سوسوٹ کر کے تمہارا قیمہ بنا دوں گا۔ جناب قاسم نے بڑے پروقار انداز میں صرف اتنا فرمایا کہ تم چیختے کیوں ہو انشاء اللہ تم بھی جلد ہی اپنے بھائی سے ملاقات کر لو گے وہ جلا ہوا تو تھا ہی اور بھی مشتعل ہو گیا، منہ سے جھاگ اڑ رہی تھی اور اندھا دھند وار پروار کر رہا تھا۔ امام قاسم اس کے ہر وار کو بیکار کرتے جا رہے تھے جب اس کے کئی وار ضائع ہو گئے اور پھر اس نے زور سے ایسا وار کیا جس کو جناب قاسم نے روک تو لیا مگر شانے پر ہلکا سا زخم آ گیا پھر کیا تھا حیدر کے شیر کا شیر پھر گیا

اور گھوڑے کو چکر دے کر دشمن کے گھوڑے کی گردن کے نیچے نیزہ بھونپ دیا
گھوڑا تڑپا اور گھٹنوں کے بل گر پڑا رزق کا بیٹا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا
جناب قاسم نے گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور اس کے اٹھنے سے پہلے ہی
اس کے شانے پر پوری قوت سے تلوار کا وار کر دیا۔ زخم لگتے ہی اس کے منہ
سے ایک کریہہ چیخ نکلی اور وہ پوری قوت سے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ آپ نے
اس کے جسم سے گردن کا بوجھ اتار دیا۔

مانند دیو گر قد دشمن بلند تھا

بجلی سی بس چلی کہ جدا بند بند تھا

عمر و سعد نے رزق کو اس بار طنز نہیں کیا تھا پھر رزق کو بیٹوں کی
موت نے وحشی بنا دیا وہ غصہ سے کانپ رہا تھا اور میدان میں پہنچ جانے کیلئے
بیقرار ہو رہا تھا کہ اس کا تیسرا بیٹا جو پہلے دونوں سے بھی ڈیل ڈول میں زیادہ
تھا۔ جناب قاسم کے سامنے پہنچ چکا تھا اور پھر چند لمحوں کے بعد وہ بھی واصل
جہنم ہو چکا تھا پھر رزق سے پہلے ہی اس کا چوتھا بیٹا بھی پہنچ گیا اور اس حشر
بھی پہلے تینوں سے مختلف نہیں تھا اور جناب قاسم کی تلوار کا یہ حال تھا۔

ہر اک شقی کے سر پہ صفائی سے چل گئی

آئی ادھر سے سن سے ادھر سے نکل گئی

ناری پکارتے تھے کہ ہم سب سے کل گئی

کشت امان و امن شریوں کی جل گئی

کس کس مزے سے خون عدو چاٹتی رہی
ہر عضو مثل حرف غلط کاٹتی رہی
﴿میر مونس﴾

ارزق پا گل ہو گیا

اب ارزق کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ غموں غصہ کے ملے جلے جذبات نے
اسے پاگل بنا دیا اس نے پوری قوت سے گھوڑے کو چابک رسید کیا اور چشم
زدن میں شہزادہ حسن کے سامنے آ گیا۔

امام عالی مقام علیہ السلام نے دور سے اس کے تیور دیکھے بارگاہ ایزدی میں
عرض کیا یا اللہ! قاسم کی اس درندے سے حفاظت فرما۔

ادھر اس نے آتے ہی جناب قاسم علیہ السلام کو لاکار اڑ کے تیار ہو جا
ملک الموت تیرے سر پر آن پہنچا ہے آپ خاندانی وقار کے ساتھ اس کی
طرف دیکھے جارہے تھے اور وہ بڑے زور شور سے رجز پڑھتا جا رہا تھا۔

میں دمشق کا پہلوان ہوں شام و عراق کے بڑے بڑے بہادر میرزا
نام سن کر کانپ جاتے ہیں میری تلوار اٹھتی ہے تو پھر دشمنوں کا خون چاٹ کر
ہی دم لیتی ہے میرا نام ارزق ہے تم میرے چار بہادر اور شہزور بیٹوں کے
قاتل ہو میری تلوار اب ان کا خون بہا مانگتی ہے۔ تمہیں قتل کرنے کے بعد اہل
بیت کے ایک ایک فرد کو موت کی نیند سلا کر بھی اس کا غصہ فرو نہیں ہوگا۔ میں

جنگی چالوں کا سب سے زیادہ ماہر ہوں بڑے بڑے سپہ سالار میرے مشوروں پر عمل کر کے دشمن پر فتیاب ہوتے ہیں۔ اس کی خرافات ابھی یہاں تک ہی پہنچی ہی تھی کہ حضرت امام قاسم نے اُسے فرمایا غلط کہتے ہو تمہیں نہ تو جنگی چالوں کچھ واقفیت ہے اور نہ ہی تم جنگ کرنا جانتے ہو اپنے گھوڑے کی طرف دیکھو اس کا زین بند کھلا ہوا ہے اور تمہیں معلوم تک نہیں ایک لمحہ بعد تم زین سمیت زمین پر ہو گے۔

ارزق کی نظر ایک لمحہ کیلئے زین کس کی طرف گئی اور اسی لمحہ میں وہ واقعی زمین پر آ رہا جیسی شیر کی تلوار اپنا کام کر چکی تھی ارزق زمین پر تڑپ رہا تھا اور چیخ رہا تھا لڑکے تو نے مجھے دھوکے سے قتل کیا ہے۔

امام عالی مقام علیہ السلام نے ایک بار اس کی طرف دیکھ کر فرمایا اسلئے کہ تم جنگی چالوں کے بہت ماہر ہو۔ چند ہی لمحوں میں ارزق کو خاک و خون میں تڑپتے دیکھا تو عمر و سعد کو بڑا تعجب ہوا اب ایک کے مقابلے میں ایک کو بھیجنے کا خیال ترک کر کے کئی دستوں کو حرکت میں لانا پڑا۔

ان حالات میں کیا ہو سکتا تھا ہاشمی شہزادے کی تلوار اپنے جوہر دکھا رہی تھی اور دشمن کاٹ کاٹ کر پھیلتی رہی لیکن کب تک ایک کاسینٹروں سے مقابلہ تھا آپ کے جسم نازنین پر ستائیس زخم آچکے تھے اور پھر ایک کاری زخم بھی لگ گیا آپ گھوڑے کی زین سے گر پڑے آپ زمین پر تڑپ رہے تھے اور ایڑیاں رگڑتے ہوئے فریاد کر رہے تھے۔

یا ابن رسول اللہ ادر کنی

یا عماہ ادر کنی

اپنا کام کر کے سپاہ یزید کا بادل چھٹ چکا تھا امام عالی مقام بھی
قریب پہنچ گئے بھتیجے کی پرالم نداسنی تو تڑپ کر رہ گئے اور فرمایا بیٹا! میرا تو
امتحان ہے میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں اور پھر عم محترم کے ہاتھوں میں شہزادہ
حسن نے دم توڑ دیا۔

آپ نے لاش کو کندھے پر اٹھایا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے
ہوئے واپس تشریف لے آئے۔

jabir.abbas@yahoo.com

حضرت زینبؓ کے دو پھول

حضرت عباسؓ پر چم اسلام اٹھائے ہوئے اہل بیت اطہار کے خیموں کا پہرہ دے رہے ہیں۔ امام علیؓ تمام ان سے ذرا دور نیچے کھچے ساتھیوں کو ترتیب دے رہے ہیں پردہ نشینوں نے حضرت عباسؓ کو پیغام دیا کہ امام علیؓ کا مقام کو بلا دیں۔ عباسؓ نے خدمت امام میں عرض کر دیا۔

حضرت زینبؓ کی التجا

آپؓ خیمے میں تشریف لائے تو حضرت زینبؓ نے عرض کیا۔ خدا آپؓ کو اس شدید امتحان میں کامیاب فرمائے۔ بہن بے بس ہے۔ کاش عورتوں کو اذن جہاد ہوتا تو میں اپنے بھائی پر نثار ہو سکتی۔ فاطمہؓ کی بیٹی ہوں دوسری عورتوں کی طرح باہر بھی نہیں نکل سکتی۔ غریب الوطن ہوں پردیس میں اپنے بھائی کا صدقہ بھی نہیں اتار سکتی۔

آپؓ نئی ماں کے بیٹے ہیں۔ اس مشکل وقت میں بھی آپؓ سے کچھ مانگنے آئی ہوں۔ میری التجا قبول فرمائیں۔ امام عالی مقام نے بہن کی درد میں ڈوبی ہوئی گفتگو سنی تو بے قرار ہو گئے۔ فرمایا پیاری بہن حکم فرمائیں۔

بے شک حسینؑ غریب الدیار اور خود مشکلوں میں گرفتار ہے مگر اپنی ہمیشہ کے حکم کو نہیں ٹال سکتا۔

چھوٹی سی نذر

حضرت زینبؑ نے سنا تو ہلکی سی تازگی چہرے پر آگئی۔ آپ نے وہیں سے آواز دی بیٹے آجاؤ۔ آپ کی آواز سن کر دو چھوٹے بچے اپنے قد سے بھی بڑی تلواریں زیب تن کئے حاضر ہو گئے۔

امام عالی مقام نے بچوں کو تلواریں لئے دیکھا تو فرمایا۔ زینب یہ کیا ہے تو جناب زینبؑ نے فرمایا۔ بس بھائی یہی التجا تھی کہ آپ میری چھوٹی سی نذر کو قبول فرمائیں۔ مجھ پر دین کے پاس اس وقت بھائی کا صدقہ دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ بس یہی دو بچے ہیں جو بھائی کا صدقہ اُتار رہی ہوں۔ کچھ تورڈ بلا ہو ہی جائے گا۔

امام عالی مقام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور رو کر فرمایا! زینب حسین کے دل کو اور زخمی نہ کرو۔ آپ تو میرے ساتھ ہر دکھ درد میں پہلے ہی شریک ہیں۔ اگر زیادہ ہی خیال ہے تو میں انہیں قبول کر کے تمہیں واپس دیتا ہوں۔ ابھی تو ان غنچوں کو پھول بننا ہے۔ دکھی حسین کی دعا ہے کہ یہ بڑھیں چھولیں اور جوان ہوں۔ میرے چچا جعفر طیار کی نسل بڑھے۔ نسل زینب میں اضافہ ہو سیدہ زینب نے روتے ہوئے بھائی کے گلے میں بائیں

ڈال دیں پھر دامنِ حسینؑ کو پکڑ کر عرض کرتی ہیں۔ بھیا! مجھے مایوس نہ کرو۔ میری یہ نذر قبول فرما لو۔ میں آپ کو اپنی فاطمہؑ ماں کی پردہ داری کا واسطہ دیتی ہوں۔ باپ علیؑ کی سخاوت کا واسطہ دیتی ہوں۔ نانا جان کی نورانی دستار کا واسطہ دیتی ہوں۔ میرا یہ ناچیز ہدیہ اور چھوٹا سا نذرانہ قبول فرما لو۔

مجھے محروم نہ کریں

بھیا حسینؑ! اگر آپ نے ان بچوں کو اذنِ شہادت نہ دیا تو یہ نانا علیؑ اور نانی فاطمہؑ کو کیا منہ دکھائیں گے۔ ذوالجناحین جعفر طیار دادا کے حضور میں کس طرح جائیں گے اور اپنی ماں کے نانا جان سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور کس طرح پیش ہوں گے۔

پیارے بھیا! میں آپ کو اُس خدا کا واسطہ دیتی ہوں جس کے حکم پر آپ یہ مصیبتیں اٹھا رہے ہیں۔ میری یہ قربانی قبول کر لو۔ بہنوں کا تو بھائیوں پر بہت حق ہوتا ہے۔ اور آپ تو سخی ماں اور سخی باپ کے بیٹے ہیں پھر مجھے محروم کیوں کرتے ہیں۔

عون و محمد اجازت طلب کرتے ہیں

امام عالی مقام نے بچوں کی طرف دیکھا۔ بچے دوڑ کر قدموں میں گر پڑے۔ ماموں جان! امی ٹھیک کہتی ہیں۔ ہم علیؑ کے نواسے اور جعفر طیارؑ کے پوتے ہیں۔ ہم میدان میں جا کر ابھی آپ کے سارے دشمنوں کو قتل

کر دیں گے۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ماموں جان! آپ امی کی بات ضرور مان لیں۔ ماموں جان! دیکھیں ہماری تلواریں کتنی تیز ہیں۔ ہم نے انہیں ریت سے رگڑ رگڑ کر خوب چمکا لیا ہے۔ آپ ہمیں میدان میں جانے دیں پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

جہاد کی اجازت

نواسہ رسول نے بچوں کی مجاہدانہ گفتگو سنی تو بہت متاثر ہوئے۔ بچوں نے ماں کی یاد کرائی ہوئی گفتگو دہرا دی تھی اور ماموں جان کو متا لینے میں کامیاب ہو گئے۔

امام عالی مقام بچوں کو اجازت دے کر واپس تشریف لے آئے۔ سیدہ زہرا نے بچوں کو خوب آراستہ و پیراستہ کیا۔ پانی کے بغیر خشک زلفوں میں کنگھی کی۔ سرمہ لگایا چھوٹے چھوٹے دوپٹے باندھے۔ علی کی بیٹی نے اپنے ہاتھ میں تلوار لے کر لہرا کر دکھائی کہ اس طرح جاتے ہی دشمنوں پر زور سے چلا دینا۔ اور پھر سینہ سے لگایا تو جذبات برا بیچتے ہو گئے۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا جیسے ابھی باہر آجائے گا جلدی سے دونوں کو علیحدہ کر دیا اور کہا جاؤ میرے شیر جلدی کرو کہیں تمہارے ماموں پھر نہ روک دیں۔ بچے چلنے لگے تو پھر واپس بلا لیا۔ دونوں کو آغوش بھینچ لیا۔ جلدی جلدی ان کی پیشانیوں کو چوما اور خیمے کی اوٹ میں کھڑی ہو گئیں۔ آپ جگر کے ٹکڑوں کو

جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں اور فرما رہی تھیں میرے بیٹو مجھے معاف کر دینا۔
میں تمہیں درندوں میں بھیج رہی ہوں۔ ماں کے دل کے ٹکڑو ماں مجبور ہے خدا
حافظ میرے جگر پارو خدا حافظ!

عون و محمدؐ میدان جنگ میں

بچے تلواریں لہراتے ہوئے میدان میں گئے تو دشمن نے آواز دی
حسین! اب جوان ختم ہو گئے ہیں جو بچوں کو بھیج رہے ہو۔ امام عالی مقام
خاموش رہے۔

بڑے لڑکے حضرت عونؑ نے فرمایا بے وقوف ہم بچے نہیں ہیں۔
ہمارے ساتھ مقابلہ کرو گے تو پھر پتہ چلے گا۔

چھوٹے بچے محمدؐ نے کہا اگر اتنا بہادر ہے تو ہمارے سامنے آ۔ ہم چیر
کر رکھ دیں گے۔ دشمن نے کہا میں جانتا ہوں تم زینبؑ کے بیٹے ہو۔ مگر زیادہ
بہادر نہ بنو۔ یہ علیؑ کا گھر نہیں میدان جنگ ہے۔ پھر چند سپاہی ان کی طرف
بڑھنے لگے۔ بے غیرت حاکم کے بے غیرت سپاہی بچوں کو دیکھ کر ویسے ہی
شرم آ جانا چاہیے تھی۔ مگر ان میں تو غیرت اور شرم کا نام بھی نہیں تھا۔ وہ تو
وحشت و بربریت اور درندگی کے پُتلے تھے۔ ظالم سے ظالم دشمن بھی بچوں کو
دیکھتا تو کہتا کہ واپس چلے جاؤ۔ مگر دشمن نے تو ان سے کہا تھا کہ اپنے ماموں اور
اتنی کو چھوڑ کر ہمارے پاس چلے آؤ۔ اور بچوں نے کہا تھا تو مجنون ہے

پاگل ہے، احمق ہے۔ ہم کیوں ماں باپ کو چھوڑ کر تمہارے پاس آجائیں۔
تو کہاں کا ہمدرد ہے۔

حَقِّ جِہاد ادا کر دیا

بہر حال بچوں نے جنگ کیا لڑنی تھی حق جہاد پورا کر دیا اپنے فرض
کی تکمیل کر دی۔ اپنی ماں کا حکم مان لیا۔ پالنے والی نے جانیں مانگی تھیں
انہوں نے بڑے ادب سے ہنسی خوشی پیش کر دیں۔ فاطمہؑ کے دودھ کی تاثیر
ہی ایسی ہے۔ علی کے خون کا اثر ہی ایسا ہے دونوں راہِ خدا میں شہید ہو گئے۔

إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

زینبؑ کی امانت

شمر نے حسینؑ سے کہا اپنے بھانجوں کے لاشے بھی اٹھالے۔ امام عالی مقام
آگے بڑھے۔ بہن کے جگر کے کٹے ہوئے ٹکڑے دونوں شانوں پر اٹھائے
اور بہن کے سامنے جا کر لٹا دیئے۔ دل پر اس قدر رقت طاری تھی کہ بہن کو
تسلی کے الفاظ بھی نہ کہے جاسکے۔ فوراً ہی خیمے سے باہر تشریف لے آئے۔

لا شے بھین دے دینداں دے نیمیاں وچ پُچا کے
روندے مڑے شیر پچھاں نوں بھین نوں ایہہ فرما کے !

سانجھ امانت اپنی بھیناں لال گئے آتیرے ! !
 کیویں دلاسا دیوانہ تینوں دس نہیں ہن میرے ! !
 کنگھی واہ جہاں دی بھیناں توں سن وال سنوارے
 خون دے بدلاں وچ اوہ ڈبے سانجھ لے نوری تارے
 (صائم چشتیؒ)

ماں کی مامتا

جناب سیدہ زینبؓ نے بیٹوں کی شہادت کا منظر پردے کی اوٹ
 میں دیکھ لیا تھا۔ آپ پیکر صبر و رضا بن کر سب کچھ دیکھتی رہیں۔ بیٹوں کو بھیجا
 بھی پوری رضا و رغبت سے تھا۔ بچوں کی شہادت آپ کی اپنی خواہش سے
 ہوئی تھی۔ مگر جب لاشیں خیمہ میں آئیں تو مامتا جاگ اُٹھی۔

ماں ماں ہی ہوتی ہے۔

ماں نبی کی ہو یا ولی کی،

غازی کی ہو یا شہید کی،

ماں کی مامتا اپنا رنگ ضرور دکھاتی ہے۔ جناب زینبؓ نے جب عون

و محمدؑ کو میدان میں بھیجا تو اس وقت دختر علیؑ کا روپ تھا اور جب بچے شہید ہو

کر خیمے میں آئے تو آپ صرف عون و محمدؑ کی ماں تھیں۔

ایسی ماں جس کی پردیس میں عمر کی کمائی لٹ جائے۔

جس کی آرزوؤں کا باغُ اجڑ جائے۔

جس کی اُمیدوں کا خون ہو جائے۔

جس کی ہری بھری گود خالی ہو جائے

جس کی اُمنگوں کا جنازہ نکل جائے۔

جس کے گھر کی بہار چلی جائے۔ جس کا گھر اُجڑ جائے۔

سیدہ زینبؓ دونوں لاشوں کے درمیان لیٹ گئیں۔ خاک و خون

میں ڈوبی ہوئی بچوں کی لاشوں کو دونوں باہوں میں لیا اور بیہوش ہو گئیں۔

پاکدامن کو پاکدامنیں پاکدامنوں سے ہوا دے کر ہوش میں لائیں

آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ اب پھر دخترِ علیؑ کے روپ میں آگئیں۔ فرمایا

ان کو ان کے ماموں جان کے پاس بھیج دیں وہ اپنے ہاتھوں سے انہیں دفن

کر دیں۔

شہزادہ علی اکبرؑ

کی تیاری

کربلا کے میدان میں ریت آگ کے انگاروں میں تبدیل ہو چکی ہے سورج آگ برسا رہا ہے زمین آگ اگل رہی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یزیدی فوج کے ظلم و تشدد کو دیکھ کر سورج بھی جلال میں آگیا ہے۔ اور وہ اپنی پوری جدت و تمازت کڑھ ارض پر پھینک کر آج ہی زمین کو جلادینا چاہتا ہے۔

لیکن جہاں ایک طرف یزیدی فوج پر آگ برس رہی ہے۔ تین دن کے پیاسے بھی اسی کی زد میں ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے نواسہ رسول کو اسی حالت میں امتحان دینا ہے کہ میدان کربلا عرصہ محشر کا سماں پیش کرے۔ آفتاب آگ برسا رہا ہو۔ زمین تپ کر تانے کی طرح ہو چکی ہو۔ اور کربلا کی ریت کا یہ عالم ہو کہ اس پر دانے بھون لئے جائیں۔

امتحان کی بلندی

اے نواسہ رسول تیرے امتحان کی بلندیوں کو کون چھو سکتا ہے۔ کون ہے جو تیری طرح ان مصائب و مشکلات کو برداشت کرتا ہو

شُکْرُ خُداوندی کرے۔ کون ہے جو ہر صدمہ کو الحمد للہ کہہ کر سینے سے لگائے۔
 اے امام علیؑ مقام! یہ تیرا ہی حوصلہ ہے، یہ تیرا ہی جگر ہے کہ بیکر
 تسلیم و رضا بن کر ہر بلا اور مصیبت کو خوش آمدید کہہ رہا ہے۔ آج تیرے
 امتحان کا تصور کرتے ہوئے بھی دل دُوب دُوب جاتے ہیں۔

یا امام سلام ہو آپ کو

سلام ہو اے امام عالی امام! تیرے صبر و تحمل کو۔

سلام ہو تیری جرأت و جوانمردی کو

سلام ہو تیرے حوصلہ و بردباری کو

سلام ہو تیری غیرتِ ایمانی کو اور

سلام ہو تیرے عزم و استقلال کو۔

اندازہ کریں اس امام برحق پر آنے والی مصیبتوں کے طوفان کا جس
 کے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے شہید کر دیا گیا اور اب اُسے میدانِ میں
 پکارا جا رہا ہو۔

ایک شیرِ برکی زندگی کو ختم کرنے کے لئے ہزاروں خونخوار کُتے اپنے
 پنجے تیز کر رہے ہیں۔

فضائے شہادت کے ایک شہباز کا لاشہ نوچنے کے لئے یزیدی
 فوجیں چیلوں اور گدھوں کی طرح پرتول رہی ہیں۔

عباس علمدارؑ اور علی اکبرؑ کی آمد

فاطمہؑ کے چاند کے گرد جن ستاروں کا ہجوم تھا وہ ایک ایک کر کے شہادت کے اُفق میں ڈوب رہے ہیں۔ خیموں کے باہر ناموس محمدؐ کا محافظ عباس علمدارؑ ہاتھ میں تلوار لئے حق و صداقت کا پرچم لہرا رہا ہے اور خیموں کے اندر ناموس رسولؐ کا محافظ شبیبہؑ رسولؐ علی اکبرؑ تلوار لئے کھڑا ہے اور اپنی وراثت کے حضور میں عرض کر رہا ہے۔ امی جان مجھے میدان میں جانے کی اجازت عطا کرو۔ میں ابّا حضور سے بھی اجازت حاصل کر لوں گا۔

حضرت اُمّ لیلیٰ نے فرمایا تم نواسہ رسول کو یہیں بلا لاؤ۔ امام عالی مقام نے پیغام سن کر ردل پر ہاتھ رکھ لیا اور کر فرمایا اللہی خیر ہو۔

پہو پھی سے اجازت مانگو

علی اکبرؑ آپ سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ آپ آئے تو۔

حضرت رباب اور جناب اُمّ لیلیٰ نے عرض کیا۔ سرتاج! علی اکبرؑ در سے ضد کر رہے ہیں کہ انہیں میدان میں جانے کی اجازت دی جائے۔ اب آپ کے فیصلہ پر بات طے ہوئی ہے۔ امام عالی مقام نے فرمایا ہماری اجازت کا سوال بعد میں پیدا ہوگا۔ علی اکبرؑ اپنی چھوٹی سوتلی اجازت حاصل کر لیں انہوں نے اُسے پالا ہے اُن کا حق ان پر ہم سے زیادہ ہے۔ اُن سے اجازت حاصل کر کے پھر ہم سے پوچھنا۔

میں اجازت نہیں دوں گی

جناب زینب تو قریب بیٹھی ہوئی یہ گفتگو خاموشی سے سُن ہی رہی تھیں۔ اپنا نام آیا تو علی کی بیٹی پکار اٹھی، علی اکبر! میں تجھے اجازت نہیں دوں گی۔ میں نے تجھے اس دن کیلئے نہیں پالا تھا کہ تیری لاش سے چٹ چٹ کر روؤں۔ علی اکبر تیرا صدقہ تو میں دے چکی ہوں۔ میں نے تجھے بچانے کیلئے تو عَوْن و محمد کو بھیجا تھا۔

علی اکبر! علی کی بیٹی تجھ پر فدا تو ہو سکتی ہے لیکن تجھے میدان میں ہرگز نہ جانے دے گی میں جانتی ہوں جب تیری لاش کو میرا ماں جایا اٹھائے گا تو اُسکی کمر ٹوٹ جائے گی۔ بیٹا! اب مجھے اس امتحان میں مِت ڈالو۔ آپ کی گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ دل دُوب گیا اور آپ بے ہوش ہو گئیں۔ علی اکبر کی والدہ نے کہا بیٹا پھوپھی کے منہ پر منہ رکھ دو۔ تمہاری زُلفوں کی خوشبو سے انہیں ہوش آجائے گا۔

علی اکبر نے فرمانِ مادر سنا تو بجائے منہ پر منہ رکھنے کے قدموں پر منہ رکھ دیا اور اپنے رُخساروں کو پھوپھی کے پاؤں سے ملنا شروع کر دیا رُخسارہ علی اکبر میں کُہر بانی اثرات تھے یا مسیحانہِ اعجاز تھا۔ جناب زینب نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔

بھتیجے کو پاؤں پر رُخسار ملتے دیکھا تو بیتاب ہو گئیں رو کر فرمایا میری

جان پھوپھی تجھ پر نثار، تیری خدمت کے قربان، تیری اطاعت پر فدا اور
پھر اُٹھ کر گلے سے لگالیا۔

پھوپھی ہوش میں آئیں تو ہاتھ جوڑ کر علی اکبر نے استدعا کی۔
پھوپھی جان خدا کیلئے مجھے اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ مجھے
آپ خود بھی اجازت دیں اور آبا جان سے بھی اجازت لے کر دیں۔ بھتیجے کو
ہاتھ جوڑتے دیکھا تو آنکھیں بھر آئیں۔ حضرت علی اکبر کے اجازت مانگنے
کا انداز ہی ایسا تھا کہ سیدہ زینب جواب نہ دے سکیں۔

اجازت مل گئی

ایک لمحہ کیلئے کچھ سوچا اور پھر فرمایا! جا میرے چاند میں تجھے
اجازت دیتی ہوں اپنی ماں سے اجازت لے لو۔ اور پھر امام حسین سے کہا
بھائی جان میں نے علی اکبر کو اجازت دے دی۔ آپ بھی سینے سے لگا کر
آخری بار پیار کر لیں۔ امام عالی مقام نے بیٹے کو سینے سے لگا کر فرمایا! بیٹے
بڑا سخت امتحان ہے۔ تیری جوانی ایسی نہیں جسے تلواروں کے سپرد کر دیا جائے
میرے لال تو شبیر رسول ہے ہم مشکل پیسر ہے میرے چاند تو!

سرورِ رواں ہے گلشنِ زہرا کا پھول ہے

سب سے سوا ہے یہ کہ شبیرِ رسول ہے

مگر مجبوری ہے کہ میں تجھے قصابوں میں بھیج رہا ہوں۔ میرے

امتحان کی مجبوری ہے۔ ورنہ تمہیں کبھی خاک اور خون میں تڑپنے کی اجازت نہ دیتا۔

بیٹے کی قربانی

سُبْحَانَ اللَّهِ! اس زمین پر ایک وقت ایسا آیا تھا کہ باپ بیٹے کی رضا حاصل کر رہا تھا۔ جناب خلیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں حکم فرمایا کہ پیارے خلیل ہماری رضا کے لئے بیٹے کی قربانی پیش کرو۔ آپ خواب سے بیدار ہوئے تو بیٹے کو حکم فرمایا مجھے اس قسم کا حکم خداوندی ملا ہے تمہارا کیا مشورہ ہے۔

قَالَ يُبْنِي اَنِّى اَرِىْ فِى الْمَنَامِ اَنِّى اَذُبْحَكَ فَاَنْظُرْ مَاذَا تَرِىْ

ترجمہ

(فرمایا بیٹے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ پس تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔

پیغمبر کا بیٹا تھا اور خود بھی پیغمبر تھا۔ نبی پیدا ہوتے ہیں نبی ہوتا ہے۔ جبین اقدس میں خون محمدی جلوہ ریز تھا۔ عرض کیا ابا جان حکم خداوندی کو پورا کیجئے۔ انشاء اللہ آپ مجھے صابروں میں پائیں گے۔

قَالَ يَا اِبْتِ افْعَلْ مَا تُمْرُسْتَجِدْنِىْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

من الصابرين

اور پھر جب ذبح کرنے کا وقت آیا تو بیٹے نے مشورہ دیا۔ ابا جان! مجھے اوندھے منہ لٹا دیں تاکہ آپ کو میری صورت دیکھ کر رحم نہ آجائے۔ اور پھر کروٹ کے بل لٹا کر بھی جناب خلیل نے اسی جذبہ کے تحت آنکھوں پر پٹی باندھ لی۔ اور پھر چھری چل گئی اور حق قربانی ادا ہو گیا۔ اسمعیل کی جگہ جنت کا مینڈھا ذبح ہو گیا۔ حکم خداوندی ہوا خلیل تم امتحان میں کامیاب ہو گئے ہم نے اسمعیل کا عظیم فدیہ دے دیا ہے۔

فلما اسلما وتلاه للجبين ونادينه ان يا ابراهيم
قد صدقت الروء يا انا كذا لك نجزي
المحسنين ان هذا هو البلوء المبين وفديناه
بذبح عظيم وتركنا عليه في الاخرين
(الصفه)

ترجمہ

پھر جب دونوں نے حکم کو تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو کروٹ پر لٹا دیا۔ اور ہم نے انہیں آواز دی۔ اے ابراہیم! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ اور وہ وقت ہی عجیب تھا ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ بیشک یہ تھا بھی کھلا ہوا امتحان۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبحیہ اس کے بدلہ میں دیا اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ

بات رہنے دی۔

بلاشبہ منی کا یہ امتحان بھی عظیم تھا اور امتحان دینے والی شخصیتیں بھی عظیم تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے یہ رسم پیچھے آنے والوں میں رہنے

دی۔

وَتَرْكُنَا عَلَيَّ فِي الْآخِرِينَ

اور لوگ ہر سال اس رسم کو زندہ بھی کرتے ہیں۔ مگر جس طرح جناب شبیر علیہ السلام نے اس رسم کو منایا ہے یہ ان ہی کا حق تھا۔ نور محمدی منتقل ہو چکا تھا یہی نور باپ کی پیشانی میں تھا تو اُس نے بغیر سوچے سمجھے نارِ نمرود میں چھلانگ لگا دی۔ پھر بیٹے کی پیشانی میں آیا تو بیٹے نے گردن چھری کے نیچے رکھ دی اور باپ کو آنکھوں پر پٹی باندھنی پڑی۔ اب وہی نور اولادِ فاطمہ میں منتقل ہو چکا ہے۔

اب باپ میں بھی وہی استقامت ہے اور بیٹے میں بھی وہی

استقامت ہے۔

وہاں باپ نے پوچھا تھا بیٹا تمہاری کیا رائے ہے۔

یہاں بیٹا سوال کرتا ہے ابا جان مجھے قربان ہونے کی اجازت دی

جائے۔

وہاں باپ نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی تھی۔

یہاں باپ کو سارا نظارہ آنکھوں سے دیکھنا ہے۔

وہاں باپ کے ہاتھوں میں چھری تھی،

اور یہاں بیٹا قصابوں میں جا رہا ہے۔

وہاں جن فرائض کی ابتدا ہوئی تھی

یہاں ان فرائض کی انتہا ہو رہی ہے ابراہیم کی قربانی کو اولادِ ابراہیم

پایہ تکمیل تک پہنچا رہی ہے

غریب و سادہ ورنگیں ہے داستانِ حرم

نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسمعیل

وہ قربانی تھی پہلی امتحاں گاہِ محبت میں

رہے دو محترم ثابت قدم راہِ محبت میں

تھی اب تک سُرخِ افسانہِ خلّت یہ قربانی

مگر دُنیا نے دیکھا کربلا میں منظرِ ثانی

جہاں میں مدتوں کے بعد پھر اک انقلاب آیا

اُٹ کر پھر وہی دُورِ خلیلی بے حجاب آیا

ہوا نسلِ خلیل اللہ میں ابنِ علی پیدا

ہوئی گلزارِ ابراہیم میں تازہ کلی پیدا

رضائے حق وہاں موقوف تھی بیٹے کی مرضی پر
وہاں تھی ثبت مہرِ لختِ دل والد کی عرضی پر

یہاں بیٹا مگر ہے باپ سے اس بات کا خواہاں
پدرِ کر دے خدا کی راہ میں بیٹے کو جو قرباں
﴿حسنِ رضا﴾

ادھر خلیل علیہ السلام نے جب بیٹے کو قربان ہونے کیلئے رضا مند
دیکھا تو آپ انہیں شہر سے دُور الگ ایک ایسی جگہ پر لے گئے جہاں اس منظر
کو ان کی ماں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے۔ مگر جب علی اکبر تیار ہوتے ہیں تو
ان کی ماں خود ہتھیار پہناتی ہے۔

اپنی اولاد سے بھی زیادہ محبت کرنے والی پھوپھی جان خود تیار کرتی
ہیں۔ اور علی اکبر کے والد گرامی ان کے جسم پر اپنے ہاتھوں سے ہتھیار بجاتے
ہیں۔ کیوں کہ تکمیل ذبحِ عظیم تو اسی کو کہتے ہیں۔

وہاں رسی سے باندھے ہاتھ پاؤں صبر فرما کر
لٹایا خاک پر بیٹے کو بستی سے الگ جا کر

یہاں اللہ اکبر اندرونِ خانۂ اطہر
بنائے جارہے ہیں خیر سے دُولہا علی اکبر

شہادت کا پسر کو باپ خود جوڑا پہناتا ہے
لباسِ جنگ سے جسمِ مُنور کو سجاتا ہے

عبائے سرورِ عالم تھی ذالی جسمِ اطہر پر
شہِ خیر کے پچکے سے کمر باندھی گئی کس کر

سرِ انور پہ رکھا خود اپنی زرہ پہنائی
بڑھی کچھ اور بھی ہمیشگی پیغمبر کی رعنائی

سجائے دست و بازو نیزہ و شمشیر و خنجر سے
دُعا مانگی اٹھا کر دستِ رحمت رب اکبر سے

(حسن رضا)

خُدا وَندِ جہاں مُقبُول ہو میرا یہ نذرانہ
 الٰہی تحفہ درویش ہے مقبول فرمانا
 (صائمِ چشتی)

اور پھر علی اکبرؑ کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا۔ میرے لال! میں
 تیرے لئے استقامت کی دُعا کرتا ہوں اور تو میرے لئے استقامت کی دُعا
 کر۔ مجھے تیری شہادت کا سارا منظر آنکھوں سے دیکھنا پڑے گا اور یہ میرے
 لئے بہت بڑا امتحان ہے۔ اپنی جان دے دینے سے بھی زیادہ سخت امتحان۔
 خُداوندِ کریم دونوں کو اس امتحان میں کامیاب کرے۔ میرے چاند! ہم
 دونوں ہی امتحان دے رہے ہیں۔ تو قربان ہو کر امتحان دے گا اور میں تجھے
 قربان ہوتے ہوئے دیکھنے کا امتحان دوں گا تیرا قربان ہونا بھی بہت بڑا
 امتحان ہے اور تجھے قربان ہوتے دیکھنا بھی بہت برا امتحان ہے۔ خُدا حافظ
 اللہ تعالیٰ تیری قربانی قبول فرمائے۔ میرے چاند تھوڑی دیر بعد ہم بھی آرہے
 ہیں۔ اور پھر ہم سب کی حوضِ کوثر پر ملاقات ہوگی۔

دُعا دے کر کہا نُوْرِ نَظَرِ جاوِ خُدا حافظ
 رہِ حقِّ میں عُدو سے جنگ فرماؤ خُدا حافظ
 حضرت علی اکبرؑ نے باپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ ماں کو سلام کیا،
 چھو پھٹی کے قدموں کو چوما اور دیگر اہل بیت کو اَلوداعی سلام کہتے ہوئے خیمہ
 سے باہر آ گئے۔

علی اکبرؑ کی شہادت

قدمِ باہر ہوا خیمے سے جب نورِ مجسم کا

حجابِ مشرقِ انوار سے مہر میں چمکا

علی کے لال کا لال، خدا کے شیر کا شیر، ہمشکل پیغمبرِ شہزادہ علی اکبرؑ
جب نعرہٴ تکبیر بلند کرتے ہوئے میدانِ کارزار میں گیا تو عمر و سید نے اپنے
سواروں کو حملہ کرنے سے روک دیا۔ اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور جنابِ علی
اکبرؑ کے قریب آ گیا۔

اور پھر شہزادہ حسینؑ کو اس طرح مخاطب کرتا ہے۔ علی اکبرؑ مجھے
تیری جوانی پہ ترس آ گیا ہے۔ اور تیری شکل بھی رسول اللہ سے ملتی ہے۔ اسلئے
میری خواہش ہے کہ تم اپنی اٹھتی ہوئی جوانی پہ رحم کرو۔ اور میرا ایک مشورہ مان
لو بہت نفع میں رہو گے۔

سوال و جواب

حضرت علی اکبرؑ نے فرمایا تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ عمرو نے کہا کہنا یہ
چاہتا ہوں کہ تم اپنے باپ کا ساتھ چھوڑ کر میری طرف آ جاؤ۔ میں تمہیں مکمل
امان دیتا ہوں۔ میں ابنِ زیاد و یسرہ سے ہر قیمت پر تمہیں بچاؤں گا۔ تم اہل

بیت کے چشم و چراغ ہو۔ اس لئے جلد ہی لوگوں کی نگاہوں میں اچھا مقام حاصل کر لو گے۔ میں تمہیں بہت زیادہ مال و دولت بھی دوں گا۔ تم بہت خوبصورت ہو اس لئے میں نہیں چاہتا کہ تم قتل کئے جاؤ۔

شہزادہ علی اکبر نے فرمایا!

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

تو شیطان ہے

شیطان مجھ میں شیطانی روح تحلیل ہو گئی ہے۔ تو مجھے اُسی طرح دھوکہ دینا چاہتا ہے جس طرح ابلیس نے حضرت ذبیح اللہ کو پٹی پڑھانا چاہی تھی۔

مردود مجھے ابن رسول کا ساتھ چھوڑنے کو کہتا ہے بدطینت جان رسول کو قتل کرنا چاہتا ہے اور تصویر پر رسول کو بچانا چاہتا ہے۔

سُعدیاب کے شقی القلب بیٹے! میں تیری طرح نہیں ہوں کہ اپنے باپ کا دامن چھوڑ دوں۔ تیرا باپ جان رسول کی دُھال بنا ہوا تھا اور تو جان رسول پر تیرا سارا ہا ہے۔

بدفطرت ظالم! تمہارا یہ خیال ہے کہ تم نواسہ رسول کو شہید کر کے حکومتوں کے مالک بن جاؤ گے

تمہارا یہ خیال بھی لغو ہے کہ تم ہمیں شہید کر کے فتح یاب ہو جاؤ گے۔

فتح حق کی ہوتی ہے

یاد رکھو! فتح حق کی ہوتی ہے اور حق ہمارے ساتھ ہے۔ ہم قتل ہو کر بھی انشاء اللہ فاتح کہلائیں گے اور تم ہمیں شہید کر کے بھی اپنے دامن میں شکست کی سیاهی لے کر جاؤ گے۔ عمر و نے کہا جو بھی ہوگا دیکھا جائیگا۔ میں نے ایک اچھا مشورہ تمہیں دیا تھا قبول کرنا یا نہ کرنا تمہاری مرضی ہے۔ دیکھو تمہیں پیاس نے کس طرح نڈھال کر دکھا ہے۔ ہمارے ساتھ مل جاؤ گے تو ٹھنڈے پانی کے مشکیزے تمہارے سامنے ہوں گے۔ حضرت علی اکبرؑ نے فرمایا خاموش ہو جاؤ اب کوئی مشورہ نہ دینا اور سن لے کہ:-

خواہش پہ ہمیں ٹوٹ کے گرنا نہیں آتا
پیاسے ہیں مگر چشمہ کوثر پہ کھڑے ہیں
اور پھر بلند آواز سے فرمایا:-

اِنَّا عَلٰی بَنِ حُسَيْنٍ
نَحْنُ وَرَبُّ الْبَيْتِ اُولٰٓئِیْ بِالسَّبِّی
تَا لَیْلَہ لَا یَعْمَلُکُمْ فِیْنَا اِبْنِ الدَّعٰی
میں علی اکبرؑ بن حسینؑ بن علیؑ ہوں۔

رَبِّ کعبہ کی قسم ہم قربت رسولؐ کے زیادہ مستحق ہیں۔

خدا کی قسم نامعلوم باپ کا بیٹا ہم پر حکومت نہیں کر سکے گا

یزیدیوں کا حملہ

اور پھر عمرو سے کہا اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ ہاں اگر مقابلہ کی ہمت ہے تو آگے بڑھ آؤ۔ تاکہ تم پر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ حق کس طرف ہے۔ عمرو سعد نے مجاہدانہ لکار سنی تو کانپ کر رہ گیا اور پھر اپنی فوج کو اشارہ کر دیا کہ آگے بڑھ کر حملہ کر دو۔

یزیدیوں نے پوری قوت سے حملہ کیا تھا مگر سامنے تو عزم و یقین کی چٹان تھی۔

طاقت و جرأت کا پہاڑ تھا،

غیرت و ایمان کی سیسہ پلائی ہوئی دیوار تھی۔

حملہ آوروں کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ مقابلہ کس سے ہے۔ علی اکبر کی تلوار تھی یا قہر خداوندی۔ کشتوں کے پستے لگا رہی تھی۔ جدھر پڑتی خون کی برسات ہو جاتی۔

بجلی سی وہ شمشیر چمکتی جدھر آئی
ہر غول میں بُوچھاڑ سروں کی نظر آئی

پکا جو لہو منہ سے شرارے نکل آئے

دُریا سے گُہر، اُبر سے تارے نکل آئے

سر پر کبھی چمکی تو جگر تک اُتر آئی
سینے کو کیا چاک تو زیرِ سکر آئی

بجلی نے پناہ مانگی یہ کام وہ کر آئی
خود رُحوں کو سکتہ تھا کب آئی، کدھر آئی

رُہوار کو کاٹا نہ مڑکی خانہ زیں پر
گویا کہ گری چرخ ہے اک برق زمیں پر

غُل تھا کہ تیر پھینک دو بھالوں کو ہٹاؤ
نزدیک سے چار آئینہ والوں کو ہٹاؤ

تا دُور زرہ پوش رسالوں کو ہٹاؤ
ہے سر پہ بلا آہنی دُھالوں کو ہٹاؤ

میدان میں تلوار بنی، پھرتی ہے بجلی

سُنتے ہیں کہ لوہے پہ بہت گر تھی ہے بجلی
(میرائیس)

جہاد اکبر ہو رہا ہے

تیغ اکبر چل رہی ہے۔ جہاد اکبر ہو رہا ہے۔ رب اکبر دیکھ رہا ہے۔
فرشتے داد دے رہے ہیں خوریں واہ واہ کہہ رہی ہیں۔ سورج حیدر کراڑ کے
پوتے کا جلال سمیٹ سمیٹ کر اور گرم ہوتا جا رہا ہے۔

آثارِ قہرِ حضرتِ باری تھے دشت میں
دوزخ میں دوزخی تھے کہ ناری تھے دشت میں

جو نامور بڑے تھے جگر اُن کے پھٹ گئے
باگیں جو دُر کر کھینچ لیں گھوڑے اُلٹ گئے

(میرائیس)

شہد اکا خون چاٹ چاٹ کر دھوپ کا رنگ آگ کے شعلوں کی
طرح سُرخ ہو چکا ہے۔ جناب علی اکبر کی ضربیں برابر دشمنوں پر پڑ رہی ہیں
یزیدی فوج قمر بنی ہاشم کے آگے اس طرح دوڑ رہی ہے جیسے چاند کے آگے
آئے ہوئے بادل تیز ہوا کی زد سے اڑتے پھرتے ہیں۔ علی کا شیر جب
یاعلیٰ کا نعرہ لگاتا ہے تو دشمنوں کو تھر تھری آ جاتی ہے۔

اُبرسہ سے برق کا جلوہ رُکا نہیں
موجوں کے دام سے کبھی دُریا رُکا نہیں
(میر انیس)

گھوڑے زخمی ہو رہے ہیں۔ سوار گر رہے ہیں۔ حیدر کا شیر تین دن
کا پیاسا ہے پسینے میں شرابور ہے۔ مگر قوت پروردگار کا وہ مظاہرہ کرتا ہے کہ
حیدر کراڑ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ دشمنوں کے سر بھی کٹ کٹ کر گر رہے
ہیں۔ اور ان کے ہتھیار بھی ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ ریت کے گولے اُڑ
رہے ہیں۔ ہوا آتی بھی ہے تو آگ کی طرح گرم اور کربلا کی دو پہر
الَامَانُ وَالْحَفِیْظُ

یوں کربلا کی دُھوپ تھی گرد و غبار میں
ہو جس طرح کفن کی سفیدی مزار میں

اکبر کا جسم پیاس کی حدت سے گرم ہے
جنگل تمام دل کی حرارت سے گرم ہے

دامن پھٹے پڑے تھے نشانوں کے جا بجا
ٹکڑے چمک رہے تھے سنانوں کے جا بجا

علی اکبر باپ کی خدمت میں

بے پناہ زور کا حملہ تھا۔ دشمنوں کو ہوش نہیں تھا اُن کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ شبیرؑ کے چاند نے شام کے بادلوں کا سینہ چیرتے ہوئے گھوڑے کی عنان موڑ لی۔ اور چشمِ زدن میں امامِ عالی مقام کے حضور پہنچ گئے۔ ابنِ حیدرؑ کے دربار میں ہدیہء سلام پیش کیا اور عرض کیا! ابا حضور کاش دو گھونٹ پانی مل جاتا تو میں ان درندوں کو ختم کر کے دم لیتا۔ شبیرؑ نے سرد آہ بھر کر فرمایا بیٹا! پانی تو آبِ حوضِ کوثر پر ہی ملے گا۔ آپ کو یہ فرض بغیر پانی پئے ہی ادا کرنا ہے۔

علی اکبر کا پیغامِ بہن کے نام

علی اکبرؑ نے سرِ نیاز جھکایا اور واپس مڑ گئے دل میں کسی کی یاد نے انگڑائی لی تو رُخِ آنورِ مدینہ منورہ کی طرف کر لیا۔ اور کہا! پیاری بہن مجھے معاف کر دینا یہ میں تیرے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا نہ کر سکا۔ صغریٰ! مجھے معلوم ہے کہ اب تو میرا انتظار کر رہی ہے۔ پیاری ہمشیر میں جانتا ہوں کہ تو علی اصغر سے ملنے کیلئے کس قدر بے چین ہے۔ مگر قدرت کو یہی منظور تھا کہ میں تیری جدائی کے غم کا داغ سینے میں لیکر دنیا سے جاؤں۔

پیاری بہن! اگر تو میرے لئے بیقرار ہے تو میرا سینہ بھی تیرے غم سے نگار ہے۔ پھر بھی میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں، مجھے معاف کر دینا

صُغریٰ بہن مجھے معاف کر دینا۔

اور پھر آپ میدانِ کارزار میں اُسی طرح سیفِ حیدری کے جوہر دکھانے لگے جس طرح پہلا حملہ حیدری کیا تھا۔

ہم مشکل پیسیر حملے کر بھی رہا ہے اور حملے روک بھی رہا ہے۔ آپ پر تلواریں بھی برس رہی ہیں اور تیز بھی برس رہے ہیں۔ بڑچھیاں بھی اُٹھ رہی ہیں اور نیزے بھی چل رہے ہیں۔ جسمِ اقدس پر کئی زخم آچکے ہیں۔

وہ گلزارِ فاطمہ خاں رو میں گھر گیا

تنہا علیؑ کا لال ہزاروں میں گھر گیا

﴿میر انیس﴾

صُغریٰ کو ہوا کے ہاتھوں پیغام بھیجنے والا علی اکبر زخموں سے چوپڑ ہو چکا ہے۔ موت حیاتِ ابدی کا پیغام لیکر آگے بڑھتی آتی ہے حیاتِ ظاہری کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہوتا جاتا ہے۔

موت بڑھتی آرہی ہے حیات سستی جا رہی ہے، اکبر جا رہے ہیں صُغریٰ انتظار کر رہی ہے۔

ایدھر اکبر تے چل گئیاں ظلم دیاں شمشیراں

اودھر بھین اڈیکاں کر دی خط نہیں گئیاں ویراں

نازک جسم جوان اکبر دا وَھیا خونی تیراں
چیریاں خونی تیغاں صائم نبی دیاں تصویراں
﴿صائم چشتی﴾

رَشکِ قمرِ گرا

حیدر کا شیر زخموں کے باوجود اُسی دم غم سے تلوار چلا رہا ہے کہ مرہ
بن منقذِ عبیدی ملعون نے تلوار کا ایسا وار کیا کہ شبیرِ رسول لڑکھڑا کر گھوڑے
سے نیچے گر گئے۔

خوروں نے کہا! حیدر کے آفتاب کا رشکِ قمرِ گرا
فرشتے پکارا اُٹھے! زہرا کے نورِ عین کا نورِ نظرِ گرا
ہمیشگیل پیسیر کے چمکتے ہوئے متور سینے پر زخمِ اس طرح معلوم ہو
رہے تھے جیسے ساحلِ سلسبیل پر سُرخ جوڑے پہن کر جوڑیں بیٹھی ہوں،
جیسے سنگِ مرمر پر یاقوت و مرجان کی مینا کاری کر دی گئی ہو،
جیسے سورج کے چہرے پر افشاں چُن دی گئی ہو،
جیسے لوحِ محفوظ پر زعفران سے قرآن کی آیات لکھ دی ہوں،
جیسے چاند پر گلاب کھل اُٹھا ہو، جیسے آئینے پر پُھول بکھیر دیئے گئے

ہول۔

رُخِمْ اِس شَکْلِ سَے آتے تھے نَظَرِ سَینے مِیں
جِس طَرَح پُھول بَچھا دیتے ہِیں آئیے مِیں

سخت امتحان

اور پھر عمرو بن سعد اور شمیر کی مکروہ آوازیں فضا میں ابھریں۔ حسین
جوان بیٹے کی لاش اٹھا لو۔ ابھی یزید کی اطاعت نہ کرنے کا مزہ اور بھی چکھنا
پڑے گا۔

امام عالی مقام آگے بڑھ آئے، بڑا سخت امتحان تھا، بڑا مشکل
وقت تھا، انتہائی آزمائش و ابتلا کی گھڑیاں تھیں۔ ابھی آپ نے قدم اٹھایا ہی
تھا کہ جناب زینبؓ خیمہ سے چیختی ہوئی باہر نکل آئیں۔ آپ کی فریاد پر کر بلا کا
ذرہ ذرہ فریاد کرنے لگا۔ آپ نے آگے بڑھ کر بہن کا ہاتھ پکڑ لیا۔

بیاری بہن! صبر کرو اور واپس خیمے میں تشریف لے جاؤ۔ ثم علیؓ کی
دختر ہو علیؓ کے حوصلے سے کام لو، ثم فاطمہؓ کی بیٹی ہو فاطمہؓ کا صبر دکھاؤ۔ جاؤ
میری ہمیشہ حسینؓ کو نئے امتحان میں نہ ڈالو میری تو پہلے ہی کمر ٹوٹ چکی ہے
جناب زینبؓ روتی پڑتی واپس چلی گئیں۔

امام حسینؓ جوان بیٹے کی لاش پر پہنچے۔ صُبح سے لاشیں اٹھا رہے تھے
مگر یہ ہمیشہ کی پیہر کی لاش ہے،

شہید مصطفیٰؐ کی لاش ہے۔ انتہائی مشکل امتحان ہے

جنابِ خلیل سے بھی زیادہ مشکل جب اُن پر بیٹے کی لاش اُٹھانے کا وقت آیا تو بیٹا سامنے مسکرا رہا تھا اور مینڈھا زنج ہو چکا تھا۔ مگر امامِ عالی مقام کے سامنے جو ان بیٹا خون میں لت پت پڑا ہے۔

آزمائش کی گھڑی

کس قدر شدید آزمائش کی گھڑی ہے۔ صبر کے دامن کو بھی دُخدار ہونے سے بچانا ہے اور شبیہِ مصطفیٰ کی لاش کو بھی اُٹھانا ہے۔ جو ان بیٹے کی میت کو اُٹھانا ہے اُنگوں اور آرزوؤں کے جنازہ کو اُٹھانا ہے۔ کیسے اُٹھاتے کمر تو ٹوٹ چکی تھی۔ کمائی تو لٹ چکی تھی، ارمان تو اُڑ چکے تھے۔ جان تو نکل چکی تھی، زور تو ختم ہو چکا تھا زینب کے گھر کی روشنی تو شام کے اندھیروں نے چھین لی تھی۔

تو تھی جس کی دل کو اُسی کا ہے دل پہ داغ
جو گھر کی روشنی تھا وہ تھا بُجھ چکا چراغ

دستِ اَلَم سے جیبِ قبا تارتا رہے
ٹوٹی مہوئی کمر ہے کلیجہِ فگار ہے

(میر انیس)

امام عالی مقام کے دل پر گزرنے والی کیفیت کو کس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

گھر جس شکستہ دل کا لٹے اُس سے پوچھئے
اکبر سا لال جس کا چھٹے اُس سے پوچھئے

تصویر مصطفیٰ خون میں ڈوب گئی

اٹھارہ سال جس بوئے کو آرزوؤں کا پانی دے کر پالا تھا وہ تو کٹ چکا ہے جسے بڑھا پے کا سہارا بننا تھا وہ عصا تو ہاتھوں سے چھوٹ چکا ہے۔
آنکھوں کا نور چھن چکا ہے۔ بینائی کیسے کم نہ ہوئی۔ راحتِ جاں نے تو دم توڑ دیا ہے راحت کہاں سے آتی۔ تصویرِ مصطفیٰ تو خون میں ڈوبی ہوئی ہے دنیا اندھیر کیوں نہ ہو جاتی۔

کاش ہے جان کے لئے رشکِ قمر کا داغ
روزِ سیاہ دکھاتا ہے نورِ نظر کا داغ
(میرانس)

پیری کا جو عصا تھا وہ ہاتھوں سے چھٹ گیا
اکتِ عمر کا ریاضِ ضعیفی میں لٹ گیا

راحت کہاں کہ راحتِ جانِ پدر نہیں

بینائی کیوں نہ کم ہو کہ نورِ نظر نہیں

تصویر مٹ گئی جو رسالت پناہ کی
دُنیا اُندھیر ہو گئی آنکھوں میں شاہ کی

بہر کیف! قافلہ سالارِ عشق اور مرکزِ پُرکارِ عشق امتحانِ گاہِ عشق میں
اپنی آرزوؤں کا لاشہ اٹھانے کے لئے آگے بڑھے اور

جھک کر کبھی کی آہ کبھی دل کو سنبھالا
بِسل نے تڑپتے ہوئے بِسل کو سنبھالا
(میر مونس)

امام کی دُعا

اور پھر پیکرِ صبر و رضا اور مجسمہٴ تسلیم و استقامت نے جوان بیٹے کی
خاک و خون میں لٹھری ہوئی لاش کو کندھوں پر اٹھالیا۔ اٹھایا پر اٹھایا نہ جاتا تھا
بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:-

اللہ میرا یہ نذرانہ قبول فرمائے۔

حسینؑ کے گھر میں سب سے پیاری چیز یہی تھی جو بصدِ عجز و خلوص

پیش کر رہا ہوں۔

یا اللہ تو نے مجھ سے امانتیں مانگی تھیں میں واپس کر رہا ہوں۔ میرا نام اَمینوں میں لکھ لینا۔

اے اَکرم الحاکمین مجھے میرے نانا کے حضور سُرخ رو کر دینا۔

یا اللہ میری ماں فاطمہؑ کی ردائے صبر پر داغ نہ آنے دینا۔

یا اللہ مجھے اور بھی صبر و استقامت عطا فرما یہ دُعا کرتے ہوئے

شہیدوں کے سردار لاشہ اکبرؑ کو لے کر پاکدامنوں کے خیمہ کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔

جدوں لاش اکبری خیمے چہ آئی
سیکنہ نے رورو کے پانی دوہائی

ہٹو اگوں مینوں وی دیکھن تے دیو
کیویں سہرے لا میرا ویر آگیا اے

تک ویرن دے لاشے تائیں تڑپ گئی ہمشیرہ
اک تے گل اخیرى کر لے بھین لئی دیا ویرا

قیا مت کی گھڑی

جناب سیکنہ بھائی کی لاش سے چٹ جاتی ہیں اور بھائی کی لاش سے مل کر چہرہ خون آلود کر لیتی ہیں۔ جناب ام لیلیٰ نے جوان بیٹے کا لاشہ دیکھا تو کلیجے پر ہاتھ رکھ کر بے ہوش ہو گئیں۔ جناب نہیب بھتیجے کی لاش پر گری ہوئی فریاد و فغاں کر رہی ہیں۔ جناب شہر بانو الگ تڑپ رہی ہیں۔ بیمار عابد کو بخار کی تیزی اور شدت پیاس نے بیہوش کر رکھا تھا۔ پاکدامنوں کی درد و اَلَم میں ڈوبی ہوئی فریاد نے بے ہوشی کے جال کو توڑ دیا۔

بڑی مشکل سے اٹھ کر بیٹھ گئے اور جوان بھائی کا لاشہ دیکھا تو ہائے اکبر کہہ کر تڑپنے لگے امام عالی مقام نے آگے بڑھ کر تسلی دی۔ جناب زین العابدین نے باپ کی طرف دیکھا تو آنسو آ گئے۔

سُرخ سُرخ آنسو بالکل خون کے قطرے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کلیجہ کٹ کٹ کر آنکھوں کے راستے بہنے لگا ہو۔

امام عالی مقام نے دستار کے پلڑے میں بیٹے کے آنسو جذب کئے تو کپڑے پر بھی جناب سجاد کے آنسوؤں کے سُرخ دھبے آ گئے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ امام عالی مقام نے بیٹے کی آنکھوں سے بہنے والے خون کا صدمہ کس طرح برداشت کیا ہوگا۔

آپ نے بیٹے کو سہارا دے کر لٹایا، پاکدامنوں کو صبر کی تلقین فرمائی

547

اور علی اکبر کی لاش کو دفن کر دیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

یارب کسی کا نخل تمنا قلم نہ ہو
سب دکھ ہوں پر فراق پسر کا اَلَم نہ ہو

jabir.abbas@yahoo.com

حضرت علی اصغرؑ

کی شہادت

کون اندازہ کر سکتا ہے اس المناک منظر کا اور کون قلمبند کر سکتا ہے اُس دردناک نظارے کو کہ ادھر تو امام عالی مقامؑ کے ساتھی ایک ایک کر کے داغِ مفارقت دیتے جا رہے ہیں۔ اور ان شہداء کی لاشوں کے ٹکڑے میدانِ جفائیں بکھرے پڑے ہیں اور دوسری طرف محمد مصطفیٰؐ کی بہو بیٹیاں اس ہولناک اور وحشت ناک نظارے کا پردوں کی اوٹ سے مشاہدہ کر رہی ہیں ان کی مصیبت کا تصور کرتے ہوئے بھی دل تڑپ جاتے ہیں۔ بدن کارواں رواں کانپ اٹھتا ہے اور آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔

امام عالی مقام کی کیفیت

اور پھر محمد عربیؐ کے نواسے کے دل کی کیفیت کو کس طرح بیان کیا جاسکتا ہے جس کے ساتھی بھی ایک ایک کر کے بچھڑتے جا رہے ہیں۔ اور جس کو پردہ نشینوں کا بھی غم ہے۔ جن کی دُبی دُبی چیخیں اور ہسکیاں خیموں سے بار بار اُبھرتی ہیں اور کربلا کی فضاء کو غم آلود کر کے دم توڑ دیتی ہیں۔

خیمہ کا اندرونی منظر

خیمہ کا اندرونی منظر میدانِ کربلا سے بھی زیادہ رقت انگیز اور دردناک ہے۔ تمام بیبیاں زار و قطار رو رہی ہیں اور حسرت و یاس سے ایک دوسری کا مُنہ دیکھ رہی ہیں۔ سیدہ نُسب الگ تڑپ رہی ہیں، جنابِ اُمّ لیلیٰ اور جنابِ شہر بانو الگ فریاد و فغاں کر رہی ہیں۔ سب کے لب سُوکھے ہوئے اور رو کر آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں جنابِ شہر بانو نے ایک ننھا سا بچہ ہاتھوں پر اٹھایا ہوا ہے اور اس بچے کی حالت یہ ہے کہ:-

تھا فرطِ غم سے ننھا سا مَکّا دُھلا ہوا
باندھے ہوئے تھا مٹھیاں اور مُنہ کُھلا ہوا

جنابِ اُمّ لیلیٰ اُس کو دامن سے ہوا دے رہی تھیں اور جنابِ سیدہ نُسب سلام اللہ علیہا اپنی خُشک زبان پر اُنکی پھیر پھیر کر اُس کے لبوں پر پھیر رہیں تھیں۔

ماں کی التجاء

امام عالی مقام نے ننھے سے چُھول کو اس طرح مرجھایا ہوا دیکھا تو شدتِ غم سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر جذبات پر قابو پاتے ہوئے فرمایا! اُخدا آپ سب کو صبر کی توفیق عطا کرے، مجھے کیوں بلایا ہے؟

جناب شہر بانو نے عرض کیا یا امام! ایک طرف میرے زین العابدین کو شدت کا بخار چڑھا ہوا ہے اور وہ جب بخار کی بیہوشی میں پانی کا سوال کرتا ہے تو ہم سب تڑپ کر رہ جاتی ہیں، اور دوسری طرف اس ننھی سی جان کا یہ عالم ہے کہ شدتِ پیاس سے بار بار بیہوش ہو رہا ہے۔

میں اپنے غیور سرتاج کی غیرت کا مقام سمجھتے ہوئے بھی یہ التجاء کروں گی کہ آپ اس بچے کیلئے دو گھونٹ پانی کا ضرور انتظام فرمائیں۔
چلو سے زیادہ تو یہ پیاسا نہ پئے گا (میرمونس)

امام عالی مقام نے فرمایا! اے میری رفیقہ حیات کاش تو مجھے اس امتحان میں نہ ڈالتی میں نے تو آج تک کسی کے آگے دستِ سوال دراز ہی نہیں کیا۔ پھر میں کس طرح قومِ اشتیاق سے پانی مانگ سکوں گا، مجھے تو سوال کرنے کا طریقہ ہی نہیں آتا، میں تو سخی ابنِ سخی ہوں۔ ہم تو دوسروں کے سوال پورے کرنے اور سانکوں کی جھولیاں بھرنے کے لئے دنیا میں آئے ہیں اور پھر ان ابدنی اور شفقی القلب لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا تو میرے لئے نہایت دشوار ہے۔

جناب رباب ہاتھ جوڑ کر کھڑیں ہو گئیں اور کہا! سرتاج میں جانتی ہوں کہ آپ سخی ابنِ سخی ہیں اور اس لئے ہی آپ کے درِ اقدس پر سائل بن کر کھڑی ہوں۔ آپ نے کبھی کسی سائل کا سوال مُستر نہیں فرمایا میں آپ کو خدا و رسول کا واسطہ دیتی ہوں، جناب علی شیر خدا کا صدقہ مانگتی ہوں اور

جناب زہرا بتول کی ردا کا صدقہ مانگتی ہوں، مجھے محروم نہ فرمانا اے گلِ ریاضِ بتول اور شمعِ شبستانِ رسول مجھے مایوس نہ کرنا۔ میں اپنے لئے نہیں، بیمار عابد کیلئے نہیں، بناتِ بتول اور پیاس سے کی شدت سے تڑپتی ہوئی سیکنہ کیلئے نہیں صرف اور صرف اس بچہ کیلئے ایک گھونٹ پانی مانگتی ہوں۔

آپ اسے گود میں اٹھا کر لے جائیے اور دشمنوں سے فرما دیجئے کہ ہم اپنے لئے نہیں مانگتے صرف اس دم توڑتے بچہ کے لئے دو گھونٹ پانی دے دو اس نے تو شہارا کوئی نقصان نہیں کیا۔ جنابِ نِیب و کثوم اور جنابِ اُمّ لیلیٰ نے بھی رو کر جنابِ زباب کی تائید کی۔

بیٹی کی التجاء

حضرت سیکنہ کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے اور وہ خود بھی پانی کے ایک گھونٹ کے لئے بیتاب ہو رہی تھیں۔ حضرت سیکنہ کا گلا بھی خشک اور زبان بھی خشک تھی شدتِ پیاس سے آنکھیں ابلی پڑی تھیں اور بار بار غش آرہا تھا۔ مگر ہمت کر کے آگے بڑھتی ہیں اور والدِ گرامی کے قدموں پر سر رکھ دیتی ہیں۔ گلے پر ہاتھ پھیر پھیر کر گلا صاف کر کے بمشکل تمام یہ عرض کرتی ہیں۔

ابا جان! امی سچ کہتی ہیں، پھوپھی ٹھیک کہتی ہیں میں اپنے لئے پانی کا سوال ہرگز نہ کروں گی آپ میرے ننھے ماں جائے کیلئے دو گھونٹ پانی مانگ لائیں۔ جس کے بھیا قاسم اور اکبر پانی کے بغیر شہید ہو گئے۔ وہ پانی

کیا مانگے گی، مجھے نہیں آپ میرے اصغر چاند کو ایک گھونٹ پانی پلا دیں اسے خوش دیکھ کر میری پیاس خود ہی بجھ جائیگی۔

بچی کی گفتگو نے امام مظلوم کو لرزا کر رکھ دیا اور پھر آپ نے ٹھنڈی آہ بھر کر معصوم کو گود میں لیکر بارگاہ ایزدی میں عرض کیا۔ یا اللہ! مجھے ناموس محمد نے تیرا واسطہ دے کر مجبور کر دیا ہے۔ یا اللہ! تو نے مجھے دوسروں کا سائل بننے سے محفوظ رکھا ہے۔ یا اللہ! مجھے استقامت نصیب فرما اور آپ اپنے خیمے سے باہر آگئے۔ اصغر کو دونوں ہاتھوں پر اٹھایا ہوا تھا۔

اصغر تھا ایسے سبطِ پیغمبر کی گود میں
قرآن ہو جیسے ہاتھ میں قرآن لئے ہوئے
(صلائم چشتیؒ)

پھر آپ ننھے اصغر کے لبوں پر اُننگی پھیرتے ہوئے اس طرح مخاطب کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں اے غنیہ دہن اے میرے پیاسے
بتلاؤ مجھے کیا میں کہوں اہلِ جہنم سے

گھلتی ہی نہیں میری زباں فرطِ حیا سے
میں نے توجہ مانگا ہے وہ مانگا ہے خدا سے

آدنی سے جی مانگے یہ دستور نہیں ہے
اب صبر کرو نہر کہیں دُور نہیں ہے

معصوم کو پانی دے دو

اور پھر آپ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں
یزیدی فوج اپنے اپنے مقام پر رُک جاتی ہے۔ ہر شخص امام عالی مقام کا اس
انداز سے میدان میں آنا حیرت سے دیکھ رہا ہے، شدت کی گرمی ہے، آگ
برساتی ہوئی جسموں کو جھلستی جا رہی ہے ننھا سا پھول اور بھی مڑ جھایا جاتا ہے
آپ نے اُس پر دامن کا سایہ کیا ہوا ہے۔

شاہ روکتے ہیں دھوپ کو دامانِ عبا سے
ٹھنڈا ہوا جاتا ہے بدن گرم ہوا سے

﴿انہیں﴾

امام عالی مقام کے ہاتھوں میں معصوم علی اصغر کو دیکھ کر رضوانِ جنت
ایک دوسرے کو یوں کہتے تھے۔

وہ دیکھو اُدھر شہ والا کے پسر کو
خورشید نے ہاتھوں پہ اٹھایا ہے قمر کو

فرشتے دیکھ رہے ہیں

حُوریں اور فرشتے دم بخود ہو کر اس منظر کو دیکھ رہے ہیں کہ دیکھیں فاطمہؑ کا لال کس طرح سوال کرتا ہے یہ سب کیلئے اُنوکھی بات تھی۔ جس نے کبھی سوال نہیں کیا تھا وہ سوال کرنے کے لئے جا رہا ہے، جو کوڑ اور سلسبیل کے چشموں کا مالک ہے وہ ایک گھونٹ پانی اُن سے طلب کرنے جا رہا ہے جو اُس کے جوان بھائیوں، بھتیجیوں، بھانجیوں اور بیٹوں کو خون میں نہلا چکے ہیں۔

پیکرِ سخاوت نے سوال کیا کرنا تھا تصویرِ شہادت کے خاکہ کو مکمل فرمانا تھا۔ خُدا تعالیٰ کی امانت کو دربارِ خُداوندی میں واپس کرنا تھا، خدا تعالیٰ نے امانتیں واپس مانگی تھیں شبیرِ بصدِ خلوص و نیاز پیش کر رہے تھے۔ آپ علیؑ اصغر کے لئے بھی پانی کا سوال کر کے بھی کسی کا سوال پورا کر رہے تھے۔ جنابِ زینب کا سوال، جنابِ رباب کا سوال، جنابِ اُم لیلیٰ کا سوال جنابِ سکینہ کا سوال۔ سخی ابنِ سخی تھا خبیہ کا بیٹا تھا کیسے سوال رد کرتا اُن کا سوال تو پورا کر دیا مگر خُود سوال کرنا کب آتا ہے۔ سوال کرنے کے عادی ہوتے تو یزید یوں سے پانی ضرور حاصل کر لیتے۔ مگر حُسینؑ تو صرف اور صرف خُداوندِ ذوالجلال کے سائل تھے۔ آپ قومِ اشقیا سے ذرا ہٹ کر رک جاتے ہیں علیؑ اصغر کو دامن میں چھپایا ہوا ہے اور فرماتے ہیں۔

ان پھول سے رُخساروں کے کملانے کو تو دیکھو
گہوارے سے میداں میں چلے آنے کو تو دیکھو

ان سُوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو تو دیکھو
عش آنے کو اور سانس اُلٹ جانے کو تو دیکھو

ناحق ہے عداوت تمہیں نازوں کے پلے سے
پھر دو گے تو پانی بھی نہ اُترے گا گلے سے

صدائے سروش

صدائے سروش آئی، حسین! اپنے معصوم کو دامن کی ہوادے لو اس
کے خشک ہونٹوں پر اپنی خشک زبان پھیر لو، اس کی جبین کو بوسہ دے لو، اس کی
گردن چوم لو، اس سے پیار کر لو، اس کو سینے سے لگا لو تیرے دشمن شریف
نہیں حسین! یہ بد معاش لوگ ہیں بے ضمیر اور بے حیا، لوگ ہیں، بے غیرت
اور بد فطرت انسان ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ جنگلوں میں عورتوں اور بچوں کے
ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ یہ غیرت مند دشمن ہوتے تو تیری اہلبیت پر پانی
کبھی نہ بند کرتے۔ اب بھی یہ آبِ شیریں کے بدلے تیرے معصوم اصغر کو
زہر کی آب دیے ہوئے تیر کا تھک دیں گے۔ علی اصغر کے سینے پر اپنا ہاتھ رکھ

دوتا کہ اس کی بیقراری ختم ہو جائے۔ تیرے دشمنوں کے سینہ میں بغض
اور کینہ کی غلاظت ہے اور تیرے لال کا سینہ تیری ہی طرح طیب و طاہر اور
پاک ہے۔

اس ننھے سے گرتے کے تلے چاند سا سینہ
سینہ نہیں اک درِ نجف کا ہے نگینہ

اب خون میں یہ دُوب کے پاؤت بنے گا
جس جھولے میں یہ پلتے تھے تابوت بنے گا

ملعون کا تیر

صدائے سرفروش کے ساتھ ہی یزید یوں کے لشکر سے شہر ملعون کی
آواز آئی۔

سُن کر یہ سُخن کہنے لگا شہرِ بد اختر
اچھا یہ بہانہ ہے کہ ہو خود پیاس سے مضطر
(میرمنوں)

ہم سمجھے کہ حیلے سے طلب کرتے ہو پانی
بچے کے وسیلے سے طلب کرتے ہو پانی
(انیس)

شمر نے کہا ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے ساتھ کافی بچے ہیں اب تم ایک ایک کو ایسے ہی اٹھا کر لے جاؤ گے اور پانی حاصل کر کے اپنی پیاس بجھا لو گے۔ مگر یہ تمہارا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ہم تمہیں ایک گھونٹ پانی بھی نہیں دے سکتے اور پھر اپنے سپاہیوں کو تیر کا اشارہ کر دیا۔

ملعون و مردود حُرملہ نے زہر میں بجھا ہوا تیر چلے پر چڑھایا اور پھر سُنسناتا ہوا تیر شیر خوار بچہ کی گردن کے پار ہو کر امام مظلوم کے بازو کو بھی زخمی کر گیا۔

زخمی جگر کھینوں نے توڑا حسین کا
بچہ بھی شیر خوار نہ چھوڑا حسین کا
(مرزا عشق)

امام مظلوم نے ایک ہاتھ سے معصوم کو سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے تیر کا پھل اس کی گردن سے کھینچ کر نکال دیا۔ باپ نے بیٹے کی گردن سے تیر کس طرح کھینچا ہوگا۔ یہ محسوس تو کیا جاسکتا ہے مگر الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ تیر کا پھل کھینچا تو خون کی دھار امام کے چہرے کی طرف گئی۔ آپ نے اس خون کو چہرے پر ہی مل لیا اور اصغر نے بے آواز ہچکی لیکر دم توڑ دیا۔

اصغر کی ہچکی آخری گر چہ تھی بے صدا

پھر بھی زمین و آسمان کے دل دہل گئے

نہے سے پھول پر یہ ظلم و ستم دیکھا تو کائنات لرز اٹھی،
 آسمان کی چیخیں نکل گئیں زمین کانپ اٹھی
 فرشتوں کے سینے چر گئے، خوروں کے کلیجے کٹ گئے۔
 عرش تھر تھرا اٹھا آب کوثر نے ننھے پیاسے کی آمد دیکھی تو پارے کی
 طرح تڑپنے لگا اور جوش میں آ کر کناروں سے بہ نکلا،
 انسانیت لرز نے لگی، معصومیت کی شررگ کٹ گئی۔

جدا صغردے نازک حلقوں چھٹا خون فوارا
 حوراں تڑ فیاں جنت اندر کعب گیا جگت سارا

صدقے صبر تیرے توں صائم سید شاہ اسوارا
 جان دتی پر آن ناں دتی حیدر دے دلدارا
 (صائم چشتی)

امام عالی مقام نے معصوم شہزادے کی لاش کو ہاتھوں پر اٹھایا ہوا ہے
 اور بارگاہ ایزدی میں دعا کرتے ہیں۔ بارالہا! میری یہ معصوم قربانی قبول فرما
 یا اللہ یہ معصوم بھی ذوقی شہادت سے سرشار تھا۔ خداوند! تیرا شکر ہے کہ اسے
 بھی سرفرازی حاصل ہوگئی۔

الہ! یہ تیرا احسان ہے کہ تو نے مجھے صبر و استقامت کی دولت سے

نواز رکھا ہے، الہی یہ ننھا شہید تیری امانت تھی۔ یہ چل کر میدان میں نہیں
آسکتا تھا۔ میں نے اسے ہاتھوں پر اٹھا کر تیرے دربار میں پیش کر دیا ہے۔
یا اللہ! حسین کی طرف سے یہ ننھی نظر قبول فرمائے۔

شہ لاش کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یہ پکارے
صد شکر کہ تُو نے میرے سب کام سنوارے

اے بارِ خدا خلق سے اَصغر بھی سدھارے
کچھ اور بچے نذر نہ تھا پاس ہمارے

یہ ہے پسرِ صاحبِ معراج کا ہدیہ
مقبول ہو اس بندہ محتاج کا ہدیہ
(انیس)

آپ اسی طرح شکرِ خداوندی کرتے ہوئے واپس ہونے لگے تو
قومِ اشقیاء کی طرف سے آواز آئی۔

کیا اب بھی بہانے سے پانی حاصل کرنے آؤ گے؟ اب تو تمہارے
بچہ کی پیاس مجھ جی ہوگی۔

کہتے تھے عُدو غیر ہے کیوں حال تُمہارا
سیراب ہوا یا کہ نہیں لال تُمہارا

امام کامیاب ہو گئے

آپ کیا جواب دیتے آپ تو اپنے امتحان کا پرچہ پوری کامیابی سے حل کر چکے تھے۔ ان ملعونوں کے طعنوں کو آپ کیا اہمیت دے سکتے تھے۔ جب تک دُنیا میں انسانیت کا نام باقی رہے گا دُنیا بَرید اور ابنِ زیاد کے بھیجے ہوئے وُسنی درندوں پر ضرور لعنت برساتی رہے گی اور ان کے انسانیت سوز مظالم اور درندگی کو وحشت و بربریت کی انہماک کا نام دیتی رہے گی۔

امام عالی مقام ننھے اَصغر کی لاش کو اٹھائے ہوئے خنجر گردن چلے آ رہے ہیں، خیموں کے قریب آئے تو فِضّہ کنیز کو علی اَصغر کا انتظار کرتے دیکھا۔ وہ آگے بڑھی کہ ننھے کو گود میں اٹھا کر لے جاؤں۔ مگر

لاش اس کی دکھا کے شہِ مَظلوم پکارے
فِضّہ تو بس اب جا علی اَصغر تو سدھارے

کہہ دینا یہ بانو سے کہ پیاسے گئے مارے
ہم ساتھ ہیں اب ان کے یہ ہیں ساتھ ہمارے

تاحشر نہ چوٹکیں گے نہ اب روئیں گے اصغر
آرام سے پہلو میں میرے سوئیں گے اصغر

(انیس)

بُغض یہ دردناک خبر سن کر اندر کو دوڑی اور امام مظلوم خیموں کے باہر
کھڑے سوچ رہے ہیں کہ اب اصغر کو ایسے حالات میں اندر بھیجا گیا تو کیا ہوگا
ناموس محمدؐ تو اس انتظار میں ہوں گی کہ اصغر پانی پی کر آ رہے ہیں۔
لہو میں غرق کھڑے تھے کمر جھکائے ہوئے
پسر کی ننھی سی میت گلے لگائے ہوئے

لہو بھرا ہوا دامن اسے اڑھائے ہوئے
کفن کی فکر میں منہ خیموں کو پھرائے ہوئے
(دبیر)

تو اسی عالم میں خیموں کے اندر سے دردِ عالم میں دُوبی ہوئی چیخوں
کی آوازیں آ جاتی ہیں۔ بُغض بڑھتی ہوئی پھر باہر آئی۔ امام عالی مقام کی گود

سے شہزادے علی اصغر کا ننھا سالا شہ اٹھایا اور اندر لے گئی۔ اور پھر معصوم کو خون میں ڈوبا ہوا دیکھ کر پاكدامنوں كا جو حال ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ آپ بھی اندر تشریف لے گئے۔ جا كر ديكھا تو حضرت سكينہؓ نے علی اصغر كی لاش كو سینے سے چٹايا ہوا ہے اور فریاد پر فریاد كے جارہی ہے۔ سید زادیاں یہ حالت ديكھتی ہیں تو اور بھی بیقرار ہو جاتی ہیں۔

لاش اصغر دی ديكھ سكينہ غم دے نعرے لاوے
اصغر اصغر كر دی جاوے گھڑی گھڑی غش آوے

چك گودی وچ لاش ویرن دی تڑنے تے كر لاوے
رو رو دھی سیدی صائم عرش نوں رونا پاوے
(صائم چشتی)

ننھی سنی قبر

امام عالی مقام نے سینے پر ضبط و تحل کی سب رکھ کر پاكدامنوں كو صبر كی تلقین فرمائی اور لاشہ علی اصغر كو گود میں اٹھا كر باہر آ گئے۔

اصغر دے لاشے نوں سید جد دفتاون آیا

پاٹ گیا دھرتی دا سینہ خون فلک برسایا

آخر وار حسینؑ اصغرؑ نوں گھٹ کھجے لایا
صدقے لال میرے آج جگ توں رُچلیوں ترہایا

شکوہ کریں نہ سونہیا پانی کیوں نہیں اُساں پلایا
دادی کول ندسیں جا کے جو جو حال وبایا

لائق نہیں سی اصغر تیرے بے دیناں داپانی
جگ روپکا سُن سُن صائم تیری دُرد کہانی

امام عالی مقام علیؑ اصغرؑ کو دفنانے کے لئے گرم گرم ریت کو کبھی ہاتھ
سے کبھی تلوار سے ہٹا کر ننھی سی قبر تیار کر لیتے ہیں!

وہ اپنے چاند کو جب خاک میں چھپانے لگے
جگر تڑپنے لگا، ہاتھ تھر تھرانے لگے

(صائم چشتی)

آپ تصور ہی میں علیؑ اصغرؑ سے باتیں کرتے ہیں۔ اے میزے چاند!

اِس وقت کلیجہ کا کسے حال سناؤں
اے چاند تجھے خاک میں کس طرح ملاؤں

ہاتھوں سے میرے خاک گرائی نہیں جاتی
صورت تیری مٹی میں بلائی نہیں جاتی

فرمایا کہ دُر دُر کے نہ رونا علی اصغر
ہم آتے ہیں آرام سے سونا علی اصغر
امام عالی مقام نے جب کربلا کے اس ننھے شہید کو سپردِ خاک کیا اس
وقت سورج کی گرمی دم بہ دم بڑھتی جا رہی تھی۔ ریت آگ کے انگاروں کی
طرح گرم ہو چکی تھی۔

امام مظلوم اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھ رہے تھے اور قبر شہید کو
اشکوں کی بارش سے ٹھنڈی کر رہے تھے۔

تتی ریت بیٹھاں جد سید اصغر نوں دفنایا
تڑفیاں خوراں جنت اندر عرش دا دل تھرایا

کر ہنجاں دی بارش شاہ نے قبر تے مینہ برسایا
کوثر مار اُچھالا صائم چشموں باہر آیا

قاصدِ مدینہ

اصغر ، اکبر ، قاسم ایدھر لگ گئے رب دے لیکھے
چک چک اڈیاں صغریٰ اودھر راہ ویراں داو کیھے
ایدھر باہل لال اپنے دی ڈھیری پیا بناوے
وچ خیالاں اوہ اصغر دا جھولا پئی جھلاوے

(صائم چشتی)

حضرت علی اصغر کو دفن کرنے کے بعد امام عالی مقام اب خود ہی میدان کارزار کا رخ کرنے والے ہیں۔ اس لئے کہ اب آپ کو روکنے والا کوئی بھی نہیں۔ تمام ساتھی ایک ایک کر کے آپ پر فدا ہو چکے ہیں۔ آپ نے ایک نظر میدان کارزار کو دیکھا۔ پشت پر ویران جلے ہوئے خیمے ہیں۔ اہل بیت کے دو بڑے خیمے ہیں جن میں چیخوں اور آہوں کی صورت میں زندگی کے کچھ آثار نظر آتے ہیں۔ سورج کی تیش میں مزید اضافہ ہو چکا ہے۔ آپ نے خیال کیا کہ خیمے کے اندر جا کر اہل بیت کو آخری وصیت کر کے دربارِ خداوندی میں حاضر ہو جاؤں۔

قاصد کی آمد

ابھی آپ نے یہ خیال فرمایا ہی تھا کہ خیموں کی طرف رخ کیا ہی تھا

کہ سامنے ریت کا ایک گول سا اٹھتا ہوا نظر آیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے گولے کے اندر ایک ناقہ سوار نظر آیا۔ آپ کو بھی شاید اسی کا انتظار تھا اس لئے کہ کربلا کی اخونی تصویر میں یہ خاکہ خالی تھا۔ اس نے اُونٹ کو بٹھایا اور آپ کے قدموں کو بوسہ دیا اور پھر میدانِ کارزار کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

وہ انتہائی مایوسی کے عالم میں آپ کو دیکھے جا رہا تھا۔ آپ نے خاموشی کو توڑتے ہوئے فرمایا۔ دوست ہم نہیں جانتے کہ تم کون ہو اور کس مقصد کے تحت یہاں آئے ہو۔ اگر کوئی کام ہے تو بتاؤ ورنہ خدا حافظ۔ مجھے دشمن بار بار آواز دے رہے ہیں اور پھر خیموں کی طرف بڑھنے لگے تو وہ شخص پکارا اٹھا، یا امام! میری بات سن لیجئے۔

قاصد سے گفتگو

آپ رک گئے تو اس نے کہا کہ حضور میں آپ کی بیٹی کا قاصد ہوں۔ آپ جب مکہ معظمہ سے کوفہ روانہ ہوئے تھے تو میں وہاں موجود تھا۔ حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں زیارت رسول کرنے کے لئے حاضر ہوا تو وہاں میں نے ایک پردہ نشین بچی کو دیکھا جو روضہ رسولؐ ساتھ روضہ بتول کے باہر رو رہی تھی۔ لوگ جا کر اس کے رونے کی وجہ پوچھتے اور پھر اس کا سوال پوچھ کر واپس آ جاتے۔

ایک دن میرے دل میں خیال آیا کہ اس بچی سے پوچھوں کہ اسے

کیا ضرورت ہے۔ شائد میں ہی اس کے کام آسکوں۔ اور پھر جب میں نے پوچھا کہ بیٹا کیا بات ہے آپ اس طرح روتی کیوں ہیں اور آپ کون ہیں؟

مَعصُومہ کے رونے کی وجہ

مَعصُومہ نے میری بات سنی تو اور زیادہ رونے لگیں اور فرمایا۔ ”یاعلم میں صغریٰ بنتِ حسین ہوں“ میرے ابا جان مکہ معظمہ سے کوفہ تشریف لے گئے تھے۔ یہ مجھے چچا عبداللہ بن جعفر نے بتایا تھا۔ کوفہ گئے ہوئے بھی انہیں کئی روز ہو چکے ہیں اور ان کا خیریت نامہ نہیں آیا میں بیمار تھی اس لئے وہ مجھے چھوڑ کر مکہ معظمہ چلے گئے تھے اور وہیں سے کوفہ چلے گئے ہیں مجھے ان سے کچھڑے ہوئے چھ ماہ کا غصہ ہو گیا ہے۔ چچا جان! میرا دل ڈوب ڈوب جاتا ہے۔ میرے ابا جان نے فرمایا تھا کہ ہم تمہیں جلد اپنے پاس بلوالیں گے میرے چچا بھائی جان علی اکبر نے میرے ساتھ پکا وعدہ کیا تھا کہ میری پیاری بہن جی تمہیں خود آکر لے جاؤں گا

مگر نہ ابا جان نے کسی کو پینے کے لئے بھیجا ہے اور نہ ہی بھائی جان علی اکبر ابھی تک آئے ہیں۔

چچا! میں بے حد اداں ہو گئی ہوں مجھے ننھے علی اصغر کی یاد بہت ستاتی ہے میں نے اس کے لئے کئی جوڑے کپڑے سی کر رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے خالی جھولے کو جھلاتی رہتی ہوں۔

صغریٰ کا پیغام

یا عم! اگر آپ نے کوفہ کی طرف جانا ہو تو میرا خط میرے آبا جان کے نام لے جائیں۔ بس میرا صرف یہ کام ہے۔ اس کام کے عوض میں آپ کو کئی چیزیں پیش کر دوں گی اور پھر وہ لڑکی حجرے کے اندر چلی گئی اور میرے روکتے روکتے ایک ایک کر کے کئی چیزیں اٹھا لائی۔ جن میں کچھ برتن اور ایک جائے نماز تھا۔ ایک دو کپڑے کی چادریں تھیں اور ایک پوٹلی کے میں چند چھوٹی چھوٹی چیزیں اور سکے وغیرہ بندھے ہوئے تھے۔

میں نے بچی کو دلا سہ دیتے ہوئے کہا لاؤ بیٹی اپنا خط مجھے دے دو۔ میں اسی طرف کارہنے والا ہوں۔ میں تمہارا خط ضرور پہنچا دوں گا۔ اور یہ اپنی چیزیں اٹھا لو۔ میں اہلبیت رسول کا خادم ہوں اور یہ ہی کیا کم سعادت ہے کہ میں ابن رسول کی بیٹی کا قاصد بن کے جاؤں بچی بھند تھی کہ یہ سامان تم ضرور لے لو۔ تم یہ سامان تھوڑا سمجھ کر نہیں لے رہے۔ یہ سامان دیکھنے میں تھوڑا لگتا ہے لیکن بہت قیمتی سناں ہے بابا۔ اس میں میری داوی فاطمہ کے ہاتھوں کی کئی چیزیں ہیں۔

یہ تھوڑا سا سامان قبول کر لو۔ میرے بابا کو جب تم میرا یہ خط دو گے تو وہ تمہیں اور بہت بھی مال و دولت دیں گے۔ میرے آبا جان بہت سخی ہیں وہ تو سائلوں کو ویسے ہی بہت کچھ دے دیتے ہیں تم تو ان کی بیٹی کے قاصد بن کے

جاؤ گے۔ پھر تمہاری تو بہت ہی قدر کریں گے اس کے علاوہ ہم تمہارے حق میں دُعا بھی کریں گے اور اپنے نانا جان سے جنت بھی لے کر دیں گے۔ اس معصومہ نے درد و فراق کی اور بھی بہت سی باتیں کی تھیں جن کے بیان کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ میں نے منت سماجت کر کے سامان واپس کر دیا تھا اور یہ خط لے کر آپ تک پہنچا ہوں۔ میں نے دُور سے اس طرف فوجوں کو دیکھ لیا تھا اس لئے راستہ بدل کر ادھر آیا تھا کہ دیکھتا جاؤں یہ لشکر کدھر جا رہا ہے۔ مگر یہاں آ کر دیکھا تو آپ کو اس حال میں پایا۔

جنت میں لے کر جائیں گے

امام عالی مقام نے ٹھنڈی سانس بھر کر فرمایا لاؤ میری بیٹی کا خط مجھے دے دو۔ میری بیٹی نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میرے ابا جان تمہیں بہت کچھ دیں گے۔ اب تم ہمیں ملے ہی ایسے عالم میں ہو کہ ہم تمہیں دنیاوی مال سے وہ کچھ نہیں دے سکتے جو تمہارا حق بنتا ہے۔ البتہ ہم اپنی بیٹی کا دوسرا وعدہ ضرور پورا کریں گے کہ تمہیں جنت میں اپنے ساتھ لیکر جائیں گے۔ پھر بھی ٹھہرو، ہمیں اہل بیت کے خیموں سے جو میسر آسکا تمہیں لا کر دے دیتے ہیں۔

امانت لے لیں

قاصد نے سنا تو چیخیں نکل گئیں۔ عرض کیا یا امام! میرے لئے وعدہ آخرت ہی بہت بڑی دولت ہے۔ خُدا کے لئے اپنی یہ امانت بھی بیٹے

جائیے۔ پھر وہ کجاوے سے ایک چھوٹی سی پوٹلی نکال لایا آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کی اس میں علی اصغر کے کپڑے ہیں۔

امام مظلوم نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پوٹلی سنبھالی اور دل ہی دل میں کہا صغریٰ بیٹی! اب تیرے اصغر کو کیسے یہ تیرا تحفہ پیش کیا جائے۔ اصغر کی ننھی سی قبر قریب ہی تھی آپ نے وہ پوٹلی اس پر رکھ کر فرمایا! اصغر بہن کا تحفہ قبول کر لو۔ اور پھر وہ کپڑے اور خط لے کر خیموں میں تشریف لے گئے۔

بہن کے شکوے

خط کیا تھا تلوار تھی جو بیک وقت سب کے دلوں پر پھر رہی تھی

شکوے ہی شکوے،

شکایتیں ہی شکایتیں،

درد ہی درد،

فراق ہی فراق۔

آبا جان سے شکوے

پُھوپھی سے شکوے،

امی سے شکوے،

علی اکبر سے شکایتیں

ستجاد سے شکوے،

اصغر کی یادیں

سکینہ کے سلام - ایک ایک لفظ دلوں کو پھیرتا جا رہا تھا، ایک ایک
مُجلے پر چھین بلند ہو رہی تھیں، پیکرِ تسلیم و رضا امامِ مظلوم کی آنکھوں میں بھی
اشکوں کا سیلاب آ گیا تھا۔ درد و فراق کے آنسو بہے جا رہے تھے۔ دُکھ
ہوئے دل کے آنسو، گرم گرم اور آتشیں آنسو، بیٹی کے غم سے غم آلود آنسو۔

دوسو سوچ کے اُمت دے جے ہتھوں ہووے قتلِ امام تے کی ہندا
اصغر تائیں دفناؤندیاں آجاوے چٹھی اصغر دے نام تے کی ہندا

پئے بچاؤنا جے اکبر دی لاش تائیں شکوایاں بھریا سلام تے کی ہندا
گھلئے صُغرا دے قاصد نوں موڑا آتم دے سکے حالت تمام تے کی ہندا

حضرت عباسؓ کی شہادت

ناموسِ محمد کے خیموں کا محافظ اور پرچمِ حسینی کا حامل عباسؓ علمدارِ حق و باطل کی اس جنگ میں کئی بار حصّہ لے چکا ہے۔ یزیدی فوج کا ریلا جب میمنہ کی طرف بڑھتا ہے تو حضرت عباسؓ پرچم لہراتے ہوئے اُسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اگر شیرہ کی طرف یزیدیوں کا دباؤ بڑھتا ہے تو اُس طرف شیر کی طرح بڑھتے ہیں اور زورِ حیدری کے جوہر دکھا کر کچھ کو کاٹ دیتے ہیں اور کچھ گھگا دیتے ہیں۔ شیطانی فوجوں نے کئی بار اہلبیتِ اطہار کے خیموں کی طرف بڑھنے کی کوشش کی مگر وہاں تو عباسؓ کا پہرہ تھا۔ اللہ کے شیر کے شیر کا پہرہ، شبیرِ علیہ السلام کے علمبردار کا پہرہ، جو بھی آگے بڑھتا یا کٹ جاتا یا پیچھے ہٹ جاتا۔

غازی عباسِ امام کے قدموں میں

امام عالی مقام کے تمام ساتھی اپنی جانوں کی نذریں دربارِ خداوندی میں پیش کر کے سُرخرو ہو چکے ہیں۔ اب خود عزمِ جہاد

کرنے والے ہیں۔ علمدار حسین آگے بڑھے سپہ سالارِ اعظم کو سلامی پیش کی اور عرض کیا۔ اے شہنشاہِ مملکت تقدس و طہارت! ابھی غلام موجود ہے خیموں کی حفاظت کا فریضہ ادا ہو چکا ہے اب مجھے فدا ہونے کی اجازت مزاحمت فرمائی جائے۔ امام عالی مقام نے آخری ساتھی کو بھی میدانِ جنگ میں جاتے دیکھا تو آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر موجزن ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ”رَضِينَا بِالْقَضَا“ ہم تقدیر پر راضی ہیں۔

غازی عباس میدان میں

حضرت عباسؓ نے امام عالی مقامؑ کے دستِ اقدس کو چوما اور میدان میں آگئے۔ ایک کے مقابلہ میں ایک آتا یزید کی پوری فوج کانپ رہی تھی۔ آپ شیر کی طرح گرج رہے تھے۔

زورِ یدِ اللہ پورے جاہ و جلال کے ساتھ ظہور میں آچکا تھا۔
قوتِ خیرِ شکن پورے جلال و جبروت کے ساتھ ظاہر ہو چکی تھی۔
جلالِ حیدری پوری شوکت و تمکنت کے ساتھ میدان میں جلوہ افروز

ہے۔

وقت کے مرجوں اور غمخواروں کی رُو میں کانپ رہی ہیں۔
علمدار حسینؓ حسینیؓ پر جم کولہراتا ہوا جدھر سے گزرتا ہے کشتوں کے پستے لگا دیتا ہے۔

آپ کی تلوار کی کاٹ کا عالم ہے۔

لوہے کی سپر کاٹ کے دستانے میں پہنچی
دو کر کے سپر خود کے پیمانے میں پہنچی

دل کر سرو گردن سے چلی شانے میں پہنچی
شانے سے بڑھی رُوح کے کاشانے میں پہنچی

سرکش کا لہو خاک پہ برسا دیا اُس نے
تب نگلی کہ جب خانہء تن ڈھا دیا اُس نے

برسی جدھر کورخ کیا ۔ جس پر پڑی! پڑی
غوطے لگا رہی تھی لہو میں گھڑی گھڑی

چوٹیں جو دشمنوں پہ پڑی تھیں کڑی کڑی
کٹ کے ہرز رہ کی جد اُتھی کڑی، کڑی

تلوار تھی کہ قوت پروردگار تھی
کشتوں سے باغیوں کی زمیں لالہ زار تھی

غازی کا حملہ

علمدار حسین کا حملہ اس قدر زوردار تھا کہ دشمنوں کو سر پیر کا ہوش نہ رہا چلوں پہ تیر چڑھے کے چڑھے رہ گئے۔ پوں معلوم ہوتا تھا جیسے بکریوں کی صفوں پہ شیر نے چڑھائی کر دی ہو۔ سب اپنی اپنی جانیں بچانے کے فکر میں ایک دوسرے پر گر رہے تھے۔ اگر کوئی حوصلہ کر کے تیر چلا بھی دیتا تو ہاتھ کاٹپ جانے کی وجہ سے خطا ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی افسانہ نہیں بلکہ اس مجاہد کی جرأت کی داستان ہے جس کے باپ نے درخیر کو اکھاڑ کر ایک ہاتھ پر اٹھا کر اس کی ڈھال بنالی تھی اور پھر اس دروازہ کو چالیس مجاہدین اسلام جنبش بھی نہ دے سکے۔

ہاں ہاں یہ اسی قاتل مَرَحِب و عشر کا بیٹا عباس علمدار ہے جو اکیلا دشمنوں کی صفیں درہم برہم کر رہا ہے۔

امام کی زیارت

آفتاب آگ برسا رہا تھا، زمین جل رہی تھی۔ تین دن کی پیاس ہے۔ جسم پسینہ میں شرباؤر ہے۔ مگر حسینی مجاہد اس شان سے حملہ کر رہا ہے جیسے ابھی تازہ دم ہو کر آیا ہے۔

بھرتے بھرتے خیال آیا آخری بار ابن رسولؐ کی زیارت کر لوں۔
 گھوڑے کو ہمیز لگائی اور حق و صداقت کا پرچم بلند کرنا ہوا بارگاہِ امامؑ میں آگیا
 شہ کو سلامی پیش کی فاطمہؑ کے لال کی زیارت کر لی تو بدن میں ایک نئی قوت
 پیدا ہو گئی۔ نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا ہو گیا۔

واپس ہونے لگے تو خیموں سے صدائے العطش بلند ہوئی۔ آپ
 خیمہ کی جانب بڑھے۔ بی بی سکنہ نے کہا چچا دو گھونٹ پانی پلا دو۔

رو رو کر دی عرض سکنہ چاچا کرم کماویں
 نال ترہیدے مڑ چلی آں پانی گھٹ پلاویں

کی دسٹاں یا حضرت اپنے غم دی درد کہانی
 اکھٹیاں چوں وی رو رو سارا نکٹ گیا اے پانی

اکدا در نہیں مٹ دا اوتوں ہوو مصیبت پیندی
 اتھرو وی نہیں اوندے نہیں تے جیہہ گئی کر لیندی

علم تیرے دیا خیراں ہوون من سوال آج ہرا
 چاچا یاد مشترک رکھ ساں میں احسان اہیہ تیرا

جناب علمدار نے بچی کی یہ حالت دیکھی تو تڑپ کر رہ گئے۔ خیمے کے ستون کے ساتھ مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ آپ نے خشک مشکیزے کو اتار کر زمین کے ساتھ لٹکا دیا۔ جھک کر بچی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ بیٹا میں تمہارے حکم کی تعمیل کرتا ہوں میرا انتظار کرو چچا اب واپس آئے گا تو اپنی بیٹی کے لئے پانی لے کر ہی آئے گا۔ اور پھر آپ حسینی پر چم لہراتے ہوئے اسی طرف حملہ آور ہو گئے جس طرف فرات تھا۔ اُس طرف فوجوں کا زور بھی زیادہ تھا اور پہرہ بھی سخت تھا۔ مگر علی کا لالہ اس طرح فوج یزید سے گزر رہا تھا جس طرح بادلوں کا سینہ چیر کر بجلی گزرتی ہے۔ آپ نعرہ شبیر لگا رہے تھے اور فوج اشقیاء کو درہم برہم کرتے جا رہے تھے تلوار حیدر کی گونج میں جو بھی آتا جہنم میں پہنچ جاتا۔

لگایا نعرہ شبیر اور سوائے فرات آئے
قطع کرتے ہوئے اشرار کا دور حیات آئے

سپاہی فوج دشمن کے جو غازی سے اُلجھتے تھے
وہ تیغ تیز کے ہاتھوں جہنم میں پہنچتے تھے!

کٹے کالی کی صورت سامنے سے بڑے دشمن
ہوئے فی النار خنجر سے گلے جتنے ملے دشمن

سپاہِ شام پر غالب امیر کائنات آیا
دلدار تیغ زن عباس غازی تا فرات آیا
(حسن رضا)

آپ ساحلِ فرات پر پہنچے تو گھوڑے کو نہر میں داخل کر دیا۔ تھوڑا سا
مجھکے اور مشکیزہ کو پانی سے بھر کے ڈور سے اچھی طرح منہ بند کر لیا۔
پانی حاصل کر کے یوں معلوم ہوا جیسے پوری کائنات پر قبضہ ہو گیا ہو
ذہن میں خیال آیا نواسہ رسول کی بیٹی پانی دیکھے گی تو کتنی دعائیں دے گی۔
خدا کرے کہ یہ پانی اس تک پہنچ جائے۔ وہ کتنی شدت سے میرا انتظار کر رہی
ہوگی۔

گھوڑے کی وفاداری

آپ جلد از جلد پانی لیکر پہنچ جانا چاہتے تھے کہ گھوڑے کا خیال آ گیا
۔ یہ بیچارہ بھی تین دن کا پیاسہ ہے۔ آپ نے لگام ڈھیلی چھوڑ دی گھوڑے
نے پانی پر منہ رکھا اور پھر بڑی بے نیازی اور رعنائی سے گردن اُپر اٹھالی۔
صابروں کا گھوڑا تھا کیسے پانی پی لیتا۔ کوئی انسان تھے مگر بے وفا تھے۔ یہ

جانور تھا مگر با وفا تھا۔ بے وفا انسان با وفا جانوروں سے بدتر ہوتا ہے۔
 اصحابِ کھف کا کُتھا وفادار تھا۔ وہ جنت میں جائیگا۔ یزید نے خُدا اور اس کے
 رسولؐ سے بے وفائی کی تھی وہ اور اس کے ساتھی جہنم کا ایندھن بنیں گے۔
 بے جان مٹی پُھولوں کی ہم نشینی سے خوشبودار ہو گئی۔ صابروں کا
 گھوڑا صابروں کے ساتھ رہ کر صابر ہو گیا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ میرے سوار نے
 پانی نہیں پیا۔ اُس کے جذبہ وفاداری نے اُسے سکھا دیا تھا کہ جب تک مالک
 پانی نہیں پیے گا ہرگز پانی نہیں پینا۔

اشارا اُس تازی کو کیا پانی کے پینے کا
 پیاسا گرچہ تھا گھوڑا تھا واقف پر قرینے کا

لگا جب منہ سے پانی ہونٹوں تک جس دم تری آئی
 ہمالی خود ہی سطح آب سے گردن بہ رعنائی

تھامر کب رازداں بے شبہ ہمدرد اس کو کہتے ہیں
 جمالِ ہمنشین درمن اثر کرد اس کو کہتے ہیں۔
 (حسن رضا)

پیا سوں کی یاد

جناب علمدار نے خیال کیا کہ ایک گھونٹ پانی پی لوں تو تلواریز یادہ
چلا سکوں گا۔ آپ نے چلو میں پانی بھر لیا۔ منہ تک لائے تو تشنہ لبوں کی یاد
آگئی۔ ابن رسول کی یاد آگئی۔

ابن رسول کی پیاس یاد آگئی۔ سیکینہ کا تڑپنا یاد آگیا۔ پاکدامنوں
کے خشک ہونٹ یاد آگئے۔ بیمار عابد کا جلتا ہوا سینہ سامنے آگیا۔ علی اصغر کا
ستہوا معصوم چہرہ یاد آگیا۔ ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ پڑھا اور پانی
زمین پر پھینک دیا۔

پانی ایسے لگا جیسے زہر ہلاہل ہو۔ تشنہ لبوں نے دل کو گھائل کر دیا۔

نبی کے خاندان والے پیاسے یاد آتے ہیں
پڑھا لا حول پانی ہاتھ سے سارا گراتے ہیں

تصوّر سامنے اصغر کو لایا تو تڑپ اُٹھے
سیکینہ کا تڑپنا یاد آیا تو تڑپ اُٹھے

خیال آیا جناب اکبر و قاسم کی پیاسوں کا
جناب نہ نب گبری کا حیدر کے نواسوں کا

خیال آیا جناب فاطمہؓ کا لال پیاسا ہے
میں کیوں پانی پیوں پیاسا محمدؐ کا نواسہ ہے

یہ سوچا تو اسی لمحے پلٹ عباس آتے ہیں
لب دریا بہ جا کر بھی وہ لے کر پیاس آتے ہیں
(صائم چشتی)

فوات سے واپسی

حیدر کا شیر جس شان و شکوہ سے ساحل فرات پر پہنچا تھا اسی جلال
و جبروت اور مجاہدانہ کروفر کے ساتھ واپس آرہا ہے۔ راستے میں یزیدی فوج
اسی طرح حائل ہے عمرو ابن سعدؓ پکا راٹھا۔ ساتھیو! بزدلی نہ دکھاؤ۔ اگر یہ پانی
لے جانے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ان پر قابو نہ پاسکو گے۔ علیؑ کے ان
دونوں بیٹوں عباسؑ اور حسینؑ نے پانی پی لیا تو یہ تمہیں گاجر مولیٰ کو طرح کاٹ
کے رکھ دیں گے۔ ابھی وقت ہے پورے زور سے حملہ کر دو۔ اور اس اکیلے کو
پانی پینے سے پہلے ہی زیر کر لو۔

مُسلّس عَمروا بن سعد مَحْوَ شُور و شِیون تھا
برابر مبتلا اس فکر میں اس غم میں دشمن تھا

لئے جاتے ہیں پانی مُشک میں عباس دریا سے
اگر پانی سے اب بھی ہو گئے سیراب یہ پیاسے

تو رُوح تازہ پھر آ جائیگی ابنائے حیدر میں
نئی قُوّت اُبھر آئیگی پھر سبطِ پیغمبر میں

پھر ان سے یہ شکستہ فوج ہر گز لڑ نہ پائے گی
سپاہِ شام سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جائے گی

بار بار غیرت دِلانے پر فوجِ یزید کے کچھ حواس درست ہوئے اور
انہوں نے چو طرفہ حملہ کر دیا۔ ابنِ حیدر اکیلا ہے اور اس پر تیروں۔ تلواروں،
نیزوں، بھالوں اور برچھیوں کی بارش چاروں طرف سے ہو رہی ہے۔ آپ
پوری جوانمردی اور بہادری سے لڑتے ہوئے مُسلّس آگے بڑھ رہے
ہیں۔ جو بھی تلوار کی زد میں آتا ہے کٹ جاتا ہے۔

پانی کو تو پہنچنا ہی نہیں تھا۔ امام عالی مقام کا امتحان تو مکمل ہی اس طرح ہونا تھا کہ آپ پیاس سے تڑپتی ہوئی ہوئی اہل بیت کے سامنے تین دن کی پیاس لے کر ہی حوضِ کوثر پر پہنچیں۔

دیکھنا تو یہ ہے کہ ساقی حجاج حضرت ابوطالبؓ کے پوتے ساقی کوثر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور سقائے سکینہ حضرت عباس کے جذبات کیا تھے آپ کا انداز خدمت گزاری کیا تھا آپ کے دل میں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام کیا تھا آپ کے سینے میں حسین علیہ السلام کی عظمت کے نقوش کیا تھے ذرا تصور تو کریں اس دردناک منظر کا کہ اپنے دونوں بازو کٹ کر زمین پر گرے پڑے ہیں دونوں شانوں سے خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں۔ ایسی حالت میں تو انسان غم سے ہی مر جاتا ہے۔ مگر حضرت عباس کو اپنے بازو کٹ جانے کا غم نہیں سکینہ کی پیاس کا غم ہے اپنے اس وعدے کا غم ہے جو سکینہ کو پانی پلانے کا کر کے آئے تھے۔

آس بھی ٹوٹ گئی

پانی لے کر پہنچنے کی آس بھی ٹوٹ چکی ہے اور سیفِ حیدری بھی چھوٹ چکی ہے اور کٹے ہوئے بازوؤں کیساتھ گری ہوئی ہے اہل بیت کے پانی نہ پی سکنے کا بھی غم ہے اور امام عالی مقام کے اکیلے رہ جانے کا بھی صدمہ ہے خالی مشک اسی طرح دانتوں میں ڈبی ہوئی ہے کہ سامنے سے کسی شقی

بازو کاٹ گئے

علمبردار کا گھوڑا بھی بڑھ رہا ہے اور دشمن کا گھیرا بھی بڑھ رہا ہے۔

آپ پوری شدت سے مصروف جنگ ہیں کہ عقب سے نوفل نامی لعین نے آپ کے داہنے بازو پر بھرپور حملہ کر دیا۔

آپ کا بازو کاٹ گیا۔ خون کا فوارہ پھوٹ نکلا آپ نے بائیں ہاتھ سے تلوار سنبھالی اور چند قدم لڑتے ہوئے آگے بڑھ آئے۔ اب چہرہ پر جلال پہلے سے بھی بڑھ چکا ہے۔ تلوار برابر چل رہی ہے کہ کسی شتی نے پیچھے سے بایاں بازو بھی کاٹ دیا۔

اب شہزادہ رسول کے علمبردار نے دونوں بازو کاٹے ہوئے ہیں پانی کی مشک بھی نیچے گری ہوئی ہے اور تلوار بھی نہیں چل سکتی۔

سکینہ کی پیاس یاد آگئی،

دل خون ہو کر رہ گیا۔

جسم سے شرارے پھوٹ نکلے اپنی بے بسی پر رونا آگیا اور ایک تجویز سامنے آگئی۔ سقائے سکینہ نے مشک کو دانتوں میں اٹھالیا۔

اس منظر کو خود ہی سمجھنے کی کوشش کرو۔ قلم میں تو طاقت نہیں کہ اس نظارہ کی تصویر کشی کر سکے۔

آپے ای سوچو شباب دے وچ عالم
وقت نزع بے ڈھکے تے کی ہندا

قبضہ جہاندا ہووے سمندر اں تے
پانی اونہاں لئی مٹے تے کی ہندا

بچے و لکن ترہائے تے دودھ او دھر
مانواں تیاں دا مٹے تے کی ہندا

مچھو بازو کٹوا عباس صائم
مشک دنداں نال مچکے تے کی ہندا
(صائم چشتی)

مشک د انتوں میں دبا لی

آپ نے دانتوں میں لیکر حسینی پرچم کو گلے سے لگایا اور پھر دانتوں
میں مشک اٹھا کر اس سے پرچم کو بھی سہارا دیا اور چند قدم مزید آگے بڑھ
آئے۔ دشمنوں کی طرف سے ایک تیر سنسنا تا ہوا آیا اور مشکیزہ میں پیوست ہو
گیا اور پانی کر بلا کی تپتی ہوئی زمین نے جذب کر لیا۔

القلب کا تیرا آتا ہے اور آپ کے سینہ بے کینہ میں پیوست ہو جاتا ہے۔
تیرے سینے کے آر پار ہو چکا ہے، بازو ساتھ ہوتے تو شاید کھینچ بھی لیا
جاتا۔ مگر اب تو بازو بھی ساتھ نہیں اور شیر بھی دور ہیں حیدر کے لال کے سینے
سے تیر کوں کھینچتا۔ وہاں تو تیر چلانے والے تھے۔

شہادت

آپ کو پوری طرح بے بس دیکھ کر قومِ اَشقیٰ کا حوصلہ بڑھ گیا اور
بڑھ بڑھ کر غازی علمدار کے کٹے پھٹے سینے پر تلواروں کے وار کرنے
لگے۔ آپ شہید ہو گئے تو پھر بھی باز نہ آئے اور جسمِ نازنین پر تلواریں
برساتے رہے، بزدل کہیں کے، جب حیدری شیرِ تلوار لیکر سامنے آیا تھا تو
گومریوں کی طرح چھپتے پھرتے تھے۔ اب وہ شہید ہو گیا ہے تو اُس کی لاش پر
تلواریں برسا کر اپنا جوش ٹھنڈا کرتے ہیں۔ کینہ تو زور اور کینہ انسانِ آداب
دُشمنی سے بھی واقف نہیں ہوتا۔

امامِ عالی مقام نے حضرت عباسؑ کی یہ حالت دیکھی تو گھوڑا
دوڑاتے فوراً وہاں پہنچ گئے۔ چند لمحوں کی تو بات تھی حضرت عباسؑ تو ساحلِ
فرات سے حوضِ کوثر کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔

امامِ عالی مقامؑ کو سامنے آتے دیکھا تو یزیدی لاشہ، عباسؑ سے پیچھے
ہٹ گئے۔ آپ نے فرمایا ظالمو! تم نے میرے بھائی کی لاش پر تلواریں

چلائی ہیں خُدا تمہیں کبھی سُرخروئی نصیب نہ کرے۔

لُوٹا اَجل نے شیرِ الہی کے باغ کو
بھائی کے دل سے پُوچھئے بھائی کے داغ کو
(میر موسیٰ)

jabir.abbas@yahoo.com

شہید اعظم کی شہادت

ناقہ سوار جاچکا ہے۔ صغریٰ کا قاصد افسانہء کرب و بلا میں درد و غم
کی آخری سُرخِی بھر کر نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ میدان صاف ہو چکا
ہے۔ اب کوئی نہیں جو محمدِ عربی کے نواسے پر ثار ہونے کے لئے آگے بڑھتا
فاطمہ کالال، صابروں کا شہنشاہ، شہیدوں کا امام، مجاہدوں کا تاجدار، دوش
رسول کا راکب، امامِ مظلوم حسین ابنِ حیدر کا راکب لاریہ گیا ہے۔ قہر و غضب
کی گرمی پڑ رہی تھی اور

اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شاہِ اُمم
نہ دامنِ رسول ہے نہ سایہء علم

علی اکبر بھی جاچکا ہے، قاسم بھی شہید ہو چکا ہے، عباس علمدار بھی
کئے پڑے ہیں۔ اب تو عون و محمد جیسا کوئی بچہ بھی نہیں جو آگے بڑھ کر امام
مظلوم کو تلوار ہی پکڑا دیتا۔ ایک بیٹا ہے وہ بھی بخار سے جل رہا ہے۔ لٹی پٹی
سیدانیاں ہیں اور وہ بھی تین دن کی پیاسی ہیں۔ زندہ ہیں مگر زندگی ان کے
حال پر رو رہی ہے۔

شہر کی للکار

شہر کی آواز آئی۔ حسین آگے بڑھو۔ اب کس کا انتظار ہے۔ اب تمہارے لئے جان ضائع کرنے والا کوئی باقی نہیں۔ اب سہارے نہ تلاش کرو اور میدان میں نکل آؤ۔

امام مظلوم نے شہر کی مکروہ گفتگو سنی تو خون کھولنے لگا۔ آپ نے میدان کی طرف گھوڑے کا رخ کیا اور پیچھے مڑ کر اہل بیت کے خیموں کو اداس اداس نظروں سے دیکھ کر فرمایا، خدا حافظ!

پردے کے پیچھے ایک دبی دبی چیخ نکلی یا امام رُک جائے۔ یہ آواز جناب شہر بانو کی تھی۔ آپ نے فرمایا شمع شبستانِ رسولؐ۔ اب اس غریب الوطن مسافر کو کسی نئے امتحان میں نہ ڈالنا جو زندگی اور موت کی سرحدوں پر پہنچ چکا ہے۔

میں تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ میرے صرف چند سانس باقی ہیں۔ مجھے یقین دلا دو کہ تم میرے بعد بھی پورے پورے صبر و استقامت کا ثبوت دو گے۔ ایسی حالت میں میں اپنی ہم شیر کا سامنا نہیں کر سکتا۔ اسے میرا سلام کہہ دینا۔ جناب شہر بانو کا کلیجہ منہ کو آگیا اور عرض کیا میرے سرتاج گھوڑے سے اتر کر میری صرف ایک بات سن لیں۔ میں آپ کو خاتون قیامت کا واسطہ دیتی ہوں۔

خون کے آنسو

کر بلا کا دُلہنا ماں کے نام کا واسطہ زد نہ کر سکا۔ آپ گھوڑے سے اترے اور خیمے میں آ گئے۔ سیدہ شہر بانو آپ کو بیمار بیٹے کے سامنے لے گئیں آپ آگے بڑھے بیمار کو شدت بخار نے بیہوش کر رکھا تھا۔ حضرت سجاد بیمار تو پہلے ہی تھے مگر جب سے اکبر کا لاشہ دیکھا ہے کلیجہ خون ہو کر رہ گیا ہے۔ جسم انگارہ بن چکا ہے، سینہ چھلنی ہو گیا ہے اور دل ٹوٹ چکا ہے۔ تپ لرزہ سے جسم پر عرشہ طاری ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے بوٹی بوٹی کانپ رہی ہو۔ صبح سے نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے بیمار کا رنگ زعفران کی طرح زرد تھا۔ لیکن لاشہ اکبر کو دیکھنے کے بعد جو بخار چڑھا اُس نے چہرے کُندن کی طرح سُرخ کر دیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جسم کا سارا خون سٹ کر رُخساروں میں جمع ہو گیا ہو۔ بدن کی ساری حرارت چہرے میں بسٹ آئی ہو۔ امام عالی مقام نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو اپنے جگر کی چوٹیں یاد آ گئیں۔ دل ہی دل میں بیمار کو مخاطب کر کے فرمایا

دوا جازت تو کلیجے سے لگالوں رخسار
سینک لوں چوٹ جگر کی ان انگاروں پر

اور پھر آپ نے بیمار بیٹے کے جسم پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ فاطمہؓ

کے لال کا ہاتھ تھا۔ ہاتھ کا لمس ملتے ہی بیمار نے آنکھیں کھول دیں۔ باپ کے یاس و اَلَم میں ڈوبے ہوئے رُخِ اَنور کو دیکھا تو ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ غم کی آگ میں جلتی ہوئی جھیلوں میں روانی آگئی۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے سُرخ اور آتشیں آنسو۔

ابا کی حالت دیکھ کر آنسو نکل پڑے
دیکھا گیانہ یاس میں عالم نگاہ کا

امام زین العابدینؑ کو تسلی

امام عالی مقام نے بیٹے کے سُرخ آنسو پہلے بھی دیکھے تھے اب دوبارہ بیٹے کا کلیجہ کٹتے دیکھا تو آپ کا کلیجہ بھی کٹنے لگا۔ جگر پر چُھریاں چلنے لگیں۔

گو قصر سے چشم تک آئے تھے چھاؤں میں
لیکن پڑے تھے آبلے اشکوں کے پاؤں میں

سلطنتِ صبر و رضا کے تاجدار نے دل کو سنبھالا۔ بیمار کو تسلی دی۔
گُذرے ہوئے حالات سے آگاہ کیا اور فرمایا بیٹا بابا سے آخری ملاقات ہے
تمام ساتھی اپنی منزل پر پہنچ چکے ہیں اور اب تیرے باپ کو میدان

میں طلب کیا جا رہا ہے۔ بیٹا! اب میرا وقت آچکا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہم اس دُنیا سے جا چکے ہوں گے۔ میرے چاند اللہ تعالیٰ تمہیں بہت جلد صحت یاب فرمائے۔ مجھے اب جانے دو۔ دشمن بار بار بلارہے ہیں۔

حضرت سجاد کی عرض

جناب سجاد نے باپ کی جنگ کو تیاری کا سنا تو تڑپ اُٹھے۔ بخار کی شدت کو جذبات کی شدت نے دبا دیا۔ عرض کی ابا جان آپ کا عابد ابھی زندہ ہے۔ ابا جان پہلے مجھے خود پر فدا ہولینے دیں پھر آپ کی باری آئے گی۔ میں بخار سے بھی جنگ کروں گا اور دشمنوں سے بھی لڑوں گا۔ حیدری خون تھا مجھل گیا۔ بخار کی حدت میں جلالِ حیدری کی شدت بھی شامل ہو گئی۔ لرزہ اور بھی بڑھ گیا جسم اور بھی زور زور سے کانپنے لگا۔ علی کا پوتا لاٹھی ٹیک کر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

امام عالی مقام کا جواب

شبیر پکا ر اُٹھے میرے چاند، بیٹھ جاؤ۔ نہیں تو گر جاؤ گے۔ باپ تیری محبت اور تیرے جذبے پر قربان، تُو نے حقِ فرزندِ ادا کر دیا ہے۔ زین العابدین تیرا اس شہادت میں پورا پورا حصہ شامل ہے۔ مگر تم شہید نہیں کئے جاؤ گے۔ میرے لال تمہیں ابھی زندہ رہنا ہے

نسلِ شبیر چلانے کے لئے

اُور ادمصطفے کو قائم رکھنے کے لئے

خاندانِ نبوت کی بقاء کے لئے

پردہ نشینوں کی حفاظت کے لئے

شہیدوں کی لاشوں کے ٹکڑے جمع کرنے کے لئے

شہیدوں کے لاشے دفنانے کے لئے

ہاتھوں میں بیڑیاں اور پاؤں میں زنجیریں پہننے کے لئے

خُون کے اَنسو بہانے کے لئے تمہیں ابھی زندہ رہنا ہے۔ میرے

لال تم اس امتحان میں برابر کے شریک ہو، تمہیں ان شہادتوں سے اتنا ہی حصہ

ملے گا جتنا علی اکبر کو ملے گا، جتنا قاسم کو ملے گا، جتنا عباس اور عون و محمد کو

ملے گا، جتنا مسلم کو اور اُن کے بیٹوں کو ملے گا جتنا مُسلم کے بھائیوں کو ملے گا،

جتنا عباس کے بھائیوں کو ملے گا۔

باپ تم پر خوش ہے میرے چاند۔ میں اس لئے تم پر خوش ہوں کہ تجھ

میں باپ کا جذبہ موجود ہے، عزمِ شبیری کی حرارت موجود ہے، تجھے تو مجھ سے

بھی زیادہ صدمے برداشت کرنا ہیں۔ تو زندہ بھی رہے گا اور خُون کے

اَنسوؤں کی برسات بھی کرتا رہے گا۔ خُدا حافظ میرے لال میری طرح صُبر و

استقامت سے زندہ رہنا۔ اپنی چھوٹی بھی کوسلی دینا، اپنی امی کو صبر کی تلقین کرنا۔

خُدا حافظ میرے بیمار بیٹے خُدا حافظ!

حضرت زین العابدین نے باپ کے ارشادات سُنے تو اور شدّت

سے رونے لگے، اپنی بیماری پر رونا آگیا، اپنی بے بسی پر رونا آگیا۔ خون کے آنسو گرتے جا رہے ہیں، جسم بید کی طرح لرزتا جا رہا ہے اور غش آتا جا رہا ہے۔ امام عالی مقام ابھی وہیں تھے کہ زین العابدین پھر بے ہوش ہو گئے۔

آپ بیمار کے سر پر ہاتھ پھیر کر اٹھے، مڑ کر دیکھا تو وہاں کچھ اور ہی منظر بنا ہوا تھا۔

بیبیوں کی حالتِ زار

سیدہ زینب کے سر سے چادر اترتی ہوئی ہے، بال بکھرے ہوئے ہیں، نظر پھرائی ہوئی ہے، آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے پلکوں پر آ کر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ حضرت شہر بانو کا رنگ اس طرح زرد ہو چکا تھا جس طرح خون کا ایک قطرہ بھی موجود نہ ہو۔ جناب ام لیلیٰ کے سامنے سیکینہ بیہوش پڑی ہے اور اپنے سرتاج کو دیکھ دیکھ کر روتی جا رہی ہیں۔

امام عالی مقام جناب زین العابدین سے اتنے زیادہ محو گفتگو تھے کہ اپنے پیچھے برپا ہونے والی قیامت کو نہ دیکھ سکے۔ اب جو دیکھا تو دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

کوئی بات بھی کرتا تو آپ جواب بھی دیتے، خاموش فریادوں کا کہ جواب تھا۔ آنسوؤں کے سیلاب کو کس طرح روکا جاتا۔ باہر کی آگ ہوتی

بُجھا بھی لیتے۔ سینوں کی آگ کو کیسے ٹھنڈا کرتے۔ دشمن کی فوج ہوتی تو تلوار بھی چلاتے حسرت بھری نگاہوں کا مقابلہ کیسے کرتے۔

گٹھے جاتے تھے دل ضبطِ فغاں سے
بنے جاتے تھے نالے ہچکیاں سے

امام تڑپ گئے

صابروں کا امام بھی یہ منظر دیکھ کر تڑپ کر رہ گیا۔ حوصلہ کر کے آگے بڑھے بہن کی گری ہوئی چادر کو اٹھایا اور علیؑ کی بیٹی کا سر ڈھانپ دیا۔ جناب سکیئہ کو گود میں لیا علی اکبر کے خون سے لتھڑے ہوئے سکیئہ کے چہرے کو اپنے عمامے سے صاف کیا۔ آنکھوں میں پڑی ہوئی ریت کو عمامے کا پلڑا پھیر پھیر کر نکالا۔ بکھرے ہوئے بالوں کو انگلیوں سے درست کیا اور فرمایا!

بابا سے مل لو

سکیئہ ہوش میں آؤ۔ بابا کی آخری زیارت کر لو۔ پھر ساری عمر بابا کا چہرہ دیکھنے کے لئے ترس جاؤ گی۔ بیٹی سکیئہ اٹھو جلدی کرو۔ آخری ملاقات کر لو۔ آخری بار بابا کے سینے سے تولیٹ لو۔ پھر تو تمہیں بھی صغریٰ کی طرح ساری زندگی رورو کر اور تڑپ تڑپ کر ہی گزارنا ہے۔ اٹھو بیٹا! اب بابا بھی علی اکبر کے پاس جا رہا ہے۔ آپ دامن سے پنکھا بھی کر رہے ہیں اور بیٹی سے گفتگو

بھی کر فرما رہے تھے۔ جلد ہی معصومہ نے آنکھیں کھول دیں۔ خود کو بابا کی گود میں دیکھا تو لپٹ گئی۔ تین دن کی پیاسی بچی تین دن کے پیاسے باپ کے گلے مل رہی ہے۔ بابا کی گود میں کچھ سگون ملا تو بچی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی آپ نے تسلی دے کر فرمایا۔ صبر کرو میری بیٹی تو صابروں کی اولاد ہے۔ مجھے دشمن پکار رہے ہیں۔ تو بیہوش تھی اور میری خواہش تھی کہ تو مجھے آخری بار گلے مل لے۔ اب مجھے جانے دو افسوس کہ تم تھری ڈیر بعد یتیم ہو جاؤ گی۔ مگر صابرہ بن کر رہنا تو حسین کی بیٹی ہے۔

غموں کے طوفان

امام عالی مقام دوسروں کو صبر کی تلقین فرماتے جا رہے ہیں لیکن اپنے سینے میں غم کے ہزاروں طوفان اُٹھے ہوئے ہیں جن کو اپنی قوتِ صبر سے دبا رکھا ہے۔

چلا کرتی ہیں اُن کے دل میں لاکھوں آندھیاں غم کی
بظاہر جن کے چہروں پر غبارِ غم نہیں ہوتا

سکینہ نے اب داغِ یتیمی کو سر پر دیکھا تو فریاد پر فریاد کرنے لگی۔ بابا کے پاؤں سے لپٹ لپٹ کر اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر عرض کرتی ہے۔ بابا سارا گھر اُجڑ چکا ہے اب آپ تو نہ جائیں۔ آپ کے بغیر تو ہم مرجائیں گے بابا۔

بابا آپ نہ جائیں۔ نہ جائیں میرے ابا جان نہ جائیں۔ آپ چلے گئے تو میں بابا کس کو کہوں گی بابا!۔ مجھے بیٹی کون کہے گا میرے بابا۔ مجھے اپنی ڈھال بنا لو ابا جان! آپ پر چلنے والی تلوار پہلے سکیں نہ پر چلے گی آپ نہیں ہوں گے تو زندگی عذاب بن جائے گی۔

بچی کی فریاد سنی تو امام عالی مقام کا دل بھر آیا۔ آنکھیں تو پہلے ہی آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں پیار کا سوما بہہ نکلا۔ شفقتِ پدری کا چشمہ رواں ہو گیا۔ صبر تو کرنا ہی تھا۔ اور یہ صبر ہی تو تھا اور صبر کسے کہتے ہیں۔ صبر کا دامن چھوڑ دیتے تو اب بھی یزیدی اطاعت کر کے زندگی بچا سکتے تھے۔

فرض ادا ہو رہا ہے

یہی تو چیز تھی جس نے ملائکہ سے اشرف کر دیا۔ باپ کی محبت کا جذبہ بھی موجود ہے، شفقتِ پدری سے سینہ بھی معمور ہے۔

اولاد کی محبت بھی دل میں طوفان برپا کر رہی ہے مگر فرض بھی ادا ہو رہا ہے۔ جیسے بھی ہو سکا آپ نے روتی تڑپتی بچی کو پاک دامنوں کے حوالے کر کے صبر کی تلقین فرمائی۔

آخری بار ہمشیرہ کی پتھرائی ہوئی نظروں کا نظارہ کیا اور نظریں جھکا لیں۔ حضرت شہر بانو اور جناب اُم لیلیٰ کی طرف درد میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ دیگر بیٹیوں کو الوداعی سلام کہا۔

شہادت کا دولہا

امام مظلوم خیمے سے نکلنے لگے تو جناب زینبؓ کی حالت بدل گئی۔
 درد و غم میں ڈوبی ہوئی امام مظلوم کی ہمشیر پر پھر دخترِ علیؑ کا روپ آ گیا۔ آپ
 لرزتی اور کانپتی ہوئی اُٹھی تھیں مگر اب صبر و استقامت کا پیکر بن چکی تھیں۔
 آپ نے فرمایا بھیا جسم سے ہتھیرا اتار دیں میں آپ کو خود شہادت کا دولہا
 بناؤں گی۔ مجھے اپنا فرض پورا کر لینے دیں پھر میدان میں تشریف لے جائیں
 اور پھر آپؑ نے جناب رسول کریمؐ کا عمامہ اپنے دوپٹے سے صاف کر کے
 بھائی کے سر پر رکھا۔

قبائے رسول پہنائی کپڑوں کی گٹھڑی کو کھولا اور اس سے ایک پنکا
 نکالا۔ یہ بنتِ رسول کا دوپٹہ تھا۔

وہ بنتِ رسول کے بیٹے کی کمر سے باندھ دیا جناب جعفر طیار کا نیزہ
 اور جناب سید الشہداء امیر حمزہؓ کی ڈھال پشتِ انور پر سجائی۔ بھیا حسنؓ کی
 زره پہنا کر ہاتھوں میں ذوالفقارِ حیدری تھا کر کہا۔
 ناموسِ رسولؐ کے محافظ باہر چلو تاکہ میں آپؑ کی رکاب تھام کر گھوڑے
 پر سوار کرواؤں۔ نانا مصطفیٰؐ معراج کو گئے تھے تو آپ کے گھوڑے کی رکاب
 جبریلؑ نے تھامی تھی۔

میرے ابا جان جنگ کو جاتے تو ان کی رکابیں بھائی حسنؓ اور آپؑ

تھامتے تھے۔ علی اکبر جنگ کو جانے تو ان کی رکاب کو علمدار نے سہارا دیا اب آپ جانے لگے ہیں تو اہلیت کا کوئی مُرد موجود بھی نہیں اس لئے یہ فریضہ بھی علی کی بیٹی ادا کرے گی۔

آپ نے فرمایا نہیں بہن! میں آپ کا یہ فرمان نہیں مان سکتا۔ حسین کی غیرت یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی زندگی میں اس کی ہمشیر پر دے سے باہر نکلے۔ آپ سیدہ کی بیٹی ہیں۔ میرے بعد جو آپ کا حال ہونا وہ تو میں دیکھ رہا ہوں مگر ابھی حسین زندہ ہے۔

بیٹی کا بابا کو روکنا

اور پھر آپ باہر نکل آئے اور گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ آپ نے گھوڑے کو چلانا چاہا مگر وہ ہل نہیں رہا تھا۔ آپ نے نگاہیں جھکا کر دیکھا تو جناب سیکنہ گھوڑے کے پاؤں سے لپٹی ہوئی تھیں۔ آپ نے فرمایا بیٹی! ان معصومانہ کوششوں سے باپ کے دل پر چھریاں نہ چلاؤ۔ سیکنہ میں تیرے دل میں لگی ہوئی آگ کے شعلے دیکھ رہا ہوں۔ مگر کیا کروں مجھے میرا فرض پکار رہا ہے۔ صبر کرو سیکنہ تم صابروں کی بیٹی ہو۔ پھر آپ نے گھوڑے سے اتر کر بڑی مشکل سے بچی کو خیمے میں پہنچا کر جناب ام لیلیٰ کے سپرد کیا اور دُعا دے کر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ جناب فاطمہ کی بہوؤں نے اپنا اُجڑتا ہوا سہاگ کس طرح دیکھا تھا یہ قلم میں طاقت نہیں کہ بتا سکے۔

موت سے مکالمہ

امام عالی مقام نے گھوڑا میدان کی طرف پھیرا تو پیچھے سے آواز آئی
شبیرؑ پیچھے پلٹ جاؤ، میں موت ہوں۔

امام عالی مقام نے فرمایا۔ مت فکر کرو میں بھی حق و صداقت کی
صوت ہوں۔

آواز آئی! میں طوفان ہوں۔

فرمایا! میں چٹان ہوں۔

آواز آئی! میں تقدیر ہوں۔

فرمایا! میں شبیرؑ ہوں۔

آواز آئی! میں خون ہوں۔

فرمایا! میں دین کا ستون ہوں۔

آواز آئی! میں تلوار ہوں۔

فرمایا! میں سراپا ایثار ہوں۔

آواز آئی! میرا کام خون بہانا ہے۔

فرمایا! میرا کام دین کو بچانا ہے۔

آواز آئی! میں خونی ڈین ہوں۔

فرمایا! میں حسینؑ ہوں۔

آواز آئی! تو لہو لہان ہو جائے گا۔

فرمایا! میرا امتحان ہو جائے گا۔

آواز آئی! تو کٹ جائے گا۔

فرمایا! ظلم کا بادل چھٹ جائے گا۔

آواز آئی! میں اجل کا تیر ہوں

فرمایا! میں نبی کی تصویر ہوں۔

آواز آئی! تیرا پسینہ فگار ہو جائے گا۔

فرمایا! دین کا بیڑا پار ہو جائے گا۔

آواز آئی! میں بڑی سخت ہوں

فرمایا! میں حیدر کرار کا تخت ہوں۔

آواز آئی! میں تجھے فنا کر دوں گی۔

فرمایا! مجھے بقاء مل جائے گی۔

آواز آئی! زندگی کا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

فرمایا! نانے کا دین قید سے چھوٹ جائے گا۔

آواز آئی! تیرا گھر برباد ہو جائے گا۔

فرمایا! نانے کا دین آزاد ہو جائے گا۔

آواز آئی! تو بیا س ہے۔

فرمایا! میرے ہاتھ میں کوثر کا کاسہ ہے۔

آواز آئی! تو اکیلا ہے۔

فرمایا! میرا خدا بھی اکیلا ہے۔

آواز آئی

حُسیںؑ

یہ جان بڑی چیز ہے جان بچا لو
فرمایا مجھے حکم ہے قرآن بچا لو
(صائمِ چشتی)

شبیّر ہوں ابرو پہ نہ بل ڈالوں گا
اس قیدِ علاق کو کچل ڈالوں گا

کیا موت سے ڈر موت کی سختی کیسی
میلی ہے یہ پوشاک بدل ڈالوں گا
(تعش)

شیر سے گفتگو

اور پھر علی کا شیرِ جلالِ حیدری کی تصویر بن کر ہزاروں دشمنوں کے

سامنے پہنچ گیا۔

شمر نے کہا موت سے ڈر گئے تھے جو اتنی دیر کر دی تھی؟

فرمایا! ایسی کوئی بات نہیں۔

شمر نے کہا! ہمیشہ سے مشورہ کر رہے تھے کہ یزید کی اطاعت کر کے جان بچالوں۔ اگر یہ مشورہ تم کر چکے ہو ہمیں اب بھی قبول ہے کہ تم اطاعت یزید کر لو! ہم تمہیں امان دیتے ہیں۔

فاطمہ کلال غضبناک ہو گیا۔ چہرے پر خون اتر آیا۔ آنکھوں میں قہر کے آثار پیدا ہو گئے۔ آپ نے فرمایا نا ہنجار خاموش ہو جا۔

چستکبرے گئے! اگر مجھے جان بچانا ہوتی تو میں قاسم کی زندگی بچاتا، علی اکبر کی جوانی بچاتا، عباس علمدار کی جان بچاتا۔

بیوقوف! اگر مجھے جان بچانا ہوتی تو علی اصغر معصوم کی جان بچاتا، عون و محمد کی معصوم زندگیاں بچاتا۔ پسرانِ عقیل و علی کی جانیں بچاتا، اپنے وفادار ساتھیوں کی جانیں بچاتا۔

احق کے بچے! محمد مصطفیٰ کا سارا باغ ویران کر لینے کے بعد بھی محمد مصطفیٰ کے باغی اور خدا کے دشمن کی اطاعت کر لینے کا مشورہ دیتا ہے۔

اور پھر آپ نے عمر و سعد کو مخاطب کر کے فرمایا۔ سعید باپ کے شقی بیٹے تو بھی سن لے! ہم نے اپنے خطبہ میں تم سب کو بتا دیا تھا۔

”ہمارا حق پہچانو! ہم اہلبیت رسول ہیں نبی علیہ السلام کی بیٹی کے بیٹے ہیں اور اس وقت ہمارے سوا دنیا میں کسی نبی کی بیٹی کا بیٹا موجود نہیں! اور

یہ بھی بتایا تھا کہ میرے سر پر عمامہ رسول ہے اور دیکھ یہ میری کمر میں خاتون قیامت کا پڑکا ہے۔ یہ دُھال سید الشہداء امیر حمزہ کی ہے۔ یہ نیزہ جعفر طیار کا ہے۔ یہ تلوار حیدر کرار کی ہے۔ مگر تم میری بات کب سُنتے ہو۔ تمہیں تو حکومت کرنے کے نشہ نے اندھا اور بہرہ کر دیا ہے۔ بدنصیب ظالمو! تم نے دینا بھی تباہ کر لی ہے اور آخرت بھی برباد کر لی۔

حق و صداقت کی جنگ

شمر نے کہا ہم نے تمہارا وعظ سُنے کے لئے نہیں بلایا۔ دل کی کوئی حسرت ہے تو نکال لو پھر نہ کہنا مقابلہ کا موقع نہیں دیا گیا۔ گو فیوں کا خیال تھا کہ اب حسین میں لڑنے کی ذرا بھی سکت نہیں ہوگی تین دن کا پیاسا ہے اور پھر صبح سے آنکھوں کے سامنے پورا خاندان کٹواتا رہا ہے۔ لاشیں اٹھا اٹھا کر کمر دوہری ہو گئی ہے۔ اب کیا مقابلہ کرے گا۔

اُن کے ایک آدمی ابنِ سنان نے بڑھ کر وار کیا آپ نے وار خالی دے کر ایسا نیزہ مارا کہ سینے کے آر پار ہو گیا۔ عمرو نے اپنا آدمی یوں کٹتا دیکھا تو عام حملے کا حکم دے دیا۔ وہ لوگ چاہتے تھے کہ جلد از جلد امام عالی مقام کا کام تمام کر کے فتح کے شادیاں بجاتے ہوئے ابنِ زیاد کے پاس پہنچ جائیں۔ یزید سے انعام حاصل کریں۔ ابنِ زیاد سے شاباش وصول کریں۔ علی کے اکیلے شیر پر ہزاروں دشمنوں نے حملہ کر دیا تھا۔ سینکڑوں تلواریں

بیک وقت ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ یزیدیوں کے نیزے اپنے ہی
نیزوں میں الجھ رہے تھے۔

امام عالی مقام پر برسے والے تیران کے اپنے گھوڑوں کو بھی زخمی کر
رہے تھے۔ حیدر کا شیروہ الفقار حیدری کو میدان میں اس طرح کو میدان میں
اس طرح گردش دے رہا تھا جیسے سینکڑوں بجلیاں بیک وقت کوند جاتی ہوں
تلوار کی کاٹ تھی یا بجلیوں کا رقص جو کفر کے نشمین کو جلا دینے پر تئل گئی ہوں
ابن حیدر کی تلوار جلال حیدری کی تصویر اور لَا سَیْفَ إِلَّا ذُو الْفِقَارِ کی
تفسیر بنی ہوئی تھی۔ سخت دو پہر ہو چکی تھی۔ زمین آگ اگل رہی تھی۔ آسمان
آگ برسا رہا تھا۔ میدان کر بلا میں چلنے والی بادِ سموم اس قدر گرم تھی جیسے
آگ کے شعلوں کو چاٹ چاٹ کو آرہی ہو۔ اور تیغ امام بھی گرم ہو چکی تھی
۔ جس کو چھو جاتی اُسے آگ لگا دیتی اور وہ آگ آگ پکار کر تباہ واصلِ جہنم ہو جا
تا۔

کیا جنگ میں تھی تیغِ شہنشاہِ زمَن گرم
سرگرم، ہوا گرم، زباں گرم، دہن گرم

پڑ جاتا تھا سایہ بھی تو ہو جاتے تھے تن گرم
مرنے پہ بھی خوانواروں کے تھے زخمِ بدن گرم

ظاہر تھا جلالِ شہرِ عالم کا نمونہ
 آج اس کی دکھاتی تھی جہنم کا نمونہ
 (میر مونس)

شمشیر چل رہی تھی، شبیر بڑھ رہے تھے، شریکٹ رہے تھے، زمین
 کانپ رہی تھی، آسمان لرز رہا تھا، میدان ہل رہا تھا، خون برس رہا تھا، فضا کا
 سینہ دھڑک رہا تھا، شریروں کی فوج کی تعداد بائیس ہزار ہے، شبیر اکیلا ہے مگر

فی النار کفر ہو گیا۔ مردودِ جل گئے
 لیکن نہ ذو الفقار کے ابرو سے بل گئے

ایک بد بخت نے اشارہ کیا حسین اودھ دیکھو وہ فرات کا ٹھنڈا پانی
 چمک رہا ہے مگر تمہیں اس سے ایک قطرہ پینا بھی نصیب نہیں ہوگا اور تم پیاسے
 ہی قتل کر دیئے جاؤ گئے۔ امام عالی مقام نے فرمایا اللہ تمہیں پیاسا ہی قتل
 کرے گا پھر وہ فوراً الطعش الطعش پکارنے لگا۔ پانی بھی پئے جا رہا تھا مگر
 پیاس اور زیادہ بھڑکتی جاتی تھی۔ آخر پیاسا ہی مر گیا آپ جدال و قتال کرتے
 ہوئے بھی یہ ارشاد بار بار دہرا رہے تھے۔ جفا کار ظالمو! تم میرے قتل پر جمع
 ہو چکے ہو۔

یاد رکھو خدا کی قسم میرے قتل کے بعد کسی کو قتل نہیں کرو گے جس کا قتل

میرے قتل سے زیادہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور ناخوشی کا باعث ہو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں حسین مگر تم وہ بدلہ پانے والے ہو جو تمہارے خواب و خیال میں بھی نہیں۔ اللہ تم میں پھوٹ ڈال دے گا تمہارا خون بہائے گا اور پھر تم پر عذابِ الیم مسلط کر دے گا میرے ایک قتل کے بدلے تم لاکھوں قتل ہو جاؤ گے مگر میرے خون کا انتقام ابھی باقی رہے گا۔

آپ ایک دفعہ زبردست جدال و قتال کرتے ہوئے ساحلِ فرات پر بھی پہنچ گئے مگر آپ تو پانی کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔

سو دکھ ہیں مگر شکوہ اعدا نہیں کرتے
تکلیف میں راحت کی تمنا نہیں کرتے

پانی کی طلبِ سیدِ والا نہیں کرتے
رغبت سے نظرِ جانبِ دریا نہیں کرتے

صدہ ہے کہ عباس یہاں قتل ہوا ہے
سقائے سیکنہ کا یہاں خون بہا ہے

پیا سے ہی امتحان دینا ہے

پانی تو پینا ہی نہیں تھا۔ علی اصغر کے پیا سے چلے جانے کے بعد پانی کیا پینا تھا۔ جس کا علی اکبر پیا سا شہید ہو۔ جس کے بٹخار میں چلتے ہوئے عابد کو ایک گھونٹ پانی نہ مل سکا ہو، جس کی معصوم سیکینہ پانی کے بغیر تڑپ رہی ہو، جس کے گھر والیاں پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس رہی ہوں جس کی ہمشیر سوکھ کر کانٹا بن چکا ہو وہ پانی کیا پیتا۔ پانی تو پینا ہی نہیں تھا صرف دشمنوں کو بتانا مقصود تھا کہ فرات شہر کی زد میں ہے فرات ہی کیا اگر آپ چاہتے تو کوثر کا چشمہ کناروں سے بہتا ہوا کر بلا کے میدان میں آ جاتا مگر آپ کو تو پیا سے ہی امتحان دینا تھا۔

یہ تمام مصیبتیں، تمام بلائیں اور تمام دکھ درد تو آپ کے اختیاری تھے۔ آپ نے تمام مصائب و مشکلات کا مشاہدہ کر کے اُن کو قبول کیا تھا اور پوری پوری رضامندی سے ہر مصیبت کو برداشت کرنا گوارا کیا تھا پھر آپ کو شکوہ کیا کرنا تھا۔

اس بلائے عظیم کو برداشت کر کے ہی تو تکمیل ذبح عظیم ہونا تھی۔ جنوں کا سردار ”زعفر“ حضرت علی کے ہاتھوں پر مسلمان ہوا تھا۔ اُس نے خود آکر در خواست پیش کی حضور والا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے ساتھیوں کی تعداد انتہائی قلیل ہے اور دشمن بہت زیادہ ہیں۔ مجھے حکم فرمایا جائے کہ میں

آپ کے دشمنوں کو چند لکھوں میں تہس نہس کر دوں۔ مگر آپ نے اُس کی درخواست مُسترد فرمادی جنّتوں کا سردار ہی کیا آپ خود امام الاولیاء اور محمد عربی کے نواسے تھے؛ اس اشارہ فرمادیتے تو فوج یزید ملیا میٹ ہو جاتی مگر آپ کو تو امتحان دینا تھا طغیان و سرکشی سے مُقابلہ کرنا تھا ورنہ کربلا میں کتنے ہی ایسے واقعات رونما ہو چکے تھے۔ کہ جو بھی جنابِ شبیر کے مُنہ سے نکلا وہ ہو کر رہا کسی نے آگ کا طعنہ دیا تو وہ آگ میں جل گیا۔ کسی نے قِطعِ نسل کا طعن کیا تو اُس کی نسل قطع ہو گئی کسی نے پانی کیلئے تمسخر کیا تو وہ پیاسا مر گیا۔

ان سب واقعات کا ماحصل یہی تھا کہ اگر امامِ مظلوم چاہتے تو وہ ان بلاؤں کا بیک جنبشِ لبِ خاتمہ فرما سکتے تھے مگر ایسا کرنے سے نانا کے لئے شہادتِ جلیلہ کے منصب کا اہتمام کس طرح ہوتا۔

آپ کو تلوار بھی چلانا تھی اور شہید بھی ہونا تھا۔ آپ کا منصب یہی تھا کہ آپ کو مجاہدانہ شہادت نصیب ہوتی۔ بے بسی کی شہادت کا رنگ اتنا گہرا کیسے ہو سکتا تھا۔ اگر آپ قوتِ روحانی سے فوجِ یزید کو ختم کر دیتے تو آپ کو شہیدِ اعظم کون تسلیم کرتا اور اگر آپ تلوار نہ اٹھاتے تو آپ کو مجاہدِ اعظم کون مانتا۔ بہر صورت دنیا کو یہ بھی دیکھنا تھا اور تاریخ میں یہ بھی آنا تھا کہ ناموس رسالت کے اکیلے محافظ نے خدا اور رسول کے بائیس ہزار دشمنوں سے مردانہ وار مقابلہ کیا اور یہ مقابلہ جاری ہے۔

محمدِ عربی کا ستارہ اکیلا ہے، جہنم کے شرارے ہزاروں ہیں فاطمہ
 کالال اکیلا ہے، ہندہ کے پوتے کے ساتھی ذروں کی طرح لا تعداد ہیں
 مدینے کا چاند اکیلا ہے اور شام کے بادل تہہ برتہہ اُڈتے چلے آتے ہیں
 حیدر کرار کا شیر اکیلا ہے اور دُنیا کے کُتے ہزاروں ہیں۔

ضَیْعَمِ عَلٰی کا ظُلم کے جنگل میں گھر گیا
 زہرا کا چاند شام کے بادل میں گھر گیا

بیکرِ جلال و جبروت

امام مظلوم کو جیسے جیسے بے گناہ شہیدوں کی یاد آتی جاتی ہے آپ
 بیکرِ جلال و جبروت بنتے جاتے ہیں۔ آپ کا چہرہ اقدس شدتِ جذبات سے
 رُخ و الضحٰی کا عکس جمیل بن کر چمک رہا ہے اس طرح انوار و تجلیات کی
 بارش ہوتی ہے جیسے شفق کے پردوں سے آفتاب طلوع ہو رہا ہو۔

چہرہ تھا ایسے خون کی جدّت سے شعلہ دوش
 سورج کا جیسے پُھولِ راک طشتِ سحر میں ہو
 آپ کے جسمِ نازنین پر جب دُشمنوں کے تیر آ کر لگتے ہیں تو آپ

اس طرح نکال کر پھینک دیتے ہیں جیسے کوئی کانٹا چبھ گیا ہو۔ محبوب جھروکوں سے جھانک جھانک کر عاشق کا دل بڑھا رہا ہو تو پھر احساسِ اذیت کہاں لذتِ وصال محبوب ہو تو تکلیف کی شدت کیسی یہی تو شہیدوں کا اعزاز ہوتا ہے۔ یہی تو عشق کی شان ہے کہ حُسن کو بے نقاب دیکھ کر باتھوں پر چھریاں چل جائیں اور انگلیوں کے کٹ جانے کا پتہ نہ چل سکے۔

امام مظلوم کے جسمِ انور پر تیروں کے کئی زخم آچکے ہیں مگر ذوالفقارِ حیدری قوتِ خیر شکن کا لوہا منوار ہی ہے۔ دشمن لومڑیوں کی طرح آگے پیچھے چھپتے ہیں مگر ذوالفقار علی تو اُن پر قبرِ خداوندی اور غضبِ الہی بن کر برس رہی ہے۔ رعد کی طرح کڑکتی ہے اور برق کی طرح جسموں سے پار ہو جاتی ہے۔ کسی کا سر نہیں تو کسی کا دھڑ نہیں کسی کا بازو نہیں اور کسی کی پنڈلی نہیں

بجلی سی جو گر کر وہ صفِ جنگ سے نکلی
فریاد کی آواز دلِ سنگ سے نکلی

اسوار کے سر پر جو پڑی تنگ سے نکلی
سینے میں اُتر آئی عجب رنگ سے نکلی

چھوڑا جسے مقتل میں لہو چاٹ کے چھوڑا
 پایا جسے اُس تیغ نے سر کاٹ کے چھوڑا

سر اڑ رہے تھے چلتی تھی سن سے جو ذوالفقار
 چلتے تھے وار تیغ دو پیکر کے بار بار

ڈھالوں کو روکتے تھے جو مردود نابکار
 رنجلی کی طرح کوندتی تھی تیغ شعلہ بار

مُرتے تھے ڈر سے دُوب کے ناری فرات میں
 غل تھا کہ آگ لگ گئی کشتِ حیات میں

بازو کسی کا تن سے جدا تھا کسی کا سر
 دو تھا بشکل کوئی گردن سے تا کمر

کوئی ترپ رہا تھا ادھر اور کوئی ادھر
 نازل تھا اُن پہ قبر خدائے بزرگ تر

آفت کی تیغ تھی تو قیامت کا ہاتھ تھا
گویا کہ غزرائیل چھری لئے ساتھ تھا
(انیس)

تیغ امام چل رہی ہے

تیر چل رہے ہیں تلواریں برس رہی ہیں، نیزے ٹکرا رہے ہیں
حیدر کا شیر بھی نعرہ تکبیر لگاتا ہے اور کبھی نعرہ حیدری لگا کر رجز پڑھتا ہوا
مجاہدانہ شان سے دشمنوں کی صفوں کی صفوں کو الٹ رہا ہے۔ تیغ امام چل رہی
ہے دشمن جہنم میں جا رہے ہیں

عمر و سعد برابر اپنے سپاہیوں کو غیرت دلاتا جا رہا ہے۔ سپاہ یزید
بڑھ بڑھ کر حملے کر رہی ہے محمد کا نواسہ تین دن کا پیاسا اپنے فرائض منصبی کو
پورا کر رہا ہے ذوالفقار حیدری کی عصمت کا تحفظ بھی ہو
رہا ہے اور فرائض ذبح عظیم کی تکمیل کا بھی وقت قریب آتا جاتا ہے۔ کربلا
کے دولہا کے رُخ منور کی تابانیوں سے ریت کے ذرے چمک رہے ہیں
جیسے آفتاب زمین پر اتر آیا ہو۔

ضو تھی یہ نور و حسن رسالت مآب کی
ذرّوں سے جھپکی جاتی تھی آنکھ آفتاب کی
(تغش)

عارض کی فوسے دیکھ انجم جھپک گئے
 نکلا جو آفتاب تو ذرے چمک گئے
 (انیس)

امام مظلوم کے جسم انور پر تیروں، تلواروں، نیزوں اور برچیوں
 کے بے شمار زخم آچکے ہیں۔ زخموں سے خون بہہ بہہ کرفاطمہ کے لال کا
 لباس سُرخ ہو چکا ہے۔ تصویرِ مصطفیٰ کے ساتھ ساتھ قبائے مصطفیٰ بھی تارتار
 ہو چکی ہے۔

بے چین رُوح سید لولاک ہو گئی
 تینوں سے مصطفیٰ کی قباء چاک ہو گئی

گھوڑے کی زین بھی خونِ حسین سے رنگین ہو چکی ہے اور گھوڑا بھی
 گردن سے لیکر پاؤں تک تیروں تلواروں سے چھلنی ہو چکا ہے۔ مگر شیر کا
 مرکب تھا پیکرِ استقامت بن کر سوار کا ساتھ بھار ہا تھا۔ صابروں کی سواری
 بھی صبر و شکر کا کامل نمونہ پیش کر رہی تھی۔

امام مظلوم کے جسم انور سے خون بہت زیادہ نکل چکا ہے نقاہت
 جسمانی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جاتی ہے مگر قوتِ عزم و اعتماد اور ایمان و یقین پورے
 جاہِ جلال کے ساتھ مصروفِ کارزار ہے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح
 سے میدانِ کربلا میں تشریف لائے ہوئے ہیں اور امام عالی مقام کے

ساتھیوں کا مقدس خون ایک شیشے میں جمع فرماتے جا رہے ہیں تا جدارِ انبیاء کا نورانی جسم گرد و غبار سے اُٹا پڑا ہے۔ دستِ اقدس پر ریت کی تہیں جمی ہوئی ہیں۔ ریش مبارک کے بال بکھرے ہوئے اور غبارِ آلود ہو چکے ہیں۔

امتحان ختم ہونے والا ہے

امام الانبیاء صبح سے نوا سے کا امتحان ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ خون کا شیشہ ہاتھوں میں پکڑا ہوا ہے اور نوا سے کے مقدس خون کا انتظار ہے اور اب یہ انتظار ختم ہونے والا ہے کربلا کے دولہے کے لئے جنت سنواری جا چکی ہے خوریں صف بہ صف فاطمہ کے لال کے استقبال کے لئے ایستادہ ہو چکی ہیں چشمہ کوثر تین دن کے پیاسے کے لئے بار بار جوش میں آ کر کناروں کے اوپر سے بہہ نکلتا ہے

جبریل ہاتھوں میں ذبحِ عظیم کی سند لئے بڑی شدت سے انتظار کر رہا ہے کہ وارثِ ذبحِ عظیم آجائے تو یہ تحفہ اسے پیش خدمت کروں تمام ملائکہ صف بہ صف محمدِ عربی کے نوا سے کا انتظار کر رہے ہیں۔

کہ ایک مردود و ملعون کا تیرا کر امام مظلوم کے حلق میں پیوست ہو جاتا ہے۔ حلقومِ حسین سے خون کا فوارہ اُبل پڑا آپ نے دستِ اقدس آگے بڑھا دیئے اور خون کو چلو میں لے کر آسمان کی طرف اُچھال دیا۔ امین صادق پورے خلوص کے ساتھ اپنی جان کی امانت بھی بارگاہِ خداوندِ قدس میں پیش

کر رہا ہے نانا جان نے بھی اپنے عظیم ذبیحے کا خون شیشے میں ڈال لیا اور اب
نواسے کے آخری سجدہ کا انتظار ہے۔

خونِ امام آسمان کی طرف اُچھلا تو فرشتوں نے اٹھا کر اُفق پر پھینک
دیا اور پھر وہ خون مقدس اُفق سے شفق بن کر ابھر آیا جو قیامت تک شفق کی
سُرخ بن کر نمودار ہوتا رہے گا اور محمد عربی کے نواسے کے بے گناہ قتل کی گواہی
دیتا رہے گا۔

جَدّتوں سید مظلوم شہید ہو یا شفق صُبح دی اودوں توں رتی ہو گئی
گلستانِ محمد دیاں عُجیاں تے نہیری اوہ چلی پتی پتی ہو گئی

گرم اکبر جوان دا خون دُہلا ریت کر بلا دی ہو رتی ہو گئی
ایدھر زہر ادا بجھیا چراغِ صائم اودھر گل سی کُفر دی جتی ہو گئی
(صائم چشتی)

آپکو اس دردناک حالت میں دیکھا تو شمر نے خیموں کو لوٹنے کا
اعلان کر دیا۔ امام مظلوم نے فرمایا! ظالمو بے غیرتی کی یہ انتہا تو نہ کرو۔
ہاموس مصطفیٰ کو لوٹنا چاہتے ہو! اور پھر وہ رک گئے۔ امام مظلوم کے حلق کا خون
منہ کے راستے بھی جاری ہے اور اسی حالت میں زُرعہ بن شریک ملعون
و مردود نے آپ کے بائیں شانے پر تلوار چلا دی۔ امام مظلوم کا بایاں بازو
لٹک رہا تھا اور دائیں ہاتھ میں تلوار تھامی ہوئی تھی کہ سان بن انس مردود و

ملعون نے آپ کے سینہ اقدس پر نیزے کا وار کر دیا اور نیزہ سینہ کے پار ہو گیا۔ امام مظلوم حق جہاد ادا کر چکے ہیں۔ سارا جسم ماہ انور سے بدل کر گلاب کا ٹھول بن چکا ہے

دیدار الہی کا وقت قریب آگیا

دیدار الہی کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیور نواسے کو بارگاہِ خداوندی میں پیش کرنے والے ہیں۔ وصال کی گھڑیاں اور بھی قریب آ جاتی ہیں شان بن انس حرامی نے سینہ منور میں کھبا ہوا نیزہ کھنچا تو قرآن رحلِ زین سے نیچے گر پڑا۔ فاطمہ کالال گرم گرم ریت میں مل گیا۔
حال یہ ہے کہ۔۔۔

تیغوں سے بند بند جدا تھا جناب کا
شیرازہ گھل گیا تھا خدا کی کتاب کا

جناب زینب نے بھائی کو گھوڑے سے گرتے دیکھا تو بیتاب ہو کر
خیموں سے نکل آئیں آپ فریاد پر فریاد کرتی اور دوڑتی ہوئی مظلوم برادر کی
طرف آرہی تھیں۔

دیکھا تو جان اہل حرم کی نکل گئی
غم کی چھری کلیجہء نئیب پہ چل گئی

چہرے کا رنگ اڑ گیا صورت بدل گئی
اُمڈا تھا دل کہ اشکوں کی ندی اُبل گئی

چلائیں یا رسولِ بلاؤں کو رڈ کرو
یا شیرِ کردگارِ پسر کی مدد کرو
(میرمنس)

انسانیت سنبھل گئی

امام مظلوم گھوڑے سے گرے تو گرتی ہوئی انسانیت سنبھل گئی
- فاطمہ کالال خون میں ڈوب گیا تو اسلام کی ڈوبی ہوئی کشتی کنارے پر پہنچ گئی
- امام مظلوم کیا گرے کفر کی دیوار کو لرزہ آگیا۔ جبر و تشدد کے محلات پر لرزہ
طاری ہو گیا۔ خون حسینؑ کی سُرخ لکیر نے حق و باطل کی حدوں میں امتیاز
کر دیا۔

رلیاں ریت وچ بوٹیاں پیرویاں پر، نہیں حق وچ باطل رلاؤن دتا
نانے پاک دی پاک دستار اُتے ماسہ داغ حسین نہیں اولن دتا

رخ اُمت دانانے دی شرح ولوں ذرا جنّاں حسین نہیں بھون دتا
مرکز عشق دی لاش دے ہوئے ٹکڑے صائم مرکز نہیں ٹکڑے بناؤں دتا
(صائم چشتی)

سجدہ شبیری

قرآن ناطق گرا پڑا ہے اور شمر نے گردن پر پاؤں رکھا ہوا ہے۔
سنان بن انس شور مچا رہا ہے کہ اس کا سر کاٹ دو۔ امام عالی مقام الٹا ہونے
کے لیے زور لگا رہے ہیں۔

آخری سجدہ کرنے کے لیے آخری قوت صرف کر رہے ہیں۔ آپ
نے کہا شمر میری گردن سے پاؤں اٹھالے تاکہ میں اپنے رب کے حضور میں
آخری سجدہ کر لوں اور پھر آپ نے اس حالت میں بھی زور یدِ الٰہی سے اپنا
رُخ بدل کر سرِ نیاز کو بارگاہِ خداوندی میں رکھ دیا۔

اسلام کے دامن میں بس دو ہی تو چیزیں ہیں
اک ضرب یدِ الٰہی اک سجدہ شبیری

یہی سجدہ نیا تھا جس نے انسان کو کسِّ مَنابِیِ آدَم کا تاج پہنا کر
فرشتوں سے اشرف اور تمام مخلوقات سے ممتاز کر دیا۔ شمر گردن پر شجر پھیر رہا

ہے اور سجدہ محبت ادا ہو رہا ہے اور ملائکہ کی صفیں کربلا کے شہنشاہ کو سلامی پیش کر رہی ہیں۔ پھر شان ابن انس نے اُس سرانور کو جسم سے جدا کر دیا جسے رسولون کے سردار بو سے دیا کرتے تھے۔ فاطمہ کالال اپنے امتحان میں پوری کامیابی کے ساتھ پاس ہو کر بارگاہ رب جلیل میں پہنچ گیا۔ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ جسدہ الکریم و علیہ و اصحابہ و النصار و ابناہ و اخوانہ و ازواجہ و اہل بیتہ و عترتہ و بناتہ۔

میرے بابا کو کوئی فوج کئے جاتا ہے
کاکلیں پکڑے سر پاک لئے جاتا ہے

یزید کے خونخوار گتوں نے شبیر علیہ السلام کا سر کیا قلم کیا پوری انسانیت کا سر قلم کر دیا۔ حق و انصاف کا سر قلم کر دیا اور پھر آپ کے کٹے ہوئے سرانور کو نیزے پر چڑھا کر بلند کر دیا۔

مورخ لکھتے ہیں کہ اسلام میں یہ پہلا سر تھا جسے نیزوں پر بلند کیا گیا یہ بحث تو اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہوگی کہ آپ کر سرانور کاٹ کر نیزوں پر بلند کرنے والے مسلمان بھی رہ گئے تھے یا کافروں سے بھی بدتر تھے۔

البتہ اس بات کو قلم انداز نہیں کیا جاسکتا کہ امام عالی مقام کا سرانور

جسم سے علیحدہ ہو کر بھی سر بلند و سرفرازی رہا۔

اور اس سرفرازی کا اظہار بھی دشمنان دین اور ظالموں کے ہاتھوں سے ہوا۔ جنہوں نے اس سر اقدس کو جسم سے علیحدہ کیا تھا۔

سر شبیر نے نیزے پر بلند ہو کر یہ حقیقت مکمل طور پر واضح کر دی کہ حق ہمیشہ سر بلند ہی رہتا ہے۔ صداقت کو ہمیشہ سرفرازی نصیب ہوتی ہے جو زبان سے اقرار نہیں کرتے وہ عملی طور پر دنیا کے سامنے حسین علیہ السلام کی سر بلندی کا اظہار کر رہے تھے۔ سرفرازی تو نواسہ رسول کی ملکیت تھی۔

پھر یزیدیوں نے راکب دوش رسول کے لاشہ اقدس پر گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے۔ لعنت ہو خدا کی اور فرشتوں کی ان ملعونوں پر۔

خیمے جلادئیے

جس نے بچایا خلق کو دوزخ کی آگ سے
افسوس اس کی آل کے خیمے بھی جل گئے
(صائم چشتی)

ادھر گلستانِ فاطمہ کا ایک ایک پھول بکھر چکا ہے اور ادھر یزید نے
جشنِ فتح منار ہے ہیں۔ آفتاب کی تمازت بھی کم ہوتی جا رہی ہے اور شام
غریباں بھی نزدیک آتی جا رہی ہے۔ آگ برسانے والی دھوپ بھی غمِ حسین
میں افسردہ ہو کر زرد ہو چکی ہے۔

آتش جو دھوپ کی تھی وہ افسردہ ہو گئی
لاشوں کا بوجھ تھا کہ زمیں مردہ ہو گئی
(میرمنوں)

جنابِ زینب بھائی کی لاش کو کپڑے سے ڈھانپ کر واپس آ گئیں
ازواجِ حسین کا جو حال ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ جن کا سہاگ اجڑ گ
جائے، جن کی تمناؤں کا خون ہو جائے، جن کے بیٹے خاک کی ڈھیری بن
جائیں، جن کے شیر خوار بچوں کے جھولے خالی ہو جائیں، جن کی ہری بھری

گود خالی ہو جائے، جن کے سر کی ردا چھن جائے ان کا درد کون بیان کر سکتا ہے۔ جن کی حرمت کا محافظ چلا جائے، جن کے سر کا دوپٹہ اتر جائے ان کا حال کیسے لکھا جاسکتا ہے۔

اہل بیت پر ظلم

عصر کا وقت ہو چکا ہے۔ کو فیوں کے چند لٹیرے شمر کی معیت میں آگے بڑھے تمام اہلبیت کو ایک خیمے میں جمع کر کے باقی خیموں کو آگ لگا دی آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور آل رسول کے دل ڈوب رہے تھے۔ شیطان کے ساتھی مال غنیمت اکٹھا کر رہے تھے۔ وہ اس ارادے سے آئے تھے کہ شبیر کے گھر سے بہت مال ملے گا۔ مگر وہاں تو صرف اللہ کا نام تھا۔ فاطمہ کے بیٹے سے دنیا کا مال و منال کیا ملتا۔ مایوس ہوئے تو کپڑے اکٹھے کرنے شروع کر دیئے۔ جناب سیکنہ کے کانوں کی بالیاں کھینچنے لگے۔ بچی نے احتجاج کیا تو تھپڑ مار دیا۔

اس سے بڑھ کر ظلم و ستم کی داستان اور کیا ہوگی۔ کتنے بے حیا تھے وہ ہاتھ جو حسین کی بچی پر اٹھے۔ کتنے بے غیرت تھے وہ ہاتھ جو علی کی پوتی پر اٹھے۔ کتنا سنگدل اور ملعون تھا وہ شخص جس کا طمانچہ سیکنہ کے منہ پر پڑا۔

جس ہاتھ سے تھپڑ پڑا وہ ہاتھ بد کردار تھا
عارض سیکنہ کے نہ تھے تاریخ کا رخسار تھا

خیموں کا محافظ

اب ایک بیمار کی باری تھی۔ بے ہوش زین العابدین کو شمر نے پورے زور سے گھسیٹا کہ بیمار نے آنکھیں کھول دیں۔ سر پر ظالموں کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ ان خیموں کا محافظ بھی شہید ہو چکا ہے۔ شمر نے ساتھیوں کو کہا کہ اس کو سر بھی قلم کر دو جناب سجاد سنبھل کر اٹھنے لگے تو علی کی بیٹی کو جلال آ گیا۔ جناب نہ نب نے غضب میں آ کر فرمایا۔ بے غیرت انسانو! کچھ تو شرم کرو۔ اب بیمار کو بھی قتل کر دو گے۔ آؤ پہلے ہمیں قتل کر لو۔ پھر اسے قتل کر لینا۔ بات یہیں تک پہنچی تھی کہ عمرو سعد بھی آ گیا۔ اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اب لوٹ کھسوٹ ختم کر کے یہاں سے چلے جاؤ اور بیمار کو قتل نہ کرو۔

اہل بیت ایک ہی خیمے میں پڑے ہوئے اپنی حالت زار پر رورہے تھے کہ شام کا وقت ہو جاتا ہے اور پھر نماز مغرب کی ادائیگی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

شامِ غریباں

اب شامِ غریباں آتی ہے دردِ عالم میں ڈوبی ہوئی شام،

خونِ شہیداں میں لت پت شام،

افسردہ اور نڈھال شام،

لٹی پٹی اور کٹی پھٹی شام،

ترپتی اور پھڑکتی شام،

اندھی اور کالی شام،

غمگین اور الم ناک شام،

گھٹی گھٹی چیخوں والی شام،

دبی دبی آہوں والی شام،

خون کے آنسو برساتی شام،

جاں سوز و دلِ دوز شام،

سوز و گداز میں لپٹی ہوئی شام،

فریاد کرتی ہوئی شام،

نوحے سناتی ہوئی شام،

مرثیے پڑتی ہوئی شام،

سنان اور ویران شام، حیران و یریشاں شام۔

شام کالی شام، اندھی شام، خوف انگیز شام
بے ضیاء، بے نور، وشتناک، عبرت خیز شام

شام خونی شام، سونی شام، ظلمت بار شام
خونچکاں، خونریز، خون انگیز اور خونخوار شام

قہر آگیں، ماتمی، غمگیں، بلا اندوز شام
پرالم، پردہ، پرغم، پرہم، پر سوز شام

دوبتے سورج کی قاش گرم سے لپٹی ہوئی
یوم عاشورہ کی لاش گرم سے لپٹی ہوئی

(سیما)

یزیدی اپنے مرداروں کو دفن کرنے کے بعد اپنے پڑاؤ میں شام فتح
منار ہے ہیں۔ اور خاندان رسول کی لٹی پٹی شہزادیاں ایک بیمار کے سر ہانے
بیٹھی اپنی حالت پر رورہی ہیں۔

پیاسوں کو چوتھی رات ہو گئی اب تو بھوک پیاس کا احساس ہی ختم ہو
چکا ہے۔ کہتے ہیں کہ غم کے وقت بھوک زیادہ لگتی ہے مگر غم کی بھی تو کوئی حد
ہوتی ہے۔ صبح عاشورہ آئی تھی تو ان یا کد امنوں کے ساتھ کتنے لوگ تسلیاں

دینے والے تھے۔

تسلی کون دیتا ہے

مگر اب تو ایک بھی نہیں، کون سہارا دیتا کر بلا کے وشتناک جنگل میں کون تسلی دینے آتا۔ اپنا وطن ہوتا، اپنا شہر ہوتا، اپنا گھر ہوتا تو کچھ ڈھارس بھی بندھتی۔ مگر یہاں تو نہ وطن اپنا ہے، نہ شہر اپنا ہے اور نہ گھر اپنا۔ گھر سے کوئی باہر گیا ہو تو اس کے انتظار میں ہی وقت گزر جاتا ہے۔ مگر یہاں کون آتا، کس کا انتظار کیا جاتا، علی اکبر کا؟

ان کا خون میں ڈوبا ہوا لاشہ تو گرم ریت کے نیچے دفن ہے۔ عباس علمدار کا؟ ناموس محمد کے پیہرے دار کا؟ پیہرے دار کی تلاش کے بھی کئی ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ اس کے بازو الگ کٹے پڑے ہیں۔ سر الگ کٹا پڑا اور سینہ الگ پھٹا پڑا ہے۔

پھر کس کے انتظار میں وقت کٹتا، کس کا راستہ دیکھا جاتا، قاسم کا؟ وہ تو علی اکبر کے پہلو میں تیروں تلواروں سے چھلنی ہو کر دفن ہو چکا ہے۔ انہیں کسی کا بھی انتظار نہیں اور نہ کسی نے آنے کا تھا۔

ہاشمی شہزادے سو گئے

ہاشمی شہزادے سوئے پڑے تھے۔ جناب عبدالمطلب کے چھوٹے بڑے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ جناب ابوطالب کی ساری اولاد کٹ چکی

تھی۔ کربلا میں جتنے ہارشی شہید ہوئے وہ سب جناب ابوطالب کی اولاد تھی۔
اور اس مقدس اولاد کے تو ٹکڑے ٹکڑے پڑے تھے

خدا کے سوا کوئی نہیں

پھر سید زادیوں کا حال کون پوچھتا۔ ان کے غم کی کہانی کون سنتا، ان کا دل کون بہلاتا۔ وہ کس کو دیکھ کر غم غلط کر لیتیں عون و محمد کو؟ مگر وہ تو ماں کی فرمانبرداری کا حق ادا کر کے ریت کے نیچے دبے پڑے تھے۔ علی اصغر کو؟ وہ تو کوثر کے چشمہ پر پانی پینے گیا ہوا ہے۔ کوئی نہیں! خدا کے سوا کوئی نہیں جو اس لئے پٹے خانماں بربادوں کا حال پوچھتا۔

ایک اور امتحان

ان کے سامنے تو ایک اور امتحان کھڑا تھا۔ انہیں شہیدوں کی لاشوں کا پہرہ دینا تھا۔ ان کی زندگی کا سہارا، ان کی تمناؤں کا مرکز، ان کے دکھوں اور دردوں کا مداوا حسین بھی نانا کے حضور پہنچ ہے۔

اس کا چہرہ ہی سامنے ہوتا تو زیارت سے کچھ قرار آ جاتا۔ مگر سر تو کو فیوں کے پاس تھا۔ اس المناک شام سے بڑھ کر نہ کوئی شام دنیا میں آئی ہے۔ اور نہ آئے گی۔

ہو کا عالم اور غضب کا سناٹا ہے، کانوں میں شائیں شائیں کی آواز ایسے آتی ہے، جیسے ریت کے ذرات رور ہے ہوں، جیسے زمین فریاد کر رہی ہو

آہ! وہ جاں سوز منظر الامان والحذر
بے سرو مجروح لاشیں شعلہ افشاں ریت پر

کوئی ان پر ماتمی تھا اور نہ کوئی نوحہ خواں
صرف تنہائی مجاور، بے کسی تھی پاسباں

ریت کے ذروں سے اک فریاد نکلی ناگہاں
نوحہ گستر، نوحہ زن، نوحہ طراز و نوحہ خواں

آہ! اس جنگل میں مہمانِ حجازی لٹ گیا
شام کے میدان میں مکے کا غازی لٹ گیا

رات سر پر آگئی ہے، بیمار کراہ رہا ہے، بی بی سکینہ فریاد کر کے اس
طرح خاموش ہو چکی ہیں جیسے موت کی آغوش میں پہنچ چکی ہوں ساری پاک
دامنیں رورو کر اپنا دامن تر کر رہی ہیں۔ نیند کس کو آتا تھی بس جیسے بھی رات
کتنی رات کاٹا تھی مگر رات تو کٹ ہی نہیں رہی تھی۔ جیسے جیسے گزر رہی تھی
طویل ہوتی جا رہی تھی۔ جنابِ نہنب کئی بار جا کر بھائی کا بغیر سر کے لاشہ چوم
آئی ہیں۔ کبھی خیمے میں آ کر بیمار کو دیکھ لیتی ہیں اور کبھی بھائی کے لاشہ اقدس

پر پہنچ جاتی ہیں۔ رات آدھی سے زیادہ ڈھل چکی ہے چاند شہیدوں کی لاشوں کے چاند جیسے ٹکڑوں پر اپنی کرنیں بچھا کر رہا ہے۔

جناب زینب نے دیکھا کہ ذرا دور ہٹ کر دوسائے سے نظر آتے ہیں آپ نے وہیں سے آواز دی آگے نہ آنا ایک پردہ نشین اپنے بھائی کی لاش پر پہرہ دے رہی ہے۔ آواز آئی بیٹی ہم غیر نہیں ہیں ہم بھی تیرا پہرہ ہی دیکھنے آئے ہیں۔

جناب زینب نے پہچان لیا کہ یہ تو میرے بابا علی کی آواز ہے۔ تسلی کے لئے دوبارہ آواز دی۔ آپ کون ہیں بابا! پہلے بتا لو پھر آگے بڑھنا۔ آواز آئی بیٹی ہم آگے نہیں آئیں گے۔ میری غمزدہ بیٹی صبر کرو میں تیرا بابا علی ہوں اور یہ تیری ماں فاطمہ بنت رسول ہیں۔ ہم تمہارا پہرہ دیکھنے کے لئے ہی آئے ہیں۔ جناب زینب نے یہ قرار ہو کر آواز دی۔

امی جان! آواز آئی جی بیٹی! ماں قربان کیا بات ہے؟
امی جان آپ رُک کیوں گئے آگے آکر میرے نازوں کے پالے کا لاشہ تو دیکھ لو مجھے دلا سہ تو دے جاؤ۔
آواز آئی بیٹی میں آگے نہیں آسکتی۔

جناب زینب نے پھر آواز دی ابا جان! آواز آئی ہاں بیٹی میں موجود ہوں۔ عرض کی ابا جان آپ صبح کیوں نہیں آئے؟ جب آپ کا گھر لٹ رہا تھا اس وقت آپ کہاں تھے؟

آپ اُس وقت کیوں نہیں آئے جب اصغر نے تیر کھا کر دم توڑا تھا؟ جب علی اکبر کی لاش کو اٹھاتے وقت میرے بھائی کی کمر دوہری ہو رہی تھی؟ جب قاسم کی جونی لوٹی گئی؟ جب عباس کے بازو قلم کیسے گئے؟ جب عون و محمد کو قصابوں نے ذبح کیا؟ جب پسران عقیل و جعفر شہید ہوئے؟ بابا آپ کو اُس وقت آنا تھا جب تیرے حسین کا تیروں اور تلواروں سے سینہ چھلنی ہوا تھا۔ بابا آپ اُس وقت کیوں نہ آئے جب میرے بھائی کے گلے میں تیر پھنسا ہوا تھا؟ میرے بابا میں تو اُس وقت بھی آپ کی وہائی دیتی رہی۔ المدد المدد ابا جان! پکارتی رہی ہوں۔

میرے اچھے ابا جان! آپ کو اس وقت آنا چاہیے تھا۔ جب تیرے حسین نے شر کے پاؤں تلے دبی ہوئی گردن کو موڑ کر آخری سجدہ کیا تھا۔ میرے بابا! ہم لٹ گئے ہیں تو آپ آئے ہیں۔ آپ کا باغ اُجڑ گیا ہے تو آپ آئے ہیں۔ ہماری ردا ئیں چھن گئی ہیں تو آپ آئے ہیں۔ آپ کی بہوؤں کا سہاگ اُجڑ گیا ہے تو آپ آئے ہیں۔ سیکینہ یتیم ہو گئی ہے تو آپ آئے ہیں۔ اور پھر حضرت زینب کا حلق سوکھ کر کاٹنا ہو گیا۔

دوسری طرف سے آواز آئی بیٹی! ہم اس وقت بھی آئے تھے۔ تمہاری امی بھی ساتھ تھیں اور تمہارے نانا بھی ساتھ تھے۔ ہم نے تمہارا پورا امتحان اپنی آنکھوں سے دیکھا، تمہارے نانا حضور شہیدوں کے خون کو بوتل میں جمع کرتے رہے ہیں۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے اُڑنے والی دھول سے

تمہارے نانا کی زلفیں اٹ گئی تھیں۔ بیٹا ہم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میرے بیٹے حسین نے ویسا ہی امتحان دیا ہے جیسا اُن کے نانا حضور کی خواہش تھی۔

بیٹی تم نے اپنا حق پورا پورا ادا کر دیا ہے تم سب نے مجھ اور بنت رسول کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں سُرخ رو کر دیا ہے۔ تمہاری امی تمہاری قربانیوں سے پورے طور پر مطمئن ہے۔ تیرا بھائی، بھتیجے اور ان کے تمام ساتھی ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں۔ وہ سب بھی خوش ہیں ان کا امتحان بہت سخت تھا وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ سخت پیاسے تھے اس لئے اب جنت میں آرام کر رہے ہیں بیٹی! ابھی تمہارے صبر کا امتحان باقی ہے۔ تم بنت رسول کے دودھ کی لاج رکھو گی۔ صابر و شاکر بن کر رہنا میری بیٹی۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ خُدا حافظ اور پھر آواز آنا بند ہو گئی۔ جناب زینب کے دل کو کافی اطمینان حاصل ہو گیا تھا اور پھر باقی رات بھی گزر گئی۔

اسیرانِ اہلبیت کوفہ میں

صبح ہوئی تو فوج یزید نے اہل بیت مصطفیٰ کو پابند سلاسل کر لیا۔ عابد بیمار کو باوجود ان کی نقاہت و کمزوری اور شدت کے بخار کے زنجیریں پہنا دیں گئیں۔ اسیرانِ آلِ رسول جب شہیدوں کی لاشوں کے قریب سے گزرے تو فریاد و فغاں اور آہ بقا کا وہ شور ہوا کہ زمین و آسمان لرز کر رہ گئے۔ جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے اس طرح فریاد کی کہ سننے والوں کے سینے چاک ہو گئے۔ آپ اپنے نانا جان کو یوں صدا پر صدا دے رہی تھیں۔

وامحمد آہ یارسول اللہ

یارسول اللہ اپنے حسین کودیکھیں اس کا کیا حال ہو گیا ہے۔ نانا جان
آپ کی پشت کا سوار ریگستان میں کٹا پھٹا پڑا ہے۔ تیرا حسین خاک و خون
میں لتھڑا پڑا ہے۔

آہ! یارسول اللہ۔ سلام ہو یا محمد..... دیکھیں آپ کے حسین کا
سارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے تیری بیٹیاں قیدی بن چکی ہیں۔ ہوا ان پر
مٹی پھینک رہی ہے۔

سانوں پیتے کی ویر دی لاش جس دم
چھڈ کے تر دی اے بھین تے کی ہندا
درد منداں دے دلاں نوں پچھ جا کے
چھم چھم برسن جے مین تے کی ہندا

پچھو عابد نوں اکھاں دے سامنے جے
کڑیاں پھوپھی نوں پین تے کی ہندا

پچھو زہرا نوں خنجر دی دھار تھلے
جدوں تڑنے حسین تے کی ہندا

شمر اور عمرو سعد وغیرہ نے چند لوگوں کو اسیروں کے قافلہ کے ساتھ

635

روانہ کر دیا۔ خولی ملعون امام عالی مقام کا سراقہ س نیزے پر چڑھا کر قافلہ
کے آگے آگے جا رہا ہے۔

کملی والے دی سب آل کر بل دے وچ
لکھیاں ازلی تحریاں دے کم آگئی

مٹی کر بل دی خاک شفا بن گئی
جدتوں روشن ضمیراں دے کم آگئی

شام ولے سی ٹریا جدول قافلہ
آگے آگے سی سید دا سر جا رہیا

اپنے پروار قیدی نوں دیکھندارہیا
اوہدی راکی اسیراں دے کم آگئی
راستے میں ایک شخص ملا جو سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا جب اس
نے یہ آیت پڑھی

ام حسبہ ان اصحاب الکھف الرقیم
کانو من آیاتنا عجباً

روانہ کر دیا۔ خولی ملعون امام عالی مقام کا سراقدس نیزے پر چڑھا کر قافلہ
کے آگے آگے جارہا ہے۔

کملی والے دی سب آل کر بل دے وچ
لکھیاں ازلی تحریاں دے کم آگئی

مٹی کر بل دی خاک شفا بن گئی
جدوٹوں روٹن ضمیراں دے کم آگئی

شام ولے سی ٹریا جدوں قافلہ
آگے آگے سی سید دا سر جا رہیا

اپنے پروار قیدی نوں ویہندارہیا
اوہدی راکھی اسیراں دے کم آگئی
راتے میں ایک شخص ملا جو سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا جب اس
نے یہ آیت پڑھی

ام حسبت ان اصحاب الکھف الرقیم
کانومن آیا تناعجبا

کیا تمہیں معلوم ہوا کہ پہاڑ کہ غار اور جنگل کے کنارے والے
ہماری نشانیوں میں ایک عجیب نشانی تھے۔
سرا قدس سے آواز آئی؛

یا تالی القرآن اعجب من قصة اصحاب

الکھف قتن وحتمنی

اے قرآن پڑھنے والے مجھے قتل کرنا اور نیزے پر چڑھا کر لئے
پھرنا اصحاب کھف کے قصہ سے بھی زیادہ عجیب ہے۔

منزل بہ منزل اسیران مدینہ کا قافلہ کوفہ کی طرف بڑھ رہا ہے
آگے چل کر خولی ملعون نے ساتھیوں کو قافلہ کے ساتھ چھوڑ کر اپنی سوار کو تیز
کر لیا۔ وہ جلد از جلد سر امام کو ابن زیاد کے دربار میں پیش کر کے انعام حاصل
کرنا چاہتا تھا۔

خولی اُجڑ گیا

وہ جب کوفہ میں داخل ہوا تو اس وقت رات ہو گئی تھی، اس لئے وہ
بجائے ابن زیاد کو ملنے کے اپنے گھر آ گیا۔ سر مبارک اب اس نے نیزے
سے اُتار لیا تھا اور کپڑے میں باندھ رکھا تھا۔ اپنے گھر گیا تو بیوی نے پوچھا
کیا لائے ہو۔ بد بخت کہنے لگا میں نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ میں حسین کا سر
کات کر لایا ہوں۔

جس کا حکومت کی طرف سے اس قدر انعام ملے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گی۔ اس بیوی کا نام نوار تھا، جب اس نے سنا تو رونے لگی۔ وہ روتی بھی جا رہی تھی اور غصہ سے آگ بگولا ہو کر خولی ملعون کو برا بھلا بھی کہے جا رہی تھی وہ کہہ رہی تھی۔ خدا تجھے عارت کر دے تو نے جنت کے جوانوں کا سر کاٹا ہے خدا تجھے آگ میں جلائے، تو نے فاطمہ کے لال کا سر کاٹا ہے۔ تو ہمیشہ آگ میں جلتا رہے گا، تیرا گھر برباد ہو جائے گا۔

خولی کا خیال تھا انعام کا سن کر بیوی بہت خوش ہوگی۔ مگر خون حسین کا انتقام شروع ہو چکا تھا۔ جس گھر کو آباد کرنے کے لئے خولی بد بخت نے وحشت و بربریت کی انتہا کر دی۔ وہ گھر برباد ہو رہا تھا۔ نیک بخت بی بی نے سر اقدس کو پاکیزہ کپڑوں میں لپیٹا، خوشبو لگائی اور سامنے رکھ کر رونا شروع کر دیا۔ رات کا کافی حصہ روتی رہی تو اس پر نیند کا غلبہ طاری ہوا۔ پھر ایک دم آنکھ کھل گئی تو گھر میں نور کی بارش ہو رہی تھی۔ ان انوار کی چادروں میں لپٹی ہوئی چار عورتیں کھڑی ہیں، جیسے جنت کی حوریں اتر آئی ہیں۔ وہ سر اقدس کو باری باری ہاتھوں میں لے کر کبھی چومتی ہیں اور کبھی سینے سے لگاتی ہیں۔

خولی کی بیوی نے بیتاب ہو کر پوچھا حضرت آپ کون ہیں، ان میں سے ایک بی بی نے جواب دیا بیٹی تم نے ہمارے بیٹے کے سر اقدس سے پیار کیا ہے اس لئے تمہیں بتا دیتی ہیں کہ ہم کون ہیں۔ میں فاطمہ بنت رسول حسین کی ماں ہوں، اور یہ میری ماں جناب خدیجہ الکبریٰ ہیں، یہ حضرت

مریم حضرت عیسیٰ کی والدہ ہیں اور یہ جناب آسیہ ہیں۔

اُس نیک بخت نے چاہا کہ آگے بڑھ کر اُن کے قدموں کو بوسہ دے لے۔ مگر وہ ارواحِ منورہ سر اقدس کو بوسے دے کر غائب ہو گئیں۔ نور اسی طرح پھیلا رہا اور خوشبوئیں اُسی طرح مہکتی رہیں۔ صبح ہوئی تو خولی کی بیوی نے برقعہ اوڑھا اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

خولی پیچھے دوڑا اور منت سماجت کی کہ یوں جیتے جی بچوں کو یتیم نہ کرو۔ مگر وہ واپس نہ آئی اور یہ کہتی ہوئی اور دوڑ چلی گئی کہ تیرے بچے امام حسین کے بچوں سے اچھے نہیں ہیں۔

خولی کی بیوی جا چکی تھی اور اس کا گھر برباد ہو چکا تھا۔

شہید اعظم کا سر ابن زیاد

کے سامنے

پھر اس نے امام عالی مقام کا سر اقدس طشت میں رکھا اور دربارِ ابن زیاد میں پیش کر دیا۔ ابن زیاد کے ہاتھوں میں چھڑی تھی۔ اس نے وہ چھڑی جناب امام عالی مقام کے دانتوں پر مار کر کہا۔ میں نے نہ تو اس سے زیادہ خوبصورت چہرہ آج تک دیکھا ہے۔ اور نہ ہی اس سے زیادہ اچھے کسی کے دانت دیکھے ہیں۔ جناب زید بن ارقم صحابی بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا ابن زیاد ان دانتوں کو چھڑی نہ لگاؤ۔ میں نے رسول اللہ کو ان لبوں کو

چومتے دیکھا ہے۔

اس حسین کو بو سے دیتے دیکھا ہے۔ اور رسول اللہ کو یہ بھی فرماتے سنا ہے کہ جنت میں وہی جاسکے گا جو میرے حسین سے محبت کرے گا۔

ابن زیاد نے سنا تو چلا اٹھا۔ غصہ میں آ کر کہنے لگا بڑھے تو اگر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو میں تجھے قتل کر دیتا۔

جناب زید بن ارقم یہ سن کر کھڑے ہوئے اور جاتے ہو کہہ رہے تھے۔ اے لوگو آج سے تم غلام ہو۔ تم نے فاطمہ کے بیٹے کو قتل کیا اور مرجانہ کے بیٹے کو حاکم بنایا۔ وہ نیکیوں کو قتل کرتا ہے اور شریروں کو غلام بناتا ہے۔ تم نے خود ذلت پسند کی ہے۔ خدا انہیں برباد کرے گا جو ذلت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اب قافلہ اہل بیت بھی کوفہ میں پہنچ چکا ہے۔

کوفہ والوں نے خاندان نبوت کو اس طرح رسیوں میں جکڑا ہوا دیکھا تو فریاد و فغاں کرنے لگے عورتیں مرد ہر طرف رو رو کر آہ و زاری کر رہے تھے اور ہائے وائے کے نعرے لگا رہے تھے۔

بنت علی کا خطبہ

کوفیوں کی آہ و زاری اور فریاد و فغاں سنی تو بنت علی غضبناک ہو گئیں۔ فصیح عرب کی نوا سی اور باب العلم کی بیٹی نے بڑا فصیح خطبہ ارشاد فرمایا اور کوفیوں کو چپ کر وادیا۔ آپ نے فرمایا بد نصیب کوفیو!

رور و کر اور آہ وزاری کر کر کے سچے ہونے کی کوشش نہ کرو۔ اہل بیت رسول کے خون سے دامن رنگنے والے تم خود ہو۔ حسین کا کنبہ شہید کرنے والے تم ہو۔ میرے بھائی پر تیر چلانے والے تم ہو، میرے بھائی کا گلا کاٹنے والے تم ہو۔

ہمیں قیدی بنا کر یہاں لانے والے تم ہو۔ جفا کارو! میرے بھائی کو خط لکھ کر بلانے والے تم ہو بے وفاؤ! مسلم اور اس کے بچوں کو شہید کرنے والے تم ہو۔ اہل بیت رسول کو اس رسوائی کے ساتھ بازاروں میں پھیرنے والے تم ہو۔ دولت کے لالچ میں یزید کے ہاتھوں فروخت ہو جانے والے یزید یو اور ابن زیاد یو!

ہماری بربادی کا باعث تم ہو۔ تم بکا و مال ہو، تم دولت کی جھنکار میں برسر بازار فروخت ہو جاتے ہو۔ تمہیں یزید کی دولت نے خرید لیا اور تم نے یزیدی مہر بن کر گلستان نبوت کو اجاڑ دیا۔ فاطمہ کا گھر لوٹ لیا۔ پردہ نشینوں کی ردائیں چھین لیں۔ ناموس رسول کا بازاروں میں جلوس نکال لیا، اب ہمیں رو کر کیا دکھاتے ہو۔

تمہارے یہ آنسو مگر مجھ کے آنسو ہیں ہم ان سے متاثر نہیں ہوں گے۔ اور یاد رکھو اب تمہارا رونا کبھی نہیں تمہے گا اب تم روتے رہو گے۔ تمہیں اپنے بک جانے پر رونا آئے گا۔ تمہیں اپنی بدنصیبی اور بدکرداری پر رونا آئے گا۔ مگر تمہارا یہ رونا عبث اور بیکار ہوگا۔

تم نے یزید اور ابن زیاد کو خوش کر کے خدا اور رسول کو ناراض کر لیا ہے
اب خدا اور رسول تم پر کبھی نہیں خوش ہو سکتے۔ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے شمع
مصطفائی کو گل کر لیا ہے اب ہمیشہ اندھیروں میں بھٹکتے پھرو گے۔ کو فیوں
نے سیدہ کی بیٹی کی یہ حقیقت افروز تقریر سنی تو ندامت سے سر جھکا کر گھروں کو
واپس ہو گئے۔

بعض کتابوں میں آپ کے خطبہ کے الفاظ اس طرح ہیں۔ آپ
نے کو فیوں کو مخاطب کر کے فرمایا!

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وآلہ

اے عہد شکنو! اپنی زبان سے پھر جانے والے اور اپنے الفاظ بھول
جانے والے کو فیو! تم رورہے ہو تمہاری مثال اس عورت جیسی ہے جو پہلے
سوت تیار کرتی ہے اور پھر کپڑا بناتی ہے اور پھر اپنے ہی ہاتھوں سے ٹکڑے کر
ڈالتی ہے۔ تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو تم میں ایک شخص بھی ایسا نہیں
جو کذاب، بد عہد، بے وفا، ڈینگیس مارنے والا اور دل کا کھوٹا نہ ہو۔ تم
لومڑیوں کی طرح کینہ ور، کینہ توز، خوشامدی، دوست نما دشمن، مکار، باطل نواز
اور جھگڑالو ہو۔ یاد رکھو جو تم نے اپنی عاقبت کے لئے بھیجا ہے۔ وہ بہت برا
ہے تم پر عنقریب خدا کے قہر و غضب کا عذاب نازل ہونے والا ہے۔

کذاب کو فیو! تم میرے بھائی پر گریہ اور نوحہ کر رہے ہو۔ واللہ
تمہیں رونا ہی مناسب ہے۔ تم روؤ اور خوب گریہ کرو۔ تمہیں رونا ہی

چاہیے۔ تمنے بہت ہی بری باتوں کی آرزو کی تھی۔ وہ آرزو میں اب تمہارے دامن کے ساتھ چمٹ گئی ہیں۔ اور تمہارا رونا تمہارے دامن کو صاف نہیں کر سکے گا۔ تم نے نواسہ رسول کو قتل کیا ہے اُس کے خون کے داغ کے دھبے کیسے دھل سکیں گے، اُس کے قتل کا دھبہ کس طرح دھل سکے گا۔

کوفہ والو! تمہیں معلوم ہے کہ تم نے محمد کے کس جگر گوشہ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے؟ کون سے عہد کو توڑا ہے؟ محمد کی کس بیٹی کی بے حرمتی کی ہے اور کس مقدس خون کو تم نے بہایا ہے؟ یہ تمہارا وہ جرم ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ تم سے وہ حادثہ سرزد ہوا ہے جو تمہیں عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ اور پھر آخرت کا عذاب تمہیں ذلیل و خوار اور رسوا کرنے والا ہے اور ہاں ایسے لوگوں کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ کوئی طاقت خدا کے کاموں میں دخل نہیں دے سکتی اور نہ ہی اس کے انتقام کو کوئی روک سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب نافرمانوں کی تاک میں لگا رہتا ہے کوفیوں نے سنا تو ندامت سے گردنیں جھکا کر تتر بتر ہونا شروع ہو گئے۔

اہل بیت رسول ابن زیاد کے سامنے

اور پھر اسیران کر بلا کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا تو ظالم نے امام زین العابدین کو دیکھ کر کہا! اس کو کیوں چھوڑ دیا ہے اسے بھی قتل کر دو سیّدہ

کی بیٹی نے قتلِ سجاد کا سنا تو جلال آ گیا۔

جنابِ زینب نے فرمایا! ظالم! حجرہ رسول کا آخری چراغ بھی گل کر دینا چاہتا ہے۔ کیا تم نسلِ مصطفیٰ کو دنیا سے مٹا دینے پر تکل چکے ہو۔

آؤ دل کی یہ حسرت بھی نکال لو۔ لاؤ تلواریں پہلے ہم سب کو قتل کر لو پھر اسے بھی کر لینا۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس بچے کو قتل نہ کرو تو اچھا ہے۔ ابنِ زیاد نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ زینب بنتِ بتول ہے علی کی بیٹی اور حسین کی بہن ہے۔ ابنِ زیاد نے کہا جی تو اتنی سخت اور تیز ہے۔

خُدا کی لعنت ہو ابنِ زیاد کی اس بے حیاء زبان پر جس پر آلِ مصطفیٰ کی شان میں گستاخی کے لفظ آئے۔ جنابِ سجاد نے فرمایا! پھوپھی جان میں اس سے بات کرتا ہوں اور پھر فرمایا کہ میں بیمار ہوں مگر علی کا پوتا ہوں حسین علیہ السلام کا بیٹا ہوں۔ تو مجھے جلا دوں سے قتل نہیں کروا سکتا تجھے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ میں تیرے ہاتھ سے تلوار چھین کر تجھ پر وار کروں گا۔ ابنِ زیاد باوجود شقی القب ہونے کے گھبرا گیا۔ اور پھر جنابِ زینب کو مخاطب کر کے بولا۔ تم قیدی بھی ہو۔ اور تمہارا لباس بھی فقیروں جیسا ہے۔ تعریف اس خدا کی جس نے تم لوگوں کو رسوائی سے ہلاک اور ذلیل و خوار کیا اور تمہارے نام کو بڑھ لگایا۔

جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا۔ ہزار حمدیں اور تعریفیں اس

خدا کی جس نے ہمیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کی عزت بخشی اور ہمیں پاک کیا۔ تو غلط کہتا ہے۔ رسوائی اور ذلت و خواری فاسقوں کو ملتی ہے اور بے فاجروں کے نام لگتا ہے۔ ہمارے حق میں تو آیت تطہیر نازل ہو چکی ہے۔

ابن زیاد نے کہا۔ کیا تو نے دیکھا نہیں خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ جناب زینب نے فرمایا۔ ان باتوں کا پتہ خدا کے حضور میں پہنچ کر چلے گا۔ میرے بھائی نے شہادت کے منصب پر فائز ہونا تھا وہ ہو گیا۔ تم لوگوں نے قاتل اہل بیت بن کر خدا کے سامنے ذلیل و خوار ہونا ہے سو تم تیار رہو۔ ابن زیاد غضبناک ہوا تو اس کے ایک ساتھی نے اس کا غصہ ٹھنڈا کر دیا کہ عورتوں کی بات کا غصہ کرنا مناسب نہیں۔

کچھ دیر بعد ابن زیاد پھر بولا۔ خدا نے تیرے باغی اور سرکش بھائی اور اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا۔ جناب زینب نے سنا تو آپ بے اختیار ہو کر رونے لگیں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم تو نے واقعی ہمارے سردار ہی کو قتل کیا ہے۔ ہمارے خاندان کو مٹایا ہے۔ ہماری شاخوں کو کاٹ دیا۔ ہماری جڑ کو قطع کر دیا۔ اگر اس سے ہی تیرا دل ٹھنڈا ہونا تھا تو ہو گیا۔ شیطان ابن زیاد ہنسنے لگا اور ہنس کر کہنے لگا تو نے شاعری شروع کر دی۔ تیرا باپ بھی شاعر تھا مگر وہ تو بڑا بہادر اور شجاع تھا اور تم رورہی ہو۔ آپ نے فرمایا، ظالم یہ تو میرے دل کی آگ ہے جو آنسو بن

کر بھڑک اٹھی ہے۔

قیدی قافلہ

یزید پلید کے دربار میں

اور پھر ابن زیاد نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان سب کو اونٹوں پر اس طرح باندھ لو اور حسین علیہ السلام کے سر کو بانس کے ساتھ باندھ کر پورے کوفے میں پھیرنے کے بعد دمشق کو روانہ ہو جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آگے آگے یزیدی نواسے رسول کا سر اقدس لئے جا رہے ہیں اور پیچھے پیچھے اسیران بلا کالٹا ہوا قافلہ جا رہا ہے۔

دنیا کو غموں سے بچانے والے خود سراپا غم بن کر جا رہے ہیں۔ دنیا کو قید سے چھڑانے والے خود رسیوں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ دنیا کو جہنم کی آگ سے بچانے والے اپنے دلوں میں غم و آلام کے بھڑکتے ہوئے شعلے دبا کر جا رہے ہیں۔ دنیا کے نجات دہندہ خود گرفتار بلا ہیں۔ اہل بیت مصطفیٰ سارا گھربار لٹوا کر خون کے آنسو روتی جا رہی ہے۔ محمد عربی کی بیٹیاں اونٹوں کی نگلی پشتوں پر رسیوں سے جکڑی ہوئی ہیں۔ کتنا سخت امتحان ہے۔ محمد کے گھر والوں کا اور کتنی کڑی آزمائش ہے تاجدار کون و مکاں کی مقدس اہل بیت کی۔

امام زین العابدین۔ بالکل خاموش ہو چکے ہیں۔ بس مسلسل آنسو برساتے رہے ہیں۔ سب کے دل ٹوٹے ہوتے ہیں۔ سب کی امیدیں منقطع ہو چکی ہیں۔

یزید کے نمک خوار سپاہی جب بھی کوئی پڑاؤ آتا ہے تو امام عالی مقام کے سر اقدس کو نیزے پر چڑھا کر پھراتے ہیں۔ ایسے بد بختوں پر خدا اور اس کے فرشتوں کی لعنت ہو۔

عیسائی راہب مسلمان ہو گیا

ایک پڑاؤ پر ایک عیسائی راہب نے پوچھا کہ یہ کس کا سر ہے۔ یزیدوں نے جواب دیا نواسہ رسول حسین کا۔

راہب نے کہا تم بہت برے لوگ ہو۔ کیا تم اس سر کو مجھے ایک رات کے لئے دے سکتے ہو میں اس کے عوض میں تمہیں دس ہزار اشرفیاں دینے کو تیار ہوں۔ لالچی تو تھے ہی لالچ دیا گیا، ٹکڑا پھینکا گیا تو دنیا کے کتوں نے فوراً قبول کر لیا اور سر اقدس راہب کے حوالے کر دیا۔ راہب نے سر انور لیکر پاک صاف رومالوں میں لپیٹا۔ عنبر بار زلفوں کو خوشبوؤں میں بسایا اور گود میں لیکر ساری رات روتار ہا صبح ہوئی تو دل کی دنیا تبدیل ہو چکی تھی۔

محبت اہل بیت اپنا رنگ دکھا رہی تھا۔ جناب زین العابدین کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور یزیدیوں کو دس ہزار اشرفیاں گن کر دیں باقی مال

گر جاہی میں رہنے دیا اور گرجا کو چھوڑ کر تمام عمر خدمت اہل بیت میں گزاری
دوسرے پڑاؤ پر یزیدی ان اشرافیوں کو تقسیم کرنے لگے تو وہ مٹی کی

ٹھیکریاں بن چکی تھیں۔ اور ہر ٹھیکری کے ایک سمت میں لکھا تھا

ولا تحسبن الله غافلاً عما يعمل الظالمون

اور ہرگز اللہ کو ظالموں کے کاموں سے غافل نہ سمجھنا۔

وسيعلم الذين ظلموا اى مقلب ينقلبون

جنہوں نے ظلم کیا ہے اب وہ جانے جانتے ہیں کہ کس پلٹے پر پلٹا کھاتے ہیں

یہودی نے جان دی

قافلہ جب بحران پہنچا تو ایک یہودی یحییٰ نامی ملا۔ اس نے سر حسین
نیزے پر دیکھا تو پوچھا یہ کس کا سر ہے۔ یزیدیوں نے کہا حسین ابن علی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ اس نے پوچھا کہاں سے لائے ہو۔ انہوں نے کہا کہ کربلا
میں ایسے ایسے خاندان کو قتل کر کے اب اس سر کو یزید کے دربار میں پیش کریں
گے۔ یحییٰ نے سنا تو مشتعل ہو گیا۔ اس نے کہا تمہیں اس فخر سے واقعہ بیان
کرتے ہوئے شرم آنا چاہیے۔

تم انتہائی بے غیرت ہو۔ اسلام لا کر بھی تم نے آل رسول کو شہید کر
دیا تمہارا حشر انتہائی خوفناک ہوگا۔ یزیدی بھڑک گئے ایک نے تلوار نکال لی
کے اسے قتل کر دے پھر اس نے بھی تلوار نکال لی۔ سگ یزید قتل ہو گیا۔ پھر
سب نے حملہ کر دیا۔ یحییٰ نے چار اور قتل کر دیئے اور پھر خود بھی قتل ہو گیا۔

خدا جانے فتوے کو رو سے اسے مسلمان سمجھا جائے گا کہ نہیں البتہ روایتوں میں آتا ہے کہ اس شہر کے دروازہ باب الحران پر اس کا مزار مرجع خاص و عام ہے اور وہاں پر لوگوں کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں۔ اور مزار بھی یحییٰ شہید کے نام سے مشہور ہے۔

پتھر سرخ ہو گیا

پھر موصل شہر آیا تو چند یزیدی سپاہی حاکم شہر کے پاس گئے کہ ہم امیر کوفہ کے بھیجے ہوئے امیر شام کے پاس جا رہے ہیں۔ کربلا میں یہ عظیم معرکہ سر کر کے آئے ہیں ہمیں رات یہاں بسر کرنا ہے۔ ہمارے لئے خور و نوش اور رہائش کا انتظام کریں باقی لوگ پیچھے آرہے ہیں۔ حاکم شہر نے سنا تو لرز کر رہ گیا۔ اور پھر اس نے شہر کے برسر آوردہ لوگوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم ان لٹیروں کو شہر میں نہیں آنے دیں گے

چنانچہ شہر سے ایک فرسخ دور انہوں نے رات گزاری۔ وہاں ایک پتھر پر سر حسین رکھا تھا وہ پتھر سرخ ہو گیا جیسے اسے خون میں ڈبو دیا گیا جو لوگ اس پتھر کی زیارت کو دور دور سے آیا کرتے تھے اور پھر عبد الملک بن مروان نے اپنے دور اقدار میں وہ پتھر وہاں سے اٹھوا لیا۔

اسیران کربلا دربار یزید میں

بلا آخر اسیران کربلا کا قافلہ بھی دمشق پہنچ گیا اور یزید کے آدمی امام

عالی مقام کا سر اقدس لیکر بھی یزید کے شیطانی دربار میں پہنچ گئے۔ یزید تخت حکومت پر بڑی اخوت سے بیٹھا ہوا تھا کہ زحر بن قیس آگے بڑھا۔ یزید نے پوچھا کیا خبر ہے۔ اس نے کہا سب ٹھیک ہے۔

حسین اٹھارہ آدمی اہل بیت کے اور ساٹھ کے قریب حمایتیوں کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ ہم نے اسے اطاعت امیر پر مجبور کیا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پھر ہم نے انہیں صبح ہوتے ہی اس حالت میں قتل کر دیا کہ اس کے ساتھی آگے آگے بھاگتے پھرتے تھے اور چھپتے پھرتے تھے اس کے تمام ساتھیوں کے سر کاٹ کر کوفہ لائے گئے ہیں۔

اور ان کی لاشیں چیلین اور گدھیں نوچ رہی ہوں گی۔ اور پھر اس نے کپڑے سے کھول کر سر امام آگے رکھ دیا اور بتایا کہ باغیوں کی عورتوں کو بھی رسیوں میں جکڑ کر ساتھ ہی لایا گیا ہے۔

یزید نے سر امام کو دیکھا تو کا مکر وہ چہرہ کھل گیا اور پھر اس نے قیدیوں دربار میں حاضر کرنے کا حکم بھی دے دیا۔

کیسے مسلمان ہو

یزید کے دربار میں یہودیوں کا ایک عالم بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ نواسہ رسول کا سر ہے تو اس نے کہا کہ تم کیسے مسلمان ہو۔ میں حضرت داؤد علیہ السلام کی سترہویں پشت سے ہوں۔ لیکن پھر بھی میری قوم

میرا اس طرح احترام کرتی ہے

جیسے میں ہی ان کا پیغمبر ہوں مگر تم نے تو اپنے رسول کی بیٹی کے بیٹے کا سر قلم کر دیا ہے۔ بتاؤ تو سہی تم مسلمان کہلانے کے حقدار کیسے ہو۔ ایک عیسائی بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا مجھے ان کے اسلام پر حیرت ہوتی ہے ہمارے گرجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھوڑے کا ایک سم ہے جسے ہم نے خوشبوؤں سے معطر کر کے شیشے میں سجایا ہوا ہے اور ہزاروں عیسائی ہمہ وقت اس کی زیارت کیلئے جمع رہتے ہیں۔

انہیں اس پیغمبر کی امت کہلانے کا کیا حق ہے جنہوں نے اس نواسے کو شہید کر دیا دیگر اراکین دربار میں چہ گویاں کرنے لگے تو یزید مصلحت وقت کے تحت خاموش ہو رہا۔

یزید کے سامنے اسیران اہل بیت آئے تو اس نے امام زین العابدین کو مخاطب کر کے کہا۔ لڑکے تیرا نام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا عابد ابن حسین۔ یزید نے کہا تیرے باپ نے میرا حق صلب کرنے کی کوشش کی، میرا رشتہ کاٹا، میری حکومت چھیننے کی کوشش کی، اس پر خدا نے اس سے جو سلوک کیا وہ تمہارے سامنے ہے۔

جناب سجاد نے بجائے جواب دینے کے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کرنا شروع کر دی۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي

انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراہا ان
ذالک علی اللہ یسیر لکیلا قاسوا علی ما
فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم واللہ لا یحب کل
مختال فخورا

﴿سورة الحديد آیت نمبر ۲۲﴾

کوئی ایسی مصیبت دنیا اور تمہاری جانوں پر
نہیں آتی جو تمہاری پیدائش سے پہلے لکھی نہ ہوئی ہو یہ
بات تمہیں بتادی گئی ہے کہ تم اس چیز کا افسوس نہ کرو جو
تم سے لے لی جائے اور نہ اس چیز پر فخر کرو جو تمہیں
دی جائے۔

بنت علی کی یزید سے گفتگو

یزید نے قرآنی جواب سنا تو اسے بڑا ناگوار گذرا اور سٹپٹا کر رہ گیا
امام عالی مقام کا سر اس کے آگے رکھا ہوا تھا۔ جناب زینب اور جناب سلیمانہ
نے گردنیں اوپر اٹھا کر سر مبارک کو دیکھا اور پھر جناب زینب نے فرمایا!
اے حسین، اے رسول خدا کے پیارے نواسے، اے فرزند مکہ و منی
اے سیدہ النساء فاطمہ الزہرا کے لخت جگر، اے دوش رسول کے سوار، آپ
یہیں تک پہنچی تھیں کہ یزید نے پوچھا یہ کون ہے؟ جناب سجاد نے بتایا یہ میری
پھوپھی جناب زینب بنت علی ہیں۔

652

یزید نے کہا! کیا حسین یہ نہ گھٹنا تھا کہ میں یزید سے بہتر ہوں اور میرا باپ اس کے باپ سے بہتر ہے۔

جناب زینب نے فرمایا! ہاں میرے بھائی کا یہی فرمان تھا اور یہ بالکل درست ہے اور میں بھی یہی کہتی ہوں کہ میرا بھائی اور میرا باپ تجھ سے اور تیرے باپ سے بہتر تھے۔

یزید نے کہا! تیرا نانا میرے دادا سے اور تیری ماں میری ماں سے ضرور افضل ہیں مگر تیرا باپ میرے باپ سے بہتر نہیں ہے ان کا فیصلہ خدا کرے گا۔

جناب زینب نے فرمایا! خدا کے فیصلے سے پہلے دنیا کی آنکھیں بھی فیصلہ کر رہی ہیں۔ یزید نے اور بھی بڑھ چڑھ کر بہت سی باتیں کیں اور پھر اپنے بڑوں کا نام لیکر شہر پڑھنے لگا۔ جن کا مطلب یہ ہے۔

کاش! آج میرے خاندان کے وہ لوگ موجود ہوتے جنہیں جنگِ بدر میں قتل کیا گیا تھا۔ تو خوش ہو کر مجھے شاباش دیتے کہ تم نے بنی ہاشم کے بہت بڑے سردار کو قتل کر کے بدر کے دن کا بدلہ لے لیا ہے۔

اور پھر چھڑی امام عالی مقام کے لبوں پر لگا کر کہنے لگا تو نے اسی منہ سے میری خلافت کا انکار کیا تھا۔

جناب زینب نے فرمایا یزید! حسین تیری خلافت کو کیسے تسلیم کر لیتے

جبکہ اب بھی تیری باتوں سے گُفر کی محبت اور اسلام سے دشمنی کی بو آرہی ہے تو بدر کے مقتولوں کا انتقام نواسہ رسول سے لینے کا اقرار کر رہا ہے۔ تیرے سینے میں خاندانی عداوت اور کینہ پروری کی آگ بھڑک رہی ہے جو تو نے میرے بے گناہ بھائی کو شہید کر کے ٹھنڈی کر لی ہے۔ تو نے اولادِ عبدالمطلب کے ستاروں کی روشنی ختم کر کے پرانی عداوت کا بدلہ لیا ہے۔ اور پھر بڑوں کو پکار رہا ہے۔

یاد رکھ کہ وہ وقت بھی قریب آنے والا ہے کہ تو بھی ان کے پاس پہنچ جائے گا تو نے اپنے بوڑھے مقتولوں کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے خونِ حسین بہا کر اسلاف کے کفر کے ساتھ تقرب حاصل کر لیا ہے اور اس پر یہ جرات کے اعلان بھی کر رہا ہے۔

یاد رکھ! وہ وقت غمِ قریب آنے والا ہے۔ جب تجھے اس ظلم و ستم کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ میرے بھائی کا خون تیرے محلوں کی دیواروں اور تخت حکومت پر بجلی بن کر گرے گا اور پھر تیرے لئے آگ ہی آگ ہوگی۔ مدینہ الدلم کی نواہی اور بابِ العلم کی بیٹی کا خطبہ سنا تو تمام درباری سکتے میں آگئے۔ پھر ایک شامی حرامی اٹھا اور اس نے جنابِ سیکنہ کی طرف اشارہ کر کے کہا امیر یہ لڑکی مجھے دیدو۔ جنابِ سیکنہ جنابِ نینب سے چمٹ کر پیچھے بیٹھ گئیں تو جنابِ نینب نے پکار کر کہا۔ کینے! تیری یہ جرات کہ ناموسِ رسول پر آنکھ اٹھاتا ہے۔

بے شرم! اس کا حق نہ تجھے ہے اور نہ تیرے امیر کو۔ یزید نے سنا تو غصے سے جل گیا اور یوں بکواس کرنے لگا کہ تم جھوٹی ہو۔ مجھے اس کا حق حاصل ہے میں اگر چاہوں تو ابھی ایسا کر سکتا ہوں۔

حضرت زینب نے فرمایا! غلط کہتے ہو تمہیں اس کا حق خدا نے ہرگز نہیں دیا کہ بناتِ رسول کو مالِ غنیمت سمجھ کر تقسیم کر دو۔ اپنا یہ حق بنانے کے لئے تمہیں برسرا عام یہ اعلان کرنا پڑے گا کہ تم ملتِ مصطفیٰ سے نکل گئے ہو۔ اور تم نے دینِ محمدی کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لیا ہے۔ تمہاری پہلی گفتگو سے صاف کفر کی بو آتی ہے۔ اب یہ اعلان بھی کر سکتے ہو تو

کر دو۔ یزید اور بھی غصے میں آ گیا اور آگ بگولا ہو کر کہنے لگا۔ دین سے تیرا باپ اور بھائی بھی نکل چکا ہے۔

جنابِ زینب نے جواب دیا اللہ کا دین میرے نانا، میرے باپ اور میرے بھائی نے ہی تو دنیا کو دیا ہے۔

یزید چلا یا! اے دشمنِ خدا تو جھوٹی ہے۔

جنابِ زینب نے فرمایا! ظالم تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے ظلم سے گالیاں بکتا ہے اور جبر و تشدد سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور صدائے حق کو دباتا ہے۔ بنتِ علی کی حق و صداقت کی آواز نے تحتِ یزید کو لرزا کر رکھ دیا۔ اُس نے شرمندہ ہو کر گردن جھکالی اور شامی حرامی کو غصے سے کہنے لگا دفعہ ہو جاؤ۔ یزید دربار میں جمع ہونے والے شہریوں کے چہروں کو بھی پڑھ رہا تھا

اس لئے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔ یزید نے بت علی کی بے لاگ گفتگو سنی تو عوام سے بھی ڈرنے لگا یہی یزید کی شکست اور اس کی موت تھی۔

مگر تخت حکومت کی رعوت کس طرح دبے دیتی۔ لوگوں کے ذہنوں کو بدلنے کے لئے پھر بھی کہہ ہی دیا۔ میں تخت حکومت کا مالک ہوں اگر خدا تیرے بھائی سے خوش ہوتا تو یہ بے بسی کی موت کبھی نہ مرتا۔ خدا مجھ سے خوش ہے جس نے مجھے تخت حکومت دے رکھا ہے۔ مجھے لاکھوں آدمیوں پر حاکم بنا رکھا ہے۔ خدا تیرے بھائی کے ساتھ ہوتا تو ضرور اس کی مدد کرتا۔ خدا میرے ساتھ تھا۔

اس نے تیرے بھائی کو بغاوت اور سرکشی کی سزا دے دی میں تخت پر بیٹھا ہوں اور تیرے بھائی کا کناہو اس میرے سامنے پڑا ہے دربار میں کئی لوگوں نے اس کی نحت اور تکبر میں ڈوبی ہوئی گفتگو کا برا منایا اور دل سے اس کے ساتھ نفرت کا اظہار بھی کیا۔ یہی یزید کی حقیقی شکست تھی

ابھی یہ بات جاری ہی تھی کہ مسجد سے مؤذن کی آواز آئی!

اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان لا الہ الا اللہ

اور جب مؤذن نے اشہد ان محمد رسول اللہ اشہد ان محمد رسول

اللہ کہا تو جناب زین العابدین نے فرمایا!

یزید اب بتاؤ کس کی حکومت قائم ہے شہر تمہارا ہے، تخت تمہارا ہے

لیکن نام میرے باپ کے نانا کا گونج رہا ہے کہ تیرے باپ کے نانا کا یا

تیرے نانا کا کیا کسی اور کے نانا کا یا باپ کا۔

اب بناؤ حقیقی حکومت تمہاری ہے یا ہماری ہے۔ دربار میں ہجوم عام ہو چکا تھا امام زین العابدین کے ان الفاظ نے بڑا گہرا اثر کیا۔

مشغول لوگوں کی آواز آئی! حکومت حسین کے نانا کی ہے۔ حسین زندہ ہے، حسین کے قاتل درندے ہیں، بے غیرت ہیں، بے حیاء ہیں غصہ میں آئے ہوئے عوام کے ہجوم پر بڑی مشکل سے قابو پایا گیا۔ یہی یزید کی شکست اور امام حسین علیہ السلام کی فتح تھی۔ حسین علیہ السلام جان دے کر زندہ ہو گئے

اور یزید حسین علیہ السلام کی جان لیکر مردہ ہو گیا تھا۔ حسین علیہ السلام کے قاتل مردہ ہو گئے تھے۔ روح اسلام آزاد ہو رہی تھی۔ مقصد حسین علیہ السلام پورا ہو رہا تھا۔

پھر جناب زینب نے ارشاد فرمایا۔ یزید! تمہاری غیرت بالکل مر چکی ہے۔ تمہیں حیاء ہوتی تو ناموس رسول کو اس طرح دربار میں طلب کر کے رسوا نہ کرتا۔ اے فتنہ گر! کیا تیرا دل ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا۔ ہمارا نب کچھ لوٹ کر بھی تیری وحشت کو سکون نہیں ملا۔ گلستانِ فاطمہ کو اجاڑ کر بھی تیری درندگی کو صبر نہیں آیا۔

خالم من! میرے نانا تیرے نانا سے افضل ہیں۔ میرا باپ تیرے باپ سے افضل ہے۔ میری ماں تیری ماں سے افضل ہے۔ اولاد رسول اولاد

ابوسفیان سے افضل ہے۔ اولاد خدیجہ اولاد ہندہ سے افضل ہے۔ پھر تجھے یہ خیال کیوں نہ آیا کہ ابوسفیان کی بہو بیٹیاں تو پردے میں بیٹھیں اور محمد عربی کی بہو بیٹیاں اس طرح برسر عام تیرے دربار میں قیدی بن کر کھڑی ہوں۔

یزید عوام کی ذہنی حالت کا اندازہ کر چکا تھا۔ اور کہا کہ انہیں حرم سرا میں پہنچا دو۔ ایک روایت میں ہے کہ قید خانہ میں ڈالا گیا تھا۔ اور پھر صبح نعمان بن بشیر سابقہ گورنر کوفہ کے ہمراہ اس لئے پٹے قافلہ کو امام عالی مقام کا سرانور دیکر واپس کر دیا۔ اب یزید میں یہ ہمت نہیں تھی۔ کہ اسیروں کے ساتھ کوئی زیادتی کر سکتا۔

اس لئے کہ خون حسین علیہ السلام نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا دمشق کے شہریوں کو قتل مظلوم کا احساس ہو گیا تھا۔ اور انہوں نے اس فعل قبیح اور مذموم حرکت سے نفرت کا اظہار شروع کر دیا تھا۔ سراقہ اقدس کے متعلق کئی روایات ہیں۔

فیصلہ کن روایت شہید ابن شہید کے حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں ایک روایت ہے کہ قافلہ اہل بیت کربلا کے راستے ہی مدینہ منورہ کو واپس آیا اور کربلا میں امام عالی مقام کا لاشہ اقدس تلاش کر کے اس کے ساتھ ہی سر کو بھی دفن کر دیا گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ سر مدینہ منورہ میں لایا گیا تھا اور جناب فاطمہ الزہرہ اور جناب حسن علیہ السلام کے درمیان دفن کیا گیا تھا۔

بہر حال یہ لٹا پٹا قافلہ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہوا مدینہ منورہ کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔

لٹا پٹا قافلہ دربار رسول پر

اہل بیت رسول نے جب آثار مدینہ دیکھے تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ مدینہ منورہ سے روانگی کا وقت یاد آ گیا۔ اس نورانی قافلہ کا ایک ایک فرد یاد آ گیا۔ قافلہ سالار کا تصور سامنے آیا تو کلیجے چر گئے۔ سینوں پر چھریاں چل گئیں، دردِ عالم کی دہلی ہوئی چنگاریاں آہوں کی ہوا لگنے سے شعلے بن کر بھڑک اٹھیں دلوں کے سمندروں میں طوفان آگئے، آنکھیں آبشاریں بن گئیں۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے کہا آہ!

یا رسول اللہ، وا محمد! یا جدہ، یا تاجدار مدینہ، ہم لٹ گئے۔ آپ کا حسین علیہ السلام آپ کے نام پر قربان ہو گیا۔ یا رسول میرا بھائی بچھڑ گیا، بھتیجے شہید ہو گئے۔ نانا جان! آپ جسے چوما کرتے تھے اس پر تلواریں چل گئیں۔ ظالموں نے اس کا سینہ تیروں سے چھلنی کر دیا۔

اس کے جسم کو نیزوں میں پرویا۔ اس کا بند بند کاٹ دیا۔ اس کی لاش پر گھوڑے دوڑا دیئے۔ آہ نانا جان! تیرے حسین علیہ السلام کی ایک ایک نشانی کربلا کی ریت میں چھپ گئی۔

مقدس نانا! کیسے بتاؤں کہ آپ کی گود میں کھیلنے والی زینب کے

ہاتھوں میں خالوں نے ہتھکڑیاں ڈال دیں یا رسول اللہ! ہمیں رسیوں میں جکڑ کر اونٹوں پر سوار کرایا گیا۔

جناب ام لیلیٰ اور حضرت رباب نے فریاد کی۔ اے تاجدار مدینہ، اے ہمارے آقا و مولا۔ ہمارا گھر برباد ہو گیا، ہمارا سہاگ اجڑ گیا، ہماری آرزوئیں لٹ گئیں۔ ہماری گودیں خالی ہو گئیں۔ ادھر یہ فریاد و فغاں ہو رہی تھی ادھر مدینہ منورہ کے لوگ مرد، عورتیں بچے چیختے چلاتے اور روتے تڑپتے باہر نکل آئے۔ ان کو مصیبت زدہ قافلہ کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ دونوں جانب ایک کھرام مچا ہوا ہے۔

ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے آج ہی قیامت پھا ہو چکی ہے۔ لوگ اہل بیت کی سواریوں سے چمٹ چمٹ کر نالہ و شہیون اور فریاد و فغاں کر رہے ہیں ایک ہی خاندان کے چالیس افراد میں سے چند خواتین اور بیمار سجاد کو دیکھتے ہی صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اہل مدینہ کی فریادیں اور رونا تڑپنا دیکھا تو اہل بیت رسول کے دل اور زیادہ بھر آئے۔ درد اور بڑھتا گیا۔ سوز و الم میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا۔ پھر کون کم روتا۔ سبھی مجسمہ غم بنے ہوئے تھے۔

اسی طرح نالہ و شہیون بھی جاری ہے اور سواریاں بھی آہستہ آہستہ چلی جا رہی ہیں۔ چند قدم آگے بڑھے تو غم و آلام کا ایک طوفان آنکھوں کے سامنے تھا۔ مدینہ منورہ کی چند عورتوں کے ساتھ جناب صغریٰ میلا سا برقعہ

اوڑھے آگے بڑھتی ہیں اور اپنی امی کی سواری کے آگے لیٹ کر فریاد کرتی ہیں۔

امی جان! اب اپنی سواریاں میرے اوپر سے گزاردو۔ امی جان میرے جسم کو مسل دو۔ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دو مجھے اب زندہ نہیں رہنا۔ مجھے اب زندگی کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھوپھی جان! آپ بھی اپنی ناقہ کو میرے اوپر سے گزاردیں پھوپھی جان۔ میری زندگی ختم کر دو۔ میرا جسم پاش پاش کر دو۔

سب کچھ لٹا کر آنے والو آپ کے پہلے بھی مجھ پر بڑے احسان ہیں ایک احسان یہ بھی کر دو۔ مجھے روتی تڑپتی چھوڑ کر جانے والو۔ اب تو مجھے اکبر کے پاس بھیج دو۔ اب تو میرا اکبر مجھ کو ملا دو۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں مجھے میرے بابا کے پاس پہنچا دو۔

آپ علی اصغر کو جلد ملانے کا وعدہ کر گئے تھے یا میرا اصغر واپس کر دو یا مجھے اس کے پاس بھیج دو۔ میں نے اس کے کپڑے سی کی رکھے ہوئے ہیں۔ امی جان میں نے اسے کپڑے پہنا کر دیکھنے ہیں۔

میں نے اس کے لئے کھلونے خریدے ہوئے ہیں میں اس کی امانت اسے پہنچانا چاہتی ہوں خدا کے لئے مجھے اصغر کے پاس بھیج دو۔ مجھے بھیا اکبر کی شادی میں جانا ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو دولہا بنتے دیکھا ہے۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ واپس آ کر ساتھ لے جائیں گے۔ وہ

نہیں آسکے تو میں خود ان کے پاس چلی جاؤں گی۔ ان کو جنت کا دوا لہا بننے کی جلدی تھی۔ وہ جیسی تو اپنا وعدہ بھول گئے۔ لیکن میں اپنا وعدہ ضرور پورا کروں گی۔ میں ان کی شادی میں ضرور جاؤں گی بھیا کی شادی میں بہن موجود نہ ہو تو شادی کا کیا مزا ہے۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہیں۔ مجھے ان کے پاس جانے دو۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور پھر جناب صغریٰ پر بیہوشی طاری ہو گئی اب آپ خود اندازہ کریں!

یاد ویراں دی بیچی معصوم تائیں
مڑمڑ آن ستاوے تے کی ہندا

چھیتی بھین نوں کھڑن دا کر وعدہ
اکبرلین نہ آوے تے کی ہندا

لا کے خواب وچ اصغر نوں نال سینے
مڑ کے اکھ کھل جاوے تے کی ہندا

پچھو صغریٰ نوں صائم جے شام ولوں

خالی اون کچا وے تے کی ہندا

سوار یوں کو پیچھے ہٹا کر بٹھا دیا گیا۔ بیہوشی بچی کو ہوج میں لٹا کر یہ غم میں ڈوبا ہوا قافلہ دربار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہو گیا۔

روضہ اقدس پر پہنچ کر جو حالت الم نصیبوں کی ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ چیخ و پکار کی جگہ دبی دبی آہوں اور سسکیوں نے لے لی تھی۔ مولجہ شریف کے سامنے سب نے ہاتھ باندھے ہوئے تھے اور مسلسل روتے جا رہے ہیں۔

کوئی کسی کو تسلی دینے والا نہیں سبھی اپنے اپنے غم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ دربار مصطفیٰ پر حاضری دینے کے بعد غمزہ قافلہ شہزادی رسول جناب سیدہ فاطمہ الزہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کے مزار اقدس پر حاضر ہوا سب نے اپنے اپنے غم کی کہانی دربار بتول میں پیش کی اور پھر روتے دھوتے سبھی لوگ واپس آ گئے۔ روایات میں آتا ہے کہ اس دن میں اہل مدینہ پر جو غم طاری ہوا اس کا اثر ایک سال سے بھی زیادہ عرصہ تک ایک ہی حالت میں رہا۔ ہر شخص غم میں ڈوبا ہوا اور کھویا کھویا سا نظر آتا۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ جناب زین العابدین نے اس واقع کے بعد پوری زندگی اشکباری میں گذاری۔ آپ کی آنکھوں میں ہمیشہ سُرُخ آنسوؤں کی بہاوت ہوتی رہی۔

یہ درد کب مٹنے والا تھا۔

یہ زخم کب بھرنے والا تھا۔

یہ سوز کب جانے والا تھا۔

غم حسین کو تو زندگی کے آخری سانس تک ساتھ نبھانا تھا یہ غم تو
لاحدود و سمعوں کا حامل ہے۔

آج تیرہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی یہ غم اسی طرح اپنی اثر
انگیزی دکھا رہا ہے جس طریقہ سے یہ ظہور میں آیا غم حسین ہی تو غم حیات کا
مداوا ہے۔

غم حسین ہی تو گناہوں کا کفارہ اور جنت کی کلید ہے امام عالی مقام
کی یاد میں چند آنسو بہا دینا سا لہا سال کی عبادت سے افضل ہے۔

یہ حسین تیرا ہی کام تھا سبھی لال اپنے کئے فدا
تجھے ان ستاروں نے ڈوب کر شبِ غم کا چاند بنا دیا

﴿عطیہ شعر جناب قاری غلام رسول بی، اے﴾

سلام

اے زمین کر بلا تیرے نصیبیاں نوں سلام
تیرے تے تے ہوئے سمھناں جیہاں نوں سلام
جسدے وچ زینب نے آلاشاں نوں واجاں ماریاں
اوس اتھرو ڈوہلدی شامِ غریباں نوں سلام

سب شہیداں عاشقاں دے ہون دوہے نوں سلام
عشق! تیرے اس انوکھے فارمولے نوں سلام
تیر کھا کے جسدے وچ معصوم آکے لیٹیا
خون وچ بھجے ہوئے اصغر دے جھولے نوں سلام

مصطفیٰ دے لاڈ لے حیدر دے پیارے نوں سلام
سیدہ خاتونِ جنت دے دُلا رے نوں سلام
جان دے کے جس نے صائم دین زندہ کر لیا
تاریاں جنے علی دے اوس تارے نوں سلام

کربلا وچ رُل دیاں نازک سریراں نوں سلام
شام ولے جانڈیاں عربی اسیراں نوں سلام
رات دن ویہندی سی صائم راہ جو اکبر ویر دا
اوس ویراں وچھڑی صغریٰ دے ویراں نوں سلام

☆☆☆☆☆☆

شہادتِ حسینؑ کے اثرات

قاتلانِ حسین کا انجام

عن ابن عباس قال رأيت رسول الله
صلى الله عليه وآله وسلم في اطنام نصف
النهار اشعت اغبر معه قارورة فيها. فقلت بأبي
وامي إيا رسول الله ما هذا؟ قال هذا دم الحسين
واصحابه لم ازل التقطه منذ اليوم قال عمار
فاحصينا ذالك اليوم افواجنا قتل في
ذالك اليوم

{الاستيعاب جلد ۱ صفحہ نمبر ۳۸۰} ﴿البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۰۰﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے
ہیں کہ میں نے دوپہر کے وقت خواب میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے پاس خون
سے بھری ہوئی شیشی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایہ حسین اور اس
کے ساتھیوں کا خون ہے میں اس آج صبح سے جمع کر
رہا ہوں۔ عمار کہتے ہیں ہم نے وہ دن یاد رکھا اور یہ
وہی دن نکلا جس دن حسین علیہ السلام شہید ہوئے۔

عن ام سلمة قال رأيت رسول الله صلى الله

عليه وآله وسلم في الجنان وعلى رأسه
ولحيته الثواب فقلت مالک؟ يا رسول الله
قال شهدت قتل الحسين انفا

﴿البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۰۰﴾

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کی
زلفیں اور داڑھی مبارک کے بال غبار آلودہ ہیں میں
نے عرض کی یا رسول اللہ یہ کیا حال ہے۔ تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کہ ہم مقتل حسین
میں گئے تھے۔

امام عالی مقام کی شہادت نے حورو ملائکہ اور انسانوں کے ساتھ
ساتھ قوم جنات کو بھی رُلا دیا۔ جن اور جنیاں بھی فریاد کرتی پھرتی تھیں۔

جنات کے نوحے

قال الامام احمد حدثنا عبد الرحمن بن

مهدی حدثنا ابن مسلم عن عمار قال سمعت

ام سلمة ، قالت ! سمعت الجن تنوح على

الحسين

﴿البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۰۱﴾

امام احمد بن حنبل عبد الرحمن بن مهدی ابن مسلم سے وہ عمار سے

روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ سے سنا کہ امام حسین کی

شہادت پر جنوں نے نوحہ خوانی کی۔ وہ رورہے تھے اور پڑھ رہے تھے۔

ایہا القاتلون جہلا حسینا البشر وبالعذاب والتنکیل

کل اهل السماء ویدعو علیکم ونبی و مرسل و قبیل

قد لعنتم علی لسان ابن دائود

وموسیٰ وصاحب انجیل

﴿البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۰۰﴾

دوسری روایت ابو جناب کلبی وغیرہ سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم

کربلا میں موجود تھے اور ہم نے جنات کے یہ نوحے سنے۔

فله بریق فی الخلود

مسح الرسل جبینہ

جده خیر الجلود

ابواه من علیا قریش

فهم له شر الوفود

خرجوبه وفدا الیہ

قَتَلُوا ابْنَ بَنِي فِهْمٍ
سَكَنُوا بِهِ ذَاتَ الْخُلُودِ

﴿البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۰۰﴾

تاریخ الخلفاء اور ماثبات بالسنة وغیرہ میں ہے کہ امام عالی مقام کی شہادت کے بعد دنیا میں سات دن اندھیرا رہا۔ دھوپ دیواروں پر پڑتی تو انتہائی پھیکی اور زرد رنگ کی ہوتی۔

کوفیوں کی فوج کے پاس زرد رنگ والی گھاس تھی وہ سب مٹی ہو گئی۔ بیت المقدس کے جس پتھر کو اٹھایا جاتا اس کے نیچے خون ہوتا۔ ابن زیاد کے مکانوں میں خون بہہ رہا تھا۔ آسمان کے کنارے سُرخ ہو گئے اور پھر یہ سُرخ بلکی ہوتی گئی جواب بھی شفق کی صورت میں موجود ہے۔ اور قیامت تک رہے گی۔

سُورج گہنا گیا، سات روز تک لگا تار آسمان پر ستارے ٹوٹے رہے۔ ایک شقی نے کربلا معلیٰ میں امام عالی مقام کی شان میں گستاخی کی تھی۔ ایک ستارہ ٹوٹ کر آیا اور اُس کو اندھا کر گیا۔ عراقی فوج کے آدمی اپنے اونٹوں کو ذبح کر کے گوشت پکاتے تو وہ گوشت آگ کے انگارے بن جاتا۔ پھر ہمت کر کے کھانے لگتے تو وہ کڑوا ہوتا۔

عمریشی کا بیان ہے کہ گوہ کے جس کسرامت میں ابن زیاد کے سامنے امام عالی مقام کا سر مبارک رکھا ہوا تھا اُسی جگہ ابن زیاد کا کٹا ہوا سر

مختار ثقفی کے آگے۔ اُسی جگہ پر مختار ثقفی کا سر مصعب بن زبیر کے آگے رکھا ہوا تھا۔ اور رُاُسی جگہ مصعب کا سر عبدالملک کے سامنے پڑا تھا۔

جب عبدالملک کو معلوم ہوا کہ اس جگہ ایسے ہی حاکم کا سر آتا ہے تو اس نے کسر امارت کو چھوڑ دیا۔

ازدیہ کا بیان ہے کہ شہادتِ حسین کے بعد جب ہم صبح کو اٹھتے تو تمام برتن خون سے بھرے ہوتے۔

ابوسعید کہتے ہیں کہ دنیا میں کہیں بھی کوئی پتھر اٹھایا جاتا اُس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا۔ آسمان سے بھی خون برسا۔ اور جس کپڑے پر بھی پڑا کپڑا پھٹنے تک بھی سُرخ رہا۔

خراسان شام اور کوفہ کے ہر گھر میں خون ہی خون تھا۔ کوفہ میں ایک شخص نے امام مظلوم کی شان میں گستاخی کی تو وہ فوراً جل گیا۔

امام مظلوم کے قاتل ایسی شدید قسم کی پیاس میں مبتلا ہو گئے کہ مشکوں کی مشکیں پانی پی جانے پر بھی پیاس نہ بجھتی۔ چند لوگ ذکر کر رہے تھے کہ امام عالی مقام کے مقابلہ میں حس حس نے بھی حصہ لیا وہ بُری طرح مبتلائے مصیبت ہوا۔

ایک شخص نے کہا کہ لٹ ہے میں بھی اُس جنگ میں موجود تھا اور مجھے کچھ نہیں ہوا۔ پچھلی رات وہ چراغ کی بتی درست کرنے لگا تو آگ نے اُس کے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور پھر آگ آگ کرتا ہوا جہنم میں پہنچ

گیا۔ اُس کا جسم لکڑی کے کونے کی طرح سیاہ ہو چکا تھا۔

زہری کا بیان ہے کہ اُن میں کوئی مارا گیا کوئی اندھا ہو کر مر گیا، کسی کا منہ کالا ہو گیا، کسی کی صورت مسخ ہو گئی۔

واقعی کہتے ہیں کہ ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں ملے، آپ نے آستینیں چڑھائی ہوئی تھیں اور ہاتھ میں تلوار تھی۔ اور امام حسین کے قاتلوں میں سے دس آدمی ذبح کیے ہوئے آپ کے سامنے پڑے تھے۔ آپ نے مجھے غضبناک ہو کر فرمایا ! تم نے میرے بیٹے کے قاتلوں کی تعداد کیوں بڑھائی اور پھر خون کی ایک سلائی میری آنکھوں میں پھیر دی۔ جب میں بیدار ہوا تو میں اندھا ہو چکا تھا۔

سبط ابن جوزی کہتے ہیں ! جس شخص نے کوفہ سے شام جاتے ہوئے امام عالی مقام کا سر اقدس کپڑے میں باندھ کر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا۔ اُس کا منہ انتہائی مکروہ اور کالا ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اُس سے پوچھا کہ تو تو بڑا خوب صورت تھا تجھے کیا ہو گیا؟ تو اس نے بتایا کہ میں نے امام کے سر کو جس دن سے گھوڑے کے ساتھ لٹکایا ہے اُسی دن سے مصیبت میں مبتلا ہوں۔ دو شخص رات کو آتے ہیں اور مجھ کو اٹھا کر بھڑکتی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں اور پھر اس میں دھکا دے دیتے ہیں۔ میرا سر جھکتا ہے اور آگ چہرے کو جھلساتی رہتی ہے۔ پھر وہ بری حالت میں اسی عذاب کے ساتھ مرا۔

امام الانبیاء کا ارشاد ہے ! مجھے جبریل نے بتایا ہے کہ حضرت یحییٰ کے قتل کے بدلہ میں ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تھے اور میرے نواسے کے قتل کے بدلہ میں دو بار ستر ہزار قتل ہوں گے۔ اور پھر یہ فرمان رسول پورا ہو کر رہا۔ قاتلان حسین پر قہر الہی اور غضبِ خداوندی ٹوٹ پڑا تھا۔ اور وہ انتہائی خوفناک موت مر رہے تھے۔

ایک شخص کو خواب میں سرکارِ دو عالم ملے اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے آپ نے غصے کی حالت میں اس کی طرف اشارہ کر رکھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ میں تو حسین کے مقابلہ پر نہیں گیا تھا۔

آپ نے فرمایا ! تو میرے بیٹے کے قتل ہونے پر خوش تو تھا۔ ہم یہاں مختصر طور پر یہ سب کچھ تحریر کر رہے ہیں۔ مکمل طور پر واقعات اور ان پر بحث دوسرے حصہ میں پیش کی جائے گی تاکہ یزید کے خیر خواہوں کا پتہ چل جائے کہ خون حسین کا انتقام کیا ہے اور امام حسین کی شہادت کا مقام کیا ہے۔

اب لگے ہاتھوں امامِ عالی مقام کے مقابلہ میں آنے والے مشہور لوگوں کا انجام بھی ملاحظہ فرمائیں۔

مندرجہ ذیل واقعات کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ امامِ عالی مقام کو خط لکھ کر منگوانے والوں میں ایک شخص مختار ثقفی تھا۔ یہ شخص انتہائی چالاک اور مکار آدمی تھا۔ اور ابنِ سبا یہودی کے خاص چیلوں میں سے تھا۔

چند ایک ہفتہ میٹنگوں کے بعد اُس نے کچھ لوگوں کو ہم خیال بنالیا اور پھر ایک نعرہ مقرر کیا گیا کہ ہم خونِ حسین کا انتقام لیں گے۔

اُس نے لاگوں کو ایک تحریر دکھائی جو محمد بن حنیفہ برادرِ امام حسین کے نام سے تھی کہ ہم تجھے اس امر کی اجازت دیتے ہیں کہ انتقامِ حسین لیا جائے۔

جناب محمد بن حنیفہ کو جب اس تحریر کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا ! اگرچہ ہم ایسی کوئی تحریر نہیں بھیجی تاہم اس کام کو درست سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی نواسہ رسول کا انتقام لیتا ہے تو ہمیں کیا اعتراض ہے۔ مختصر یہ کہ مختار ثقفی کی تحریک چلتی رہی اور زور پکڑتی گئی۔ کوفہ کے لوگ اب اپنی غلطی پر پچھتا رہے تھے اور تلافی کے طور پر اس تحریک کو مضبوط کرتے گئے۔ بالآخر ابن زیاد کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اور قاتلوں نے ہی قاتلوں سے انتقام لینا شروع کر دیا۔ اور خدا کے اس حکم کی عملی تفسیر بن کر سامنے آ گئی جو قوم موسیٰ کو بچھڑا پونے کی سزا پر ہوا تھا۔

قال موسیٰ لقومہ یقوم انکم ظلمتم
انفسکم با اتخاذکم العجل فتوبوا الی بارئکم
فانفسکم

موسیٰ نے اپنے قوم سے فرمایا اے میری قوم تم نے پچھڑ بنا کر اپنے جانوں پر ظلم کیا ہے۔ نو سپتہ پڑا۔ مہر نور لے کی طرف رجوع لاؤ تو آپس

میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔

بہر حال مختار ثقفی کا عہد آچکا ہے اور نامور قاتلان حسین کا انتقام

شروع ہو چکا ہے۔

شمر ملعون کا انجام

شمر کو جب گرتا کر کے مختار کے سامنے لایا گیا تو مختار کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ غضبناک ہو کر کھڑا ہوا اور شمر سے کہا! جس ہاتھ سے گردن حسین پر خنجر پھیرا تھا وہ اٹھا۔

شمر نے رو کر کہا! کہ میں بیا سہوں پہلے تھوڑا سا پانی پلا دو۔ مختار نے کہا! بد بخت تو نے اہل بیت مصطفیٰ پر پانی بند کیا تھا اور اب پانی مانگتا ہے۔ پھر پہلے نیزے مار مار کر اس کا بند بند زخمی کیا اور پھر قتل کر کے لاش کتوں کے آگے پھٹکوا دی۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ پہاڑیوں میں چھپتا پھرتا تھا تو اس کو نیزے مار مار کر ہلاک کیا تھا۔

حرمہ کا انجام

حرمہ وہ بد بخت اور ملعون شخص تھا جس نے جناب علی اصغر کے حلق پر تیر چلایا تھا۔ جب مختار ثقفی کے سامنے آیا تو اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ معصوم اصغر کا گلا حیر نے والے حرامزادے کے گلے پر تیر چلا دے۔ اس کی

گردن کو تیروں میں پرو کر پھر اس کے ہاتھ کٹوائے پھر پاؤں کاٹنے کا حکم دیا۔ اور پھر آگ جلا کر اس میں پھینک دیا۔ یہ ہے خونِ علی اصغر کا انتقام۔

خولی بن یزید

اس شیطان کو جب دربارِ مختار میں پیش کیا گیا تو اس نے کہا کہ یہی وہ مردود ہے۔ جس نے سرِ شبیر کو نیزے پر چڑھایا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے پہلے داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور پھر بائیں ہاتھ کٹوا دیا۔ پھر دونوں پاؤں کاٹ کر اس کا دھڑ اسی طرح باہر پھینک دیا۔

مالک بن بشیر

یہ بھی امامِ عالی مقام پر تیر برسانے والوں میں پیش پیش تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا اور اسی طرح نرپتا ہوا واصلِ جہنم ہو گیا۔

سنان بن انس

اس شقی القلب نے امامِ عالی مقام کے سینے کے آر پار نیزہ بھی کیا تھا۔ اور آپ کے سر کو بھی کاٹا تھا۔

یہ آگے آگے بھاگتا اور پناہ گاہیں تلاش کرتا پھرتا تھا۔ اور مختار کی فوج اس کے پیچھے چڑھی ہوئی تھی۔ یہ پہلے بصرہ گیا وہاں سے قادسیہ اور پھر قادسیہ اور غدیب البجانات کے درمیان گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی پہلے انگلیاں کاٹی گئیں پھر ہاتھ کٹے پھر پاؤں کی انگلیاں کاٹی گئیں اور پھر پاؤں کاٹے گئے پھر اس

کے کان چیر دیئے گئے پھر خنجر بنیر کر آنکھیں نکالی گئیں اور روغن زیتون کی دیگ چڑھا کر اس میں زندہ ڈال دیا گیا۔

حکم بن طفیل

اس ملعون نے حضرت امام حسین کا لباس اتارا تھا۔ اور جناب عباس علمدار پر بازو قلم ہونے کے بعد تیر چلایا تھا۔ اس کو مختار کے فوجی افسر عبداللہ بن کامل نے گرفتار کیا اور پھر اس پر تیر چلا کر واصل جہنم کر دیا۔

ابن زیاد ملعون

یہ مردود بھی چھپا ہوا تھا۔ جب مختار کے لشکر نے گھیراؤ کیا تو مقابلہ کرتا رہا۔ آخر گرفتار ہو کر اسی دارالامارت کے سامنے لایا گیا جہاں بیٹھ کر اہل بیت کے ساتھ ظلم کرنے کے احکام جاری کرتا تھا۔ اس کو گرفتار کر کے کس کر مشقیں باندھی گئیں اور سپاہی اسف کے منہ پر طمانچے مار مار کر لا رہے تھے۔

جب مختار کے سامنے آیا تو اس نے پہلے اس کے جسم کی ایک ایک بوٹی کاٹنے کا حکم دیا۔ جب اس کا ایک ایک عضو کٹ گیا تو پھر اس کی لاش پر گھوڑے دوڑائے گئے۔ پھر اس کا سر کاٹ کر رکھ لیا گیا۔ اور لاش کو آگ میں پھینک دیا گیا۔

اس کا سرا بھی لوگوں کے سامنے ہی پڑا ہوا تھا کہ ایک سانپ آیا اور اس کے ایک پیچ میں گھس کر دوسرے نتھنے سے باہر آ گیا۔ اس سانپ نے ایسا کئی بار کیا اور پھر غائب ہو گیا۔

یہ تھا خون حسین کا انتقام۔ ہر شخص اپنے اپنے ظلم کی سزا بھگت رہا تھا۔ لیکن انتقام آخرت ابھی باقی ہے۔

جس روز ابن زیاد کو اپنی کرتوتوں کا بدلہ لینا پڑا اُس روز بھی یوم عاشورہ تھا۔ یہ دس محرم ۶۱ھ کا واقعہ ہے۔

اس کے ساتھ یزید نے وعدہ کیا تھا کہ جب تم میرے راستے سے حسین ابن علی کا کانٹا ہٹا دو گے تو میں تمہیں خراسان کا حاکم بنادوں گا لیکن نہ تو وہ وعدہ ہی پورا ہوا اور نہ ہی کوفہ و بصرہ کی گورنری باقی رہی۔ بالآخر کتوں کی موت مرا اور قیامت ابھی باقی ہے۔

درس عبرت ہے اہل نظر کے لیے

یزید کا آخری کارنامہ

اور

اس کا انجام

حجاز مقدس میں امام حسینؑ کی شہادت کا بے حد گہرا اثر ہوا اور لوگوں نے یزید سے متنفر ہونا شروع کر دیا۔ خون حسین علیہ السلام پوری رعنائی اور دل آویزی کے ساتھ اپنے اثرات مرتب کر رہا ہے جن لوگوں کو دھوکے سے بیعت یزید قبول کروائی تھی وہ بھی اور جنہوں نے کر لی تھی وہ بھی اب یزید کی بیعت توڑ کر جناب عبداللہ بن زبیر کے ہاتھوں پر بیعت کر رہے تھے۔

یزید کے جاسوسوں نے جب اسے حرمین شریفین میں بسنے والوں کے بیعت توڑنے کے متعلق اطلاع دی تو وہ بہت شیشا گیا اور پھر اس نے عامل مدینہ ولید کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن عثمان کو مدینہ کا گورنر بنادیا مگر لوگ بدستور یزید سے اظہار نفرت کرتے رہے یزید تو وہی یزید تھا جو پہلے تھا فرق صرف یہ ہے کہ امام عالی مقام اس کے فسق و فجور اور حدود اسلامیہ کو توڑنے کے متعلق پہلے ہی جانتے تھے۔

اور لوگوں کو اب معلوم ہوا اہل مدینہ سے کئی لوگ دمشق جا جا کر اس

کی عیاشی اور فحاشی کے کرتوتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے تھے جب عثمان گورنر بن کر آیا تو اس نے مدینہ کے بزرگ لوگوں کو بلا کر سمجھایا کہ یزید کے متعلق آپ تک غلط افواہیں پہنچی ہیں اس لئے آپ اس کی بیعت نہ توڑیں یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے صحابہ کرام کی زندگیوں کے نمونے دیکھے ہوئے تھے آسانی سے کیسے مان جاتے۔

تاہم انہوں نے وعدہ کر لیا کہ ہم خود جا کر تصدیق کرتے ہیں اگر یزید حد و شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہو انہ پایا گیا تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں چنانچہ ان بزرگ ہستیوں کا وفد دمشق کو روانہ ہو گیا گورنر نے اپنے آدمی پہلے ہی روانہ کر دیئے تاکہ یزید کو اس وفد کی آمد کی اطلاع پہلے ہو جائے اور وہ ان کے سامنے اپنی حرکات سے باز رہے یزید اپنی حرکات کیسے چھوڑ سکتا تھا جو قبیحات اس کی گھٹی میں پڑ چکی تھیں ان سے کیسے بچتا ہاں البتہ اس نے اتنا ضرور کیا کہ اس وفد کی دل کھول کر شابانہ ٹھاٹھ سے ان کی خدمت کی اور کافی تحائف و انعامات دے کر انہیں واپس کر دیا

وہ انہیں کوئی اور شامی لوگ سمجھا تھا جن کو خزانوں کے منہ کھول کر جب چاہے خریداجا سکتا تھا اور یہی اس کی غلطی تھی وہ مدینہ الرسول کا وفد تھا اور یہ وہ لوگ تھے جن کے سامنے صحابہ کرام کی مقدس زندگی کی تصویر تھی یہ لوگ مدینہ منورہ میں پہنچے تو انہوں نے صاف طور پر عوام الناس کو بتا دیا کہ معاویہ کا بیٹا فائق فاجر اور تارک نماز ہے کتوں اور بندروں کا شکاری اور لہو

لعب کا رسیا ہے شراب کھلا بندوں پیتا ہے محرمات کو جائز سمجھتا ہے اور اس کے زانی ہونے کے متعلق بھی ہمیں لوگوں نے بتایا ہے وہ شریعت کے قوانین کی ہرگز پرواہ نہیں کرتا اور اپنی من مانی کرتا ہے اس کا فسق و فجور اس قدر ظاہر ہے کہ اس کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

مدینہ منورہ کے لوگوں نے سنا تو انہوں نے ایک دم اس کی بیعت توڑ کر عبد اللہ بن زبیر کے ہاتھوں پر بیعت کر لی اور پھر عبد اللہ بن زبیر مکہ معظمہ کے عدیل بن گئے یزید کے لئے جازیوں کی مخالفت سوہان روح بن گئی اب وہ ابن زیاد کو بھی اس کام پر مامور نہیں کر سکتا تھا کیونکہ امام حسین کے قتل کے عوض اسے خراسان کی حکومت دینے کا وعدہ کر کے یزید نے انحراف کر لیا تھا اور اس کے بجائے اسلم کو وہاں کا گورنر بنا دیا تھا

ابن زیاد بد نہاد کو حکومت کس طرح مل سکتی تھی! یہ تو قدرت کا انتقام تھا۔

بہر حال! اب ابن زیاد بھی یزید سے متنفر ہو چکا تھا اور اس کے کسی بھی کام کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اب یزید نے بڑی سوچ و بچار کے بعد مسلم بن عقبہ کو لشکر جباردیکر مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کا حکم دے دیا مسلم بن عقبہ جسے مسرف بن عقبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کو یزید نے جو حکم دیا وہ معتبر روایتوں کے مطابق یہ تھا کہ مدینہ کے لوگوں سے ہرگز ہرگز کسی نرمی کا سلوک نہ کیا جائے۔

ان لوگوں کے ہر قلم کر دینا تمہیں ان لوگوں پر فتح حاصل کرنے کے

لئے تمہیں قسم کی کاروائی کی اجازت ہے چنانچہ خبیث و مردود مسرف بن عقبہ نے مدینہ الرسول پر فوج کشی کر دی۔ غیل الملائکہ حضرت حظلہ کے صاحبزادے مدینہ کے لوگوں کو ساتھ لے کر مقابلہ میں آئے مگر یزید کی فوج بہت زیادہ تھی۔ بڑے بڑے مقتدر اور ذی وقار لوگ شہید کر دیئے گئے، اور بالآخر فوج یزید مدینہ منورہ پر قابض ہو گئی اور پھر مدینہ پاک کی جو بھرتی فوج یزید نے کی وہ حد بیان سے باہر ہے،

انہوں نے مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھے، محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر شریف کو غلاظت سے آلودہ کیا۔ خدا کی مار ہوان لوگوں پر۔ جنت کی کیاریوں میں ان لوگوں کے گھوڑے لید اور پیشاب کر رہے تھے، اور وہ وحشت اور بربریت کی انتہا کرتے ہوئے مدینہ الرسول کی بھوبینیوں کی عصمت لوٹ رہے تھے۔

تاریخوں میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک ہزار سے بھی زیادہ پاک بازوں کی عصمت دری کی حجرہ رسول کے باہر ستر ہزار ملائکہ ایک طرف درود و سلام کے ہدیئے پیش کر رہے تھے اور دوسری طرف یزید کے بد معاش ذلالت اور رزالت کی انتہا کر رہے تھے۔

یہ تھا یزید کا دوسرا کارنامہ! لعنت ہو خدا کی، ایسی فوج بھیجنے والے پر

اور ایسی فوج پر۔ مدینہ منورہ کی بے حرمتی کرنے کے بعد لشکر یزید نے مکہ معظمہ پر چڑھائی کر دی مسرف بن عقبہ ملعون راستے ہی میں مر گیا اور یزید

کے حکم کے مطابق اس کی جگہ ایک دوسرے ملعون نے لے لی اور پھر مکہ معظمہ میں جا کر انہوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور جگہ جگہ آگ لگا دی۔

منجنيقوں میں رکھ رکھ کر کعبہ معلے پر پتھر برسائے اور کعبے پر آگ پھینکی جس سے غلاف کعبہ جلنے لگا۔ علیٰ ہذا القیاس ظلم و ستم کی کوئی ایسی حد نہیں جو لشکر یزید نے نہ توڑی ہو۔ اور یہ سب کچھ حکم یزید سے ہوا تھا کہ بلائے معلیٰ کے واقعات میں یزید کو ملوث ہونے سے بچانے والے اس ظلم کا کیا جواز پیش کریں گے۔

مدینہ منورہ میں جو قیامت برپا ہوئی اس کو چھوڑ دو صرف یہ بتا دو کہ مدینہ منورہ پر فوج کشی کی اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں مدینہ والوں کو خوفزدہ کرنے والوں کے لئے قرآن کی کیا تعزیر ہے خواہ مخواہ ایک مردود و ملعون اور راندہ نگاہ کی حمایت کرنے سے سوائے ذلالت و زلالت اور آتش جہنم کے اور کیا حاصل ہوگا ادھر غلاف، کعبہ جل رہا تھا ادھر یزید دم توڑ رہا تھا اس کی حکومت کو تین سال اور آٹھ ماہ ہو چکے تھے

اس نے اپنی عیاشی اور فحاشی کے علاوہ ان تین سالوں میں یہ تین عظیم کارنامے سرانجام دیئے تھے نواسہ رسول اور ان کی اہل بیت کو شہید کروایا شہر رسول کو لوٹا اور اس کی بے حرمتی کی مولد رسول کو آگ لگائی اور کعبہ کے غلاف کو جلایا اور اب وہ حمص میں قونج کے شدید ترین درد تڑپ رہا ہے شاہی حکیموں کی سب دوائیں بیکار ثابت ہو رہی ہیں دو تین دن سے اٹھ رہا

ہے اور مسلسل بڑھتا جا رہا ہے اور آخر اسی عذاب الیم میں گرفتار ہو کر جہنم میں داخل ہو گیا۔

لعنۃ اللہ والنصارہ واعوانہ بنو عباس کی حکومت آئی تو انہوں نے اس کی ہڈیاں جلانے کے لئے اس کی قبر کھودی تو وہ پہلے ہی جلی ہوئی اور سیاہ تھیں اس کی قبر پر لوگ پتھر پھینکا کرتے تھے

اور باب الصغیر دمشق میں جہاں اس کی قبر تھی اب وہاں شیشے کا کارخانہ ہے اور ٹھیک اسی جگہ شیشہ گانے والی بھٹی بنی ہوئی ہے ملعون کو دونوں طرف سے آگ نے گھیر رکھا ہے اور اس کی سزا بھی یہی تھی

جتھے جتھے یزید دی ٹیک لگی رہنا ایس اوس ستون چوں سیک اوندا
جا کے دیکھ لو وراج وی دمشق اندراج وی قبر ملعون چوں سیک اوندا

684

ندائے یار رسول اللہ اور استمداد و استعانت

پر
عظیم تحقیقی شاہکار

المدد یا رسول اللہ

تصنیف لطیف

کشتہ عشق رسول خا کپائے اولاد بقول

حضرت علامہ **صائم چشتی** رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ

ارشدمارکیٹ جھنگ بازار فیصلہ آباد 646756

685

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے

ایمان پر بابرکت دلائل

ایمان ابی طالب

تصنیف لطیف

کشتہ عشق رسول خاکپائے اولاد بقتول

حضرت علامہ **صائم چشتی** رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ

ارشدمارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد 646756

686

سیرت سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا

پر
ایمان افروز کتاب

البتول

تصنیف لطیف

حضرت علامہ **صائم چشتی** رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ

ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد 646756

687

سیرت حیدر کرار علیہ السلام

پر
عظیم تحقیقی کتاب

مُشکل کُشا

تصنیف لطیف

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ

ارشد مارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد 646756

ابتلائے انبیاء و اہل بیت کا دردناک بیان
گریہ و فغاں اور درد و الم کی جانگداز تصویر

روضۃ الشهداء

مصنف

حضرت علامہ ملا حسین واعظ الکاظمی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ

ارشاد بارکیٹ جھنگ بازار فیصل آباد 646756